ہر عمر کے بچوں کیلئے

ماہنامہ پھول لاہور

چیف ایڈیٹر --- مجید نظامی

ایڈیٹر --- اختر عباس

پھول کی ادا صبا سے جدا

میرا نام ---------- ہے اور یہ میرا پیارا پھول ہے

اسے پڑھنے سے پہلے مجھے ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ

نماز کی ادائیگی میں دیر نہ ہو رہی ہو courtesy

آج کا ہوم ورک مکمل ہو گیا ہو Rekhta

ابو امی نے جو کام کہے تھے وہ کر لئے ہوں

سب ایڈیٹر --- منظر وحید

ڈیزائنر --- عامر شکیل عامر

السٹریٹر --- نمیر صفدر

لے آؤٹ --- شعیب قادر

انچارج پھول کلب --- محمد اعظم یاد

انچارج کہانی گھر --- عزہ لطیف

انچارج سٹڈی وہیل --- شاہد مٹ

انچارج پھول کلب اوور سیئر --- اعجاز احمد

پاکستان میں بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک

تھائی لینڈ، ویتنام، جنوبی افریقہ، کینیا، مراکش، ایتھوپیا، ماریشس، زمبابوے، یوگنڈا، بورنیو، تائیوان، ہنگری، ملائشیا، فلپائن، لیبیا، ہانگ کانگ، صومالیہ، الجزائر، مصر، عمان، سکم، نیپال، انڈیا، یمن، دوبئی، ابو ظہبی، شارجہ، بحرین، افغانستان، شام، مالدیپ، سری لنکا، لبنان، ترکی، مرون، بنگلہ دیش، عراق، ایران، ترکمانستان، قازقستان، جاپان، تمام یورپین ممالک

آسٹریلیا، برونائی، انڈونیشیا، نیوزی لینڈ، برازیل، آئس لینڈ، ویسٹ انڈیز، روشیا، امریکہ

ہوائی ڈاک سے ماہنامہ پھول

200/- روپے سالانہ 150/- روپے ششماہی

900/- روپے سالانہ 460/- روپے ششماہی

20 ڈالر سالانہ 10 ڈالر ششماہی

1140/- روپے سالانہ 570/- روپے ششماہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

یہ منظر میری آنکھوں نے نہ دیکھا ہوتا۔ دل نے گواہی نہ دی ہوتی اور بے ترتیب سانسوں کو سکون نہ ملا ہوتا تو یقین کرنے میں کافی دیر لگتی۔ چھٹی کے لمحے بچے پوری قوت سے گیٹ کی طرف بھاگتے ہیں۔ وہ آس پاس کی ہر چیز سے بے نیاز ہو کر اکثر خوشی اور جنون کی ملی جلی کیفیت کا مزہ لے رہے ہوتے ہیں انہی لمحوں میں یہ واقعہ ہوا۔ مقابلہ پر بھاگتے ہوئے بچوں میں سے ایک بے دھیانی میں اچانک سامنے آتی ایک خاتون سے ٹکرا گیا۔ وہ بری طرح لڑکھڑائیں مگر سنبھل گئیں فوراً آگے بڑھ کر زمین پر گرتے بچے کو تھاما اسے اٹھایا' بہلایا اور بولیں "بیٹے مجھے معاف کرنا میری وجہ سے تم گرنے لگے تھے۔ سوری مجھے دلی افسوس ہے۔" بچہ جو شرمندہ اور پژمردہ سا کھڑا تھا یہ جملہ سن کر یوں ہو گیا جیسے اس میں کرنٹ دوڑ گیا ہو۔ وہ تن کر کھڑا ہوا۔ پھر اس نے سر جھکایا اور بولا "میڈم! میں معذرت خواہ ہوں۔ اگر آپ پھر کبھی مجھ سے ٹکرا جائیں اور میں گر پڑوں اور مجھے چوٹ لگ جائے تو بھی ایک لفظ نہیں بولوں گا۔ شکایت نہیں کروں گا۔ آپ میری استاد ہو اور I LOVE YOU۔"

ایسا کب اور کیوں ہوتا ہے کہ چوٹ کھا کر بھی کوئی مسکرائے اور دل میں بال برابر گلہ نہ آئے۔ یہ رویہ بڑا ہے یا ظرف یہی بات تھی یہی سوال تھا جو میں بہت احترام سے ان سے پوچھ بیٹھا جو پرائیڈ پبلک سکول کی تقریب کے خصوصی مہمانوں میں سے تھے اور ہم 4'5 لوگ پروگرام کے شروع ہونے سے پہلے پرنسپل کے کمرے میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ گزشتہ 20'25 سالوں سے تدریس کے شعبے سے منسلک ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں اور وہ بھی ان کو جنہوں نے کل استاد بننا ہے یا خود استادوں کو پڑھانا ہے۔ "یاد رکھیے! حالات بہت بدل گئے ہیں۔ استاد کی ضرورتیں بڑھ گئی ہیں۔ اسے عزت کے ساتھ معاش کی ضرورت ہے۔ ایسے میں کوئی صرف اچھے رویے کا کیا کرے۔" ان کی بات سن کر میرا تو دل دھک سے رہ گیا۔ تھوڑا کٹ بھی گیا۔ شاید کسی ایسے ہی موقع کیلئے عربی کے ایک شاعر نے کہا تھا جب محبوب سے کوئی ایک برائی ظاہر ہوتی ہے۔ تو اس کی خوبیاں ہزار سفارش بن کر سامنے آجاتی ہیں۔ ہمارے میزبان ظفر اقبال وہاں ہوتے تو یقیناً میری مدد کو آتے اور بتاتے کہ اہل علم تو کسی اور طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ جن کے بارے میں بابا نور والے کہا کرتے تھے کہ "اہل علم وہ ہوتے ہیں جو مشکل' محنت اور آزمائش کے وقت سب سے آگے اور انعام کے وقت سب سے پیچھے رہتے ہیں" مجھے سردیوں کی وہ صبحیں یاد آئیں جب منہ اندھیرے چھ بجے سکول پہنچتا۔ ابھی سکول لگنے میں پورا ایک گھنٹہ باقی ہوتا تھا اور ماسٹر نور محمد صاحب اپنی گول گول شیشوں والی عینک کے ساتھ بالکل دروازے کے سامنے کرسی لگائے زیرو پریڈ پڑھا رہے ہوتے جو لڑکا کلاس شروع ہونے کے پانچ منٹ کے اندر آجاتا اسے بیٹھنے کی اجازت مل جاتی باقی سب کلاس کے دروازے پر کان پکڑے سکول کی گھنٹی بجنے کا انتظار کرتے' اس زیرو پریڈ کی پڑھائی عمر بھر کام آئی اور انہوں کسی لڑکے سے کبھی ایک پائی نہ پائی اور نہ توقع رکھی خود میں نے دو بار یہ سزا جھیلی اور ان کی ڈانٹ سنی کہ چودھری انور صاحب کا بیٹا ہو گے تو گھر ہو گے میری کلاس میں پڑھنا ہے تو عادتیں میری مرضی کی بنانی ہوں گی۔ جو لکھاؤں سیکھنا ہو گا۔ ان کی دی ہوئی سزا پر نہ کل دکھ تھا نہ آج رنج ہے دل ان کی محبت اور شکر گزاری سے بھرا ہوا ہے۔ ان کا جی چاہتا ہو گا کہ وہ سردیوں کی ان صبحوں کو اپنے گرم بستر میں لحاف اوڑھے سوتے یا گرم گرم چائے کی چسکیاں لیتے..... دوسروں کے بچوں کا مستقبل سنوارنے' انہیں زیادہ پڑھانے اور بڑا انسان بنانے کیلئے انہیں نہ تو کسی انسانی تحفظ کی ضرورت پڑی نہ کسی تعریف و تحسین کی حاجت ہوئی۔ ایک بامعنی زندگی کسی بڑے مقصد سے ہی بنتی ہے۔ وہ خوش نصیب تھے کہ ہر نعمت ان کی زندگی میں خوبی سے موجود تھی..... اور وہ اس پر راضی تھے۔ کسی مقصد پر آپ کا دل مطمئن ہو جائے۔ اسکی صداقت پر یقین ہو جائے تو پھر رگ و پے میں یکسوئی' خون کی طرح دوڑنے لگتی ہے۔ چھپی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں اور ایک نیا انسان بنا دیتی ہیں..... جو دکھنے میں عام لوگوں جیسا مگر خوبیوں میں خاص ہوتا ہے۔ وہ اپنی ضرورتوں کیلئے نہیں خوابوں کیلئے جیتا ہے۔ سوچتا ہوں کہ یہ شہر اور بڑے تعلیمی ادارے واقعی ظالم ہیں کہ لوگوں سے ان کے خواب ہی چھین لیتے ہیں۔ اس کمرے میں موجود سبھی لوگ عمر میں مجھ سے بڑے' تجربے' فضیلت اور مرتبے میں بہت بڑے تھے۔ میں خاموشی سے انکی سنتا رہا۔ اپنے ہی ایک استاد کا کہا یاد تھا کہ اپنے آس پاس کے کامیاب اور اعلیٰ درجے کے لوگوں سے کبھی کبھی ضرور ملتے رہا کرنا ان کے پاس کامیابی کا کوئی نہ کوئی نیا مختلف اور برتر نظریہ ضرور ہوتا ہے۔ انہی میں سے ایک محترم مہمان نے بتایا کہ گورنمنٹ کالج لاہور کے کچھ استاد ایسے بھی ہیں جنہیں نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پہننے کا وہ صبح سے شام سائنس اکیڈمیوں میں پڑھاتے ہیں۔ ہر جگہ چند گھنٹے رکتے ہیں اور پھر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ نوٹوں کی بوریاں ان پر کھلی ہے ڈیڑھ سے دو لاکھ روپے ماہانہ سے تو کیا ہی کم گھر لے جاتے ہوں گے۔ لڑکے مکھیوں کی طرح ان کے پیچھے پیچھے ہوتے ہیں کیونکہ وہ امتحانی پرچوں کا گیس بھی بڑا اچھا دیتے ہیں۔ ان کی سوشل زندگی کیسی ہے؟ کسی نے سوال کیا؟ جواب ملا نہ کہیں آنا نہ جانا۔ نہ انہیں ڈھنگ سے شیو کرنے کی خبر ہے نہ کپڑے سوانے اور پہننے کی۔ کوئی نہ جانتا ہو تو پہچان ہی نہ پائے کہ اتنے امیر آدمی ہیں۔ میں کبھی سمجھ نہیں پایا کہ دکھ کیا چیز ہے۔ اس کا چشمہ دل میں کہاں سے اور کب اچانک پھوٹتا ہے اور شرابور کر جاتا ہے۔ کوئی استاد کے مرتبے سے گر کر امیر آدمی کے انتہائی پہلے درجے پر آرہے تو اس دکھ کے آگے کوئی کیسے بند باندھے۔ یہ دکھ دو امیر انسانوں کیلئے نہیں ہے اللہ انہیں اور رزق دے۔ یہ تو ان دو استادوں کیلئے ہے جو استاد نہیں رہے۔ ان کے لئے اور ان جیسے لوگوں کیلئے جو کبھی احترام اور محبت کا نشان تھے جب جب دل و نگاہ میں کسی استاد کیلئے عزت اور اکرام نہیں ہے گا تو ایک جھلسا دینے والی کیفیت ہو گی۔ یقیناً بہت سے لوگوں کے پاس ان کی حمایت میں دلائل بھی ہوں گے۔ وضاحتیں بھی ہوں گی مگر مارٹن لوتھر کنگ کی بات بھی تو سننی پڑے گی۔ وہ کہتے ہے A man cannot ride you back unless its best. کوئی شخص رائے' خواہش کیسے کسی پر سواری کر سکتی ہے۔ جب تک ارادے اور عزم کی پیٹھ ہی نہ جھکی ہو۔ میں تشنگی نگاہوں سے ان محترم مہمانوں سے کم جو سارے ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ استاد تھے پوچھا صاحبو! کبھی غور کیا کہ میرے آپ کے پسند کے بہترین استاد وہ تھے جن سے ہم نے اسکولوں میں مار کھائی اور ان کے بے لوث ہونے کی گواہی دی۔ کالج میں اتنے سال گزارنے اور یونیورسٹیوں میں سارے تعلیمی مدارج طے کرانے والے اعلیٰ تنخواہیں پانے والے' عمدہ گھروں میں رہنے والے استاد کیوں دلوں میں ان جتنی جگہ بھی نہ پا سکے۔ کہیں تو کچھ گم ہوا ہے اس بے ضرر سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ ایسا ہوتا ہے کئی بار ہوتا ہے شاید بار بار ہوتا ہے گھر سے ایک منزل کاٹے کر نکلنے والے پلیٹ فارم کی بھیڑ کے باعث یا کبھی اپنی ہی غلطی اور جلدی کے باعث ٹرین پکڑ لیتے ہیں پھر غلطی کے باوجود واپس نہیں آپاتے اسے قسمت کا لکھا سمجھ لیتے رہتے ہیں۔ ان کے جسم سفر میں رہتے ہیں مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ آنکھیں اور خواب وہیں پیچھے رکے ہوئے ہوں۔ کسی سے ٹکرا کر بھاگتے بچوں کی طرح گرے ہوئے ہوں کہ کوئی مہربان ہاتھ آگے بڑھے انہیں تھامے اٹھائے اور آگے سے جواب پائے کہ میں ایک لفظ نہیں کہوں گا کوئی شکایت نہیں کروں گا۔ آپ میرے استاد ہو آئی لو یو۔ یہ منظر میری آنکھوں نے نہ دیکھا ہوتا۔ دل نے گواہی نہ دی ہوتی اور بے ترتیب سانسوں کو سکون نہ ملا ہوتا تو یقین کرنے میں واقعی کافی دیر لگتی۔

اختر عباس

آپ کے ایڈیٹر بھیا۔ یکم اگست 99ء

نئی زندگی

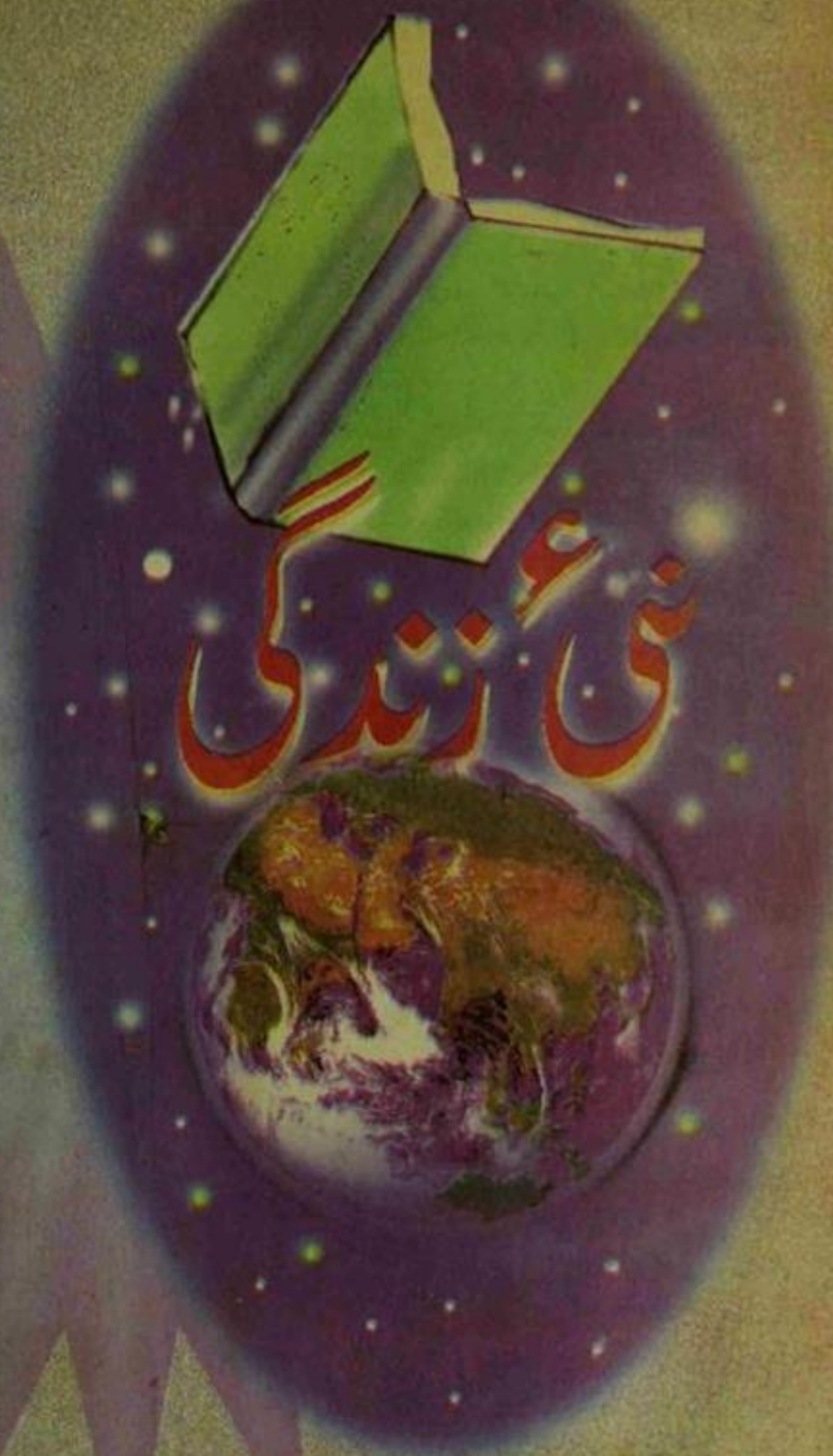

محبوب کتاب کا ماجرا ایک روز اس سے رلانے کا کام مطلوب تھا
کبھی زندگی کی واپسی یوں بھی ہوتی ہے

نذیر انبالوی

کے پاس ڈیڑھ ہزار کے قریب کتابیں تھیں۔ میں نے جب سے سمجھ بوجھ کی سیڑھی پر قدم رکھا تھا بھائی جان کے اردگرد کتابوں کا انبار ہی دیکھا تھا۔ انہیں کتابوں سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ انہیں یوں تو اپنی سبھی کتابوں سے پیار تھا مگر سبز رنگ کی جلد والی کتاب تو گویا ان کی جان تھی۔ وہ اس کتاب کو نمایاں جگہ دیتے۔ پہلے پہل تو میں نے اس جانب توجہ نہ دی مگر جب بھائی جان کو کئی موقعوں پر جذباتی ہوتے ہوئے دیکھا تو ایک دن ان سے پوچھ ہی لیا۔

"آپ کو اس کتاب سے اس قدر محبت کیوں ہے؟"

"اس کتاب نے میری زندگی بدل کر رکھ دی ہے" بھائی جان بولے

"وہ کس طرح؟" میں نے پوچھا

"یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں سکول میں ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ میرا شمار جماعت کے نالائق ترین طلباء میں ہوتا تھا۔ ہمارے کلاس ٹیچر عبدالخالق تھے۔ انہوں نے ہمارے نالائق گروپ کیلئے ایک پلان بنایا" "وہ پلان کیا تھا؟" میں درمیان میں بولی "وہ پلان یہ تھا کہ انہوں نے ہمارے گروپ کو ایک دن علیحدہ بلا کر کہا کہ تم میں سے جو پرسوں تک جماعت میں دیا گیا کام مکمل کر کے لائے گا اسے میں ایک خوبصورت انعام دونگا۔ کلاس ٹیچر کی اس انعامی سکیم سے فائدہ اٹھانے کیلئے میں نے تھوڑی سی توجہ اور محنت کے بعد اپنے نالائق گروپ میں سب سے پہلے کام مکمل کر لیا۔ میں نے مقررہ دن جب اپنی کاپیاں عبدالخالق صاحب کے سامنے رکھیں تو انہوں نے پوچھا

"کیا سارا کام مکمل کیا ہے؟" "جی سر! سارا کام مکمل ہے"

"بہت خوب..... شاباش....." یہ کہہ کر انہوں نے کاپیاں اپنے پاس رکھ لیں۔ تیسرے پیریڈ میں وہ کلاس میں آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک خوبصورت پیکٹ تھا۔ ریاضی پڑھانے کے بعد انہوں نے طلباء کو مخاطب کیا۔

"عزیز طلباء ابھی تھوڑی دیر بعد میں یہ خوبصورت انعام ایک ایسے طالب علم کو دونگا جسکے بارے میں تمام اساتذہ کا خیال ہے کہ وہ جماعت کے نالائق ترین طلباء میں شمار ہوتا ہے مگر میرا خیال یکسر مختلف ہے۔ اس نے تھوڑی سی توجہ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ لاپرواتو ہے نالائق نہیں..... میرا خیال ہے آپ جان چکے ہونگے..... میں انعام دینے والا ہوں..... جاوید اختر کو....." "وہ میری زندگی کا یادگار لمحہ تھا جب تالیوں کی گونج میں مجھے انعام ملا تھا۔ اس دن خوبصورت پیکٹ میں لپٹا ہوا جو انعام ملا تھا وہ یہ کتاب ہی تھی۔ میں نے اس کتاب کے اقوال پوری توجہ سے پڑھے۔ اس کتاب نے میری کایا پلٹ دی۔ میرے نالائق گروپ کے لڑکے تو اپنی جگہ رہے مگر میں اچھے طلباء کے گروپ میں آگیا۔ میرے استاد کا ایک انعام مجھے اندھیرے سے اجالے میں لے آیا تھا۔ عبدالخالق صاحب میری آئیڈیل شخصیت بن گئے۔ میں نے تبھی فیصلہ کر لیا تھا کہ تعلیم مکمل کر کے استاد ہوں گا۔ میرا یہ خواب پورا ہوا" ساری بات جان کر میں نے دائیں طرف کی شیشوں والی الماری میں دیکھا تو سبز جلد والی کتاب سب سے نمایاں تھی۔ بھائی جان شہر سے باہر جاتے تو کتابوں کی حفاظت کا ذمہ مجھ پر ہوتا۔ وہ جب بھی رخصت ہونے لگتے یہی کہتے "کتابوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ انہیں پڑھنا بھی..... ہو سکے تو عمل بھی کرنا....." میں مسکرا کر کہتی "بھائی جان کوشش کروں گی" میرے جواب پر وہ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ سجا کر گھر سے رخصت ہو جاتے۔ اسی طرح وہ ایک مرتبہ برسات کے دنوں میں ایک تعلیمی ورکشاپ میں شرکت کرنے اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ برسات کا موسم تو تھا مگر دریاؤں میں پانی خطرے کے نشان تک نہیں پہنچا تھا۔ لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اچانک سیلاب آجائے گا۔ ہوا یوں کہ شدید بارشوں کی وجہ سے بھارت نے بغیر

گھر میں سفیدی کے دوران جان کے ساتھ ملکر گھر کا سامان سمیٹنے میں مصروف تھی جبکہ بھائی جان کی تمام تر توجہ اپنی کتابوں کی طرف تھی۔ وہ چھت پر دھوپ میں رکھی ہوئیں کتابیں ایک ترتیب سے لا کر اپنے کمرے میں ہی ہوئیں خوبصورت الماریوں میں رکھ رہے تھے۔ بھائی جان کے کمرے کو لائبریری کہا جائے تو مناسب ہوگا۔ ان

اطلاع کے پانی کا شدید ریلا دریائے راوی میں چھوڑ دیا۔ اب لاہور شہر کو بچانے کیلئے شاہدرہ کی جانب کا حفاظتی بند توڑنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ اچانک سیلاب آنے سے بوکھلاہٹ مچ گئی۔ رات دو بجے کا عمل تھا۔ میں امی ابو کے ساتھ خورد و نوش کی ضروری اشیاء کو چھت پر پہنچا رہی تھی۔ اب بھائی جان کی کتابوں کی ذمہ داری بھی میرے کندھوں پر تھی۔ سیلاب کا پانی تیزی سے گھر میں داخل ہو رہا تھا۔ میں سبز جلد کی کتاب کے سوا کسی کو پانی کی زد سے نہ بچا سکی۔ بھائی جان کی جان کتاب کو حفاظت چھت تک لے گئی تھی۔ مواصلاتی نظام سیلاب کی وجہ سے درہم برہم ہو گیا۔ تین دنوں بعد جب پانی اترا تو بھائی جان گھر لوٹے۔ انہوں نے گھر والوں کی خیریت دریافت کرنے کے بعد پہلا سوال سبز جلد والی کتاب کے بارے میں کیا۔

"بھائی جان کتاب بالکل محفوظ ہے مگر افسوس وقت کم ہو[illegible]ی وجہ سے میں آپ کی دیگر کتابوں کو نہ بچا سکی" "کوئی نہیں..... اور کتابیں تو میں بازار سے خرید لوں گا مگر اپنے استاد کا انعام میں کہاں سے لے پاتا..... شاباش..... تم نے اپنی ذمہ داری خوب نبھائی ہے" بھائی جان نے مجھے تھپکی دی۔

سیلاب کے بعد جو عزیز و اقارب ہماری خیریت معلوم کرنے آئے ان میں بھائی جان کے محبوب استاد عبدالخالق بھی تھے۔ وہ صدمے کی وجہ سے لاٹھی کے سہارے چل کر آئے تھے۔ ان کا چہرہ پرنور تھا۔ انہوں نے صحن میں رکھے ہوئے الیکٹرانکس کے سامان، بیڈ، صوفہ اور گیلی کتابوں کو دیکھتے ہوئے کہا "جاوید بیٹا خاصا نقصان ہوا ہے" "سر جی! کچھ بھی نقصان نہیں ہوا" "کیا مطلب؟"

اسکے جواب میں جاوید نے سبز جلد والی کتاب کو عبدالخالق صاحب کو دکھاتے ہوئے کہا "یہ کتاب بچ گئی ہے تو سب کچھ بچ گیا" یہ سن کر عبدالخالق صاحب نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے بھائی جان کو گلے لگاتے ہوئے کہا

"جیتے رہو بیٹا..... اور ترقی کرو..... تمہارے جیسے سعادتمند طالبعلم ہی استاد کا سرمایہ ہوتے ہیں..... اللہ تمہیں خوش رکھے" بھائی جان کی پریشانی اس وقت بھی دیدنی تھی جب خالہ جان کے بچوں نے ان کی عدم موجودگی میں کتابوں کی الماری کا شیشہ توڑ دیا تھا۔ میں باورچی خانے میں مصروف تھی اس لئے بے بلا خوف و خطر الماری سے کتابوں کو نکال کر ادھر ادھر پھینکتے رہے۔ اس عمل سے کسی کتاب کی جلد خراب ہو گئی کسی کے ورق پھٹ گئے۔ مجھے جب اس کارروائی کی خبر ہوئی تو پانی سر سے گزر چکا تھا۔ کمرے میں ہر طرف کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ میں نے بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے کمرے سے نکالا اور خود کتابوں کے اکھڑے ہوئے صفحات کو اکٹھا کرنے لگی۔ مجھے اس وقت حیرت کا شدید جھٹکا لگا جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ بھائی جان کی محبوب کتاب الماری سے غائب ہے۔ مجھے چاروں طرف خطرے کی گھنٹیاں بجتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ کتاب کی تلاش شروع ہوئی مگر بے سود، اسی اثناء میں بھائی جان بھی آ گئے۔ اپنی کتابوں کا حشر دیکھ کر وہ غصے میں آ گئے۔ میں نے جب سبز کتاب کی گمشدگی کے بارے میں بتایا تو بے اختیار ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا تم کہاں تھیں؟" "میں باورچی خانے میں کھانا پکا رہی تھی، یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے" "تم ایسا مت سوچو..... آؤ کتاب تلاش کرتے ہیں" الماری کے پیچھے، بیڈ کے نیچے، پردوں کے پیچھے کتاب کو ڈھونڈا مگر کتاب ملی تو ردی اخبارات میں سے..... کتاب کے ملتے ہی بھائی جان کا چہرہ کھل اٹھا۔ کتاب کو چوما، سینے سے لگایا۔ ایک دن میں کالج جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ فون کی گھنٹی گونجی، میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے کہا گیا

"میں عبدالخالق صاحب کا بھانجا بول رہا ہوں، جاوید اختر صاحب کو ایک پیغام دیدیں"

"جی..... جی..... فرمایئے" "آج نماز فجر کے بعد عبدالخالق صاحب کا انتقال ہو گیا ہے" "انا اللہ وانا الیہ راجعون، بھائی جان کو پیغام دیدوں گی" یہ کہہ کر میں نے مجھے دل کے ساتھ ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے بھائی جان کو ان کے محبوب استاد کے انتقال کی اطلاع دی تو ان پر یکدم سکتہ طاری ہو گیا، ان کی آنکھیں پتھرا گئیں، میرے چیخنے چلانے پر امی ابو کے ساتھ ساتھ پڑوسی بھی آ گئے۔ بھائی جان سب کو تکتے جا رہے تھے۔ "قمر صاحب کیا ہوا ہے؟" حسن صاحب نے ابا جان سے پوچھا "جاوید پر اپنے استاد عبدالخالق کے انتقال کی اطلاع سن کر سکتہ طاری ہو گیا ہے"

"اچھا تو یہ بات ہے، جاوید کو رلاؤ..... اس کو رونا چاہئے ورنہ....." "ورنہ کیا؟....." میں نے پوچھا

"ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے....." یہ سن کر میں رونے لگی۔

"ابا جان! بھائی جان کو ہسپتال لے چلیں....."

"اچھا بیٹا....." ابا جان بولے ہم روتے پیٹتے بھائی جان کو لے کر ہسپتال پہنچے۔ ڈاکٹر نے تسلی دی کہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر کے لگائے ہوئے انجکشن کا اثر تھا کہ بھائی جان دوپہر تک بے سدھ سوئے رہے۔ جب انجکشن کا اثر زائل ہوا تو بھائی جان پھر سب کو تکنے لگے۔ سب نے انہیں رلانے کی کوشش کی مگر ان کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے۔ شام کے وقت عبدالخالق صاحب کے بھانجے نے آ کر بتایا کہ ماموں جان کو ظہر کے بعد سپرد خاک کر دیا گیا تھا۔ اس نے بھی بھائی جان کو عبدالخالق صاحب کے واقعات سنا کر رلانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ رات تک ڈاکٹر صاحب کے لہجے میں بھی فکر کی جھلک دکھائی دینے لگی۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ بھائی جان کے سکول کے کسی دوست کو بلایا جائے جو انہیں عبدالخالق صاحب کے ساتھ گزرے ہوئے وقت کا تذکرہ کرے۔ ہو سکتا ہے اس طرح وہ رو دیں۔ ابا جان کی کوششوں کے بعد بھائی جان کے سکول کا ایک دوست گیارہ بجے ہسپتال آ گیا۔ وہ بھی بھائی جان کو رلانے میں ناکام رہا۔ میں بار بار اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہی تھی۔

"اللہ میاں ہمیں اس مشکل سے نجات دے..... اللہ میاں ایسا کوئی راستہ دکھا دے جس سے بھائی جان کی زندگی بچ جائے..... اللہ میاں تو مشکلات آسان کرنے والا ہمارا واحد سہارا ہے....."

اسی لمحے میرے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ وارڈ کی گھڑی رات کا ایک بجا رہی تھی۔

"ابا جان میرے ساتھ گھر چلیں....."

"اس وقت..... مگر کیوں؟....." ابا جان نے پوچھا

"میں گھر سے کچھ لانا چاہتی ہوں....." ابا جان نے مزید سوال نہ کیا اور میرے ساتھ گھر چل پڑے۔ ایک گھنٹہ بعد میں ابا جان کے ساتھ ہسپتال پہنچ چکی تھی۔ بھائی جان تکیے سے ٹیک لگائے وارڈ کی چھت کو گھور رہے تھے جبکہ امی جان لکڑی کے چھوٹے سے پنکھ پر لونگھ رہی تھیں۔

"بھائی جان آج میں آپ کی ایک محبوب چیز کو آپ کی آنکھوں کے سامنے ختم کروں گی"۔ میری بات کا بھائی جان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ میں نے ایک خاکی لفافے سے سبز جلد والی کتاب نکالی۔ بھائی جان کی آنکھوں کی پتلیوں نے کچھ حرکت کی۔ میں نے پہلا صفحہ پڑھا تو اس پر لکھا تھا

خصوصی انعام

جماعت ہفتم کے طالب علم

جاوید اختر کیلئے

میں نے پہلا صفحہ کھول کر بھائی جان کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے اس وقت تو کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا مگر جب میں نے پہلا صفحہ بیدردی سے پھاڑا تو وہ چیخ اٹھے۔

"اسے مت پھاڑو..... یہ میرے استاد کا دیا ہوا انعام ہے..... اسے مت پھاڑو..... اب یہی میرے پاس میرے استاد کی آخری نشانی ہے..... اسے مت پھاڑو" یہ کہتے کہتے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان کی چیخ و پکار سے آس پاس کے مریض بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ بھائی جان کی آنکھوں میں آئے آنسو دیکھ کر ہماری آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو آ گئے۔ میں بھائی جان کو رلانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ سبز جلد والی کتاب نے انہیں دوسری بار نئی زندگی دی تھی۔ نالائق طالبعلموں کے گروپ سے نکالنے والی بھی یہی کتاب تھی اور اب زندگی اور موت کی کشمکش سے نجات دلا کر نئی زندگی کی نوید دینے والی بھی یہی کتاب تھی۔

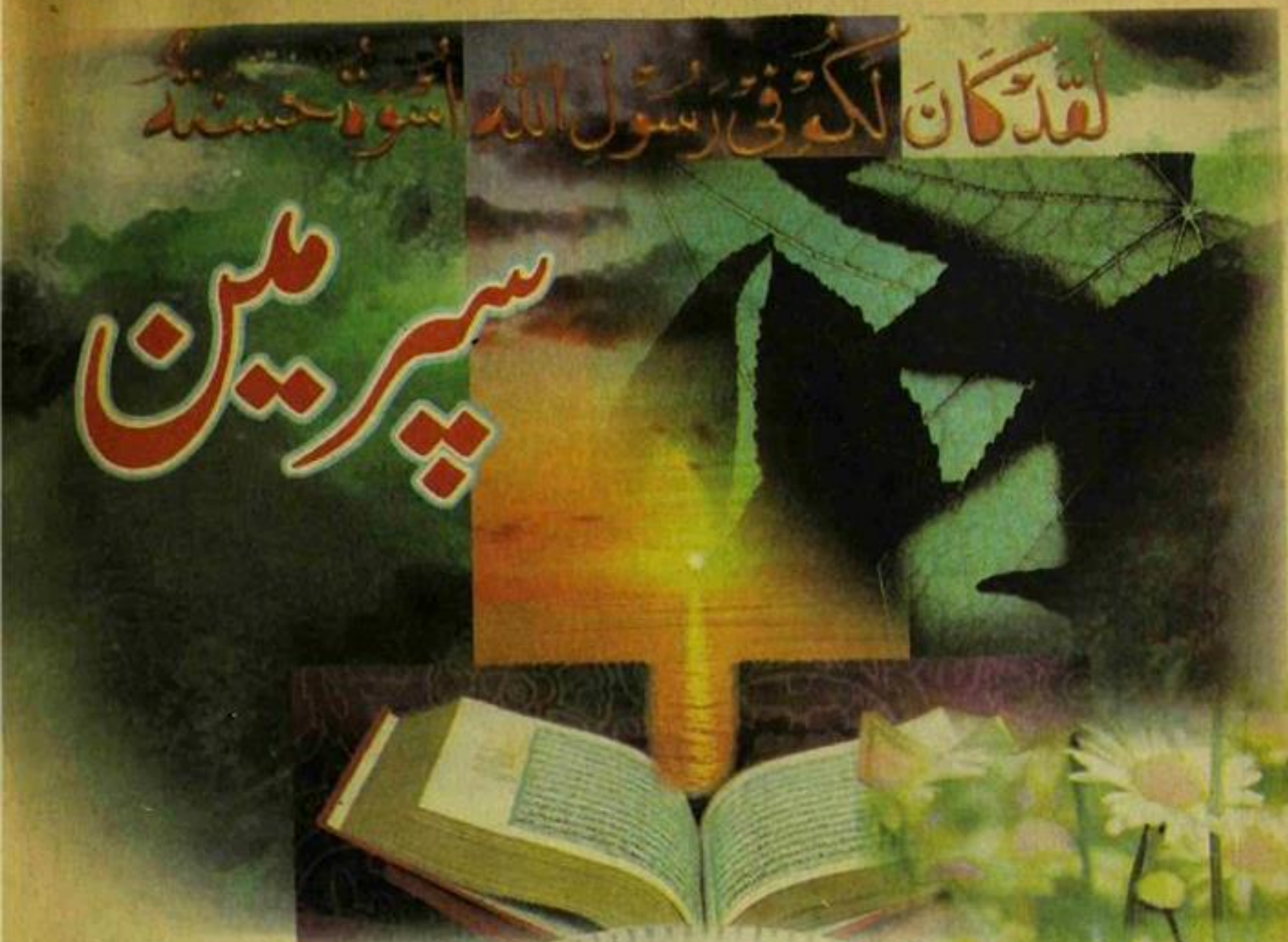

اپنی اپنی پسند کے کرداروں کے ساتھ جینے کے آرزومند 3 دوستوں کا احوال..... وہ آپس میں جھوٹ نہ بولنے پہ متفق تھے ان میں سے A کو MN کی سپورٹ مل گئی تھی انجانے میں بنے استاد کی کہانی..... اسے کبھی بھی اپنے استاد ہونے کا گمان نہ تھا.....

نوشین ناز

مجھے زندگی میں "ٹولڈ مین اینڈ دی سی" میں ٹولڈ مین کا کریکٹر بہت پسند ہے۔ میرے خیال میں جتنا وہ مطمئن کریکٹر ہے اتنا مجھے کوئی بھی نہیں لگا میں تو یہی چاہوں گا کہ میں بھی ایسی ہی فتح حاصل کروں۔ احمر نے کہا۔

اور مجھے (The last leaf) میں موجود (Behrman) کا کریکٹر ہمیشہ سے اسپائر کیا ہے۔ اس نے آخر ایسا شاہکار تخلیق کر ہی لیا جس سے وہ مطمئن ہو کر مرا۔ اظہر نے کہا۔ آخری پتہ لو ہنری کی کہانی مجھے ہمیشہ زندہ محسوس ہوئی ہے۔ یہ ایک نوجوان آرٹسٹ لڑکی (جانسی) کے واقعہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کہانی میں ایک بوڑھے مصور بہرمان کی عظیم قربانی کا بھی ذکر ہے۔ آرٹسٹ لڑکی اپنی دوست کے ساتھ نیویارک شہر کے دور کے نواحی علاقہ میں رہتی تھی۔ یہ نو آبادی صحت کے لحاظ سے اچھی نہیں تھی۔ اس آبادی میں اکثر غریب مصور رہتے تھے۔ وہاں نمونیا کی وبا پھوٹ پڑی۔ آرٹسٹ لڑکی پر نمونیا کا سخت حملہ ہوا ڈاکٹر نے آرٹسٹ کی دوست سے کہا کہ جانسی کا صحت یاب ہونے کا امکان اس بات میں ہے کہ اس میں زندہ رہنے کی خواہش ہو۔ اس کے صحت یاب ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ اگر جانسی کے خیالات کو بدل سکے تو شاید وہ صحت یاب ہو جائے ڈاکٹر کی یہ بات سن کر جانسی کی دوست بہت روئی۔ جانسی کو وہم ہو چکا تھا کہ اس کی کھڑکی کے سامنے موجود بیل پر پتے جھڑنے کا عمل اس کی زندگی کے ساتھ ہے۔ جوں جوں پتے جھڑ رہے تھے وہ اپنے آپ کو زندگی سے دور کرتی جا رہی تھی۔ پت جھڑ کا موسم تھا۔ پتے تو جھڑنے ہی تھے۔ "جب آخری پتہ گر جائے گا تو میں مر جاؤں گی"۔

جانسی سارا وقت کھڑکی سے باہر موجود بیل پر پتے گنتی تھی اور اب بیل پر گنتی کے پتے رہ گئے تھے۔ ان کی زیریں منزل میں ایک بوڑھا مصور "بہرمان" رہتا تھا۔ اس نے ساری زندگی اس خواہش کے تلے گذار دی تھی کہ وہ ایک ماسٹر پیس تخلیق کرنا چاہتا ہے۔ جو اس کی روح کو مطمئن کر سکے۔ وہ ان لڑکیوں کا بہت خیال رکھتا تھا۔ جانسی کی دوست نے بوڑھے مصور سے جانسی کے وہم اور موت کی خواہش کا ذکر کیا۔ وہ یہ کہ جب بیل پر سے آخری پتہ جھڑ جائیگا تو وہ بھی مر جائے گی۔ اگلے دن جانسی نے اپنی دوست سے کہا ساری رات آندھی طوفان رہا ہے۔ دیکھو کھڑکی کھولو! میں آخری پتہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ وہ ضد کرنے لگی جانسی کی دوست نے مجبور ہو کر پردہ اٹھایا جانسی نے دیکھا کہ پتہ جوں کا توں بیل کے ساتھ لٹکا ہوا ہے۔ اس بات نے اس کے دل میں امید پیدا کر دی کہ اتنے آندھی طوفان کے باوجود آخری پتہ بیل پر موجود تھا۔ وہ صحت یاب ہونا شروع ہو گئی۔ ڈاکٹر شام سے قبل آیا اور کہا کہ اب جانسی کی حالت خطرے سے باہر ہے اس نے کہا کہ میں نے ایک اور مریض کو دیکھنا ہے۔ وہ ایک طرح کا مصور ہے جانسی کو مکمل صحت ہو گئی۔ جانسی کی دوست نے اسے بتایا کہ بہرمان ہسپتال میں مر گیا ہے۔ اصل پتہ گر گیا تھا وہ پتہ جو دیوار پر تھا۔ بہرمان نے بنایا تھا سرد ہوا کھانے کی وجہ سے اسے نمونیا ہو گیا اور وہ اسی عارضے سے مر گیا لیکن وہ جاتے جاتے ایک شاہکار تخلیق کر گیا جو عظیم قربانی کا نشان تھا جو امید کا نشان تھا۔

اظہر نے طویل کہانی سنا کر احمر اور عظیم کو دیکھا جیسے اسی کا

موقف اصل راستے کی نشاندہی تھا اور مجھے سپر مین کا کردار ہمیشہ سے انسپائر کیا ہے۔ میں اس کے تصور سے کبھی بھی نہیں نکل پایا۔ عظیم نے کہا۔ تم سپر مین کو کس معانی میں سپر مین تصور کرتے ہو۔ وہ غیر معمولی طاقت کے مظاہرے کرتا ہے۔ ہوا میں اڑتا ہے آگ اس پر اثر نہیں کرتی اور وہ اپنی آنکھوں سے دور سے دور پڑی چیز دیکھ لیتا ہے۔ کیا اس لئے تم اسے سپر مین تصور کرتے ہو۔ احمر نے پوچھا۔ کچھ بھی سمجھ لو لیکن سپر مین، سپر مین تھا اور میں سپر مین کو ہی آئیڈلائز کرتا ہوں۔ طاقت سے ہٹ کر کوئی چیز مطمئن نہیں کرتی۔ عظیم نے کہا۔ طاقت کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ جو ہمارے سیاستدان استعمال کرتے ہیں۔ وہ بھی طاقت ہے جو ہر بڑا چھوٹے پر استعمال کر رہا ہے وہ بھی طاقت ہے۔ اس طرح سے تو پسلوانوں کے پاس بھی طاقت ہے۔ اظہر نے کہا۔ لیکن میں طاقت کو کسی اور معانیوں میں لیتا ہوں۔ میں اس طاقت کو مانتا ہوں جو اندھیر میں دیا جلا سکے۔ جو ظلم کے ہاتھوں سے ہتھیار چھن سکے جو امید سے سائے پیدا کرے۔ جو گر کر بھی اٹھنے کیلئے حوصلہ رکھے۔ جو میٹھے رویوں کی طاقت ہو جو جو زندگی کیلئے بھی اور مطمئن موت کیلئے بھی طاقت ہو۔ جو اس انسانیت کے گرتے وجود کیلئے طاقت کا انجکشن ہو ٹھیک ہے میرے پاس اپنے خیالات کے مفہوم کیلئے یہی ٹوٹے پھوٹے لفظ ہیں لیکن میں سپر مین کو ہی مین تصور کرتا ہو۔ عظیم نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا..... احمر، اظہر اور عظیم کا ٹرائی اینگل بہت مشہور تھا۔ سکول، کالج اور پھر یونیورسٹی میں وہ ایک ساتھ رہے۔ تینوں نے انگلش میں ماسٹر کیا تھا۔ آج وہ لوگ اپنا اپنا رزلٹ کارڈ لینے اکٹھے ہوئے تھے۔ اور انسپائریشن پر بات کرتے کرتے وہ آئیڈیلزم پر نکل آئے تھے۔ احمر کا تعلق بزنس مین فیملی سے تھا۔ اظہر کے والد شہر کے بہت بڑے نیورو سرجن تھے جبکہ عظیم کے والد MNA تھے اور عظیم کو ہمیشہ دونوں دوست چھیڑتے تھے یار عظیم تمہارے نام "A" سے پہلے "MN" کی اتنی سپورٹ ہے کہ تم ہی اس System (نظام) کے قاعدے کے بہترین الفاظ ہو اور عظیم کو کتنی چڑ چڑتی تھی۔ یہ وہی جانتا تھا اس کا اندراج بھی اس سسٹم کے قاعدے میں ہو وہ نہیں چاہتا تھا اس سسٹم کے قاعدے کا سلیبس تو بدلتا رہتا تھا اور وہ تو وہاں لکھا جانا چاہتا تھا کہ جہاں کے سلیبس بدلنے کیلئے نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ پڑھنے کیلئے ہوتے ہیں۔ شام ڈھل رہی تھی۔ اب ان کو گھروں کو جانا تھا۔ جاتے سورج نے ان تینوں نفوس کی آنکھوں میں چمکتی شعاعوں کو دیکھا اور ہنس کر اپنا چہرہ جھکا لیا۔ صبح طلوع ہونے والے سورج میں انسوں نے اپنی زندگیوں کا آغاز کرنا تھا تینوں نے خوشدلی سے ہاتھ ملا کر صبح ملنے کا کہا اور گھروں کو چل دیئے۔ احمر زمان نے اپنی زندگی میں لولڈ مین کو ہی فاتح قرار دیا تھا لیکن بزنس کے دو بیچ کیلئے کسی بوڑھی شمع کو مشعل نہیں بنایا جا سکتا جو ہر پل مشکل راستہ دکھاتی ہو۔ احمر زمان بزنس کی دنیا میں کتنا بڑا بزنس مین تھا اور اس کا بزنس وائرس کی طرح اپنے ملک کے علاوہ دوسرے ممالک میں پھیلا ہوا تھا لیکن اس وائرس نے لولڈ مین کے کریکٹر کو منوں ٹنوں دولت کے انبار میں دبا دیا تھا۔ پاپا آپ کے کسی دوست اظہر زبیری کا بار بار فون آرہا ہے وہ آپ کا پوچھ رہے ہیں۔ اظہر زمان کی سب سے چھوٹی بیٹی حمی نے کچن سے چور اپنے باپ کو کہا جو اس وقت جوتوں سمیت بیڈ پر گرا ہوا تھا۔ کیا؟ احمر زمان کے بدن میں ایک دم سے چستی سی دوڑنے لگی۔ کیا وہ لائن پر ہے؟ احمر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ جی پاپا! حمی نے کارڈلیس احمر کو تھما دیا۔ ہیلو! کہاں ہو یار! اتنے برسوں بعد تمہیں میری یاد کہاں سے آگئی۔ احمر زمان پھر سے 27 سال پہلے کا احمر بن گیا تھا۔ اس دوران وہ لوگ صرف چھوٹی موٹی خط و کتابت کی وجہ سے Link up رہے تھے۔ اپنی اپنی زندگی کی مصروفیت نے بہت فاصلہ پیدا کر دیا تھا یار میں پاکستان آگیا ہوں تمہیں تو پتہ ہے گذشتہ پانچ سال سے تو میرا ٹرانسفر ایران کی ایمبیسی میں ہو گیا تھا۔ اب پاکستان آگیا ہوں مگر گھما ہوں لیکن اب ہم سب سے چھوٹی بیٹی کی شادی پاکستان میں کرنے آئے ہیں آخری فرض ہے پھر ہم میاں بیوی دونوں اکیلے ہونگے۔ سوچا کیوں نہ تم سے اور عظیم سے ملا جائے کیا خیال ہے؟ ہم عظیم کو ملنے نہ چلیں سرپرائز رہے گا۔ احمر زمان کے دل نے ستائیس سال بعد پھر سے فریش سانس لیا تھا۔ کیوں نہیں یار میں بھی اس بزنس سے کچھ دیر کو جان چھڑانا چاہتا ہوں۔ احمر زمان نے حامی بھری۔ ہمیں پتہ ہے وہ عظیم کتنا بڑا رائٹر بن گیا ہے اور اسے دنیا بڑا عالم فاضل مانتی ہے یار وہ ہے ایک نمبر کا ڈرامے باز! اظہر نے محبت سے کہا دونوں ہی ہنس دیئے۔ یار یہ عظیم بھی بڑا عجیب آدمی نکلا۔ باپ MNA تھا پھر اپنے والد کے زور پر اس نے سول سروس کا امتحان بھی پوزیشن سے میرے ساتھ پاس کیا تھا لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ دو تین سال بعد ہی وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر شاید باہر کی کسی یونیورسٹی میں پروفیسر کے طور پر پڑھانے چلا گیا تھا۔ اب اتنا بڑا رائٹر ہے ٹی وی پر بھی اور فلموں میں بھی اس کی سٹوریز چلتی ہیں کئی کتابیں لکھ ڈالی ہیں اور سنا ہے آج کل یونیورسٹی میں Visiting پروفیسر کے طور پر بھی پڑھا رہا ہے۔ یہ کیا پروفیسر ٹائپ چیز بن گیا ہے اسے تو اصولاً کسی بڑی کرسی پر ہونا چاہئے تھا۔ اظہر زبیری نے گاڑی چلاتے ہوئے عظیم پر تبصرہ کیا۔ وہ اور احمر زمان اس وقت عظیم سے ملنے جا رہے تھے۔ جب وہ لوگ عظیم کے ہاں پہنچے تو عظیم کے ڈھیروں Students اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور اس کے ایک ایک لفظ کو اتنے درجے اور مان سے سن رہے تھے کہ کچھ دیر کو احمر زمان کو اپنے منوں ٹنوں دولت کا انبار اور اظہر زبیری کو اپنا بلند مقام ہلکا لگنے لگا تھا۔ محفل کے برخاست ہوتے ہی عظیم انہیں اپنے ذاتی کمرے میں لے گیا یہ بھی باقی گھر کی طرح نہایت سادہ تھا لیکن اس میں بھی عجیب سی دلکشی تھی۔ جس میں تازہ ہوا کا بہت احساس تھا۔ باتوں کے دوران اچانک عظیم نے پوچھا یار تم سناؤ تمہارے لولڈ مین کا کیا بنا کیا وہ ابھی تک فاتح ہے۔ نہیں یار لولڈ مین کی فتح اس دور کی تیز رفتاری میں کارگر ثابت نہیں ہوئی تھی احمر زمان نے کہا بہر حال وہ تینوں آپس میں جھوٹ نہیں بولتے تھے اور تمہارا "بہر مان" کو اس کی قربانی سے بھرا کردار کیا اب بھی تمہارے ساتھ رہتا ہے۔ احمر زمان نے اظہر زبیری سے پوچھا عظیم کی نظروں میں بھی یہی سوال تھا۔ یار شروع شروع میں تو وہ میرے ساتھ ہی تھا لیکن سول سروس میں جب مجھے دور دراز علاقوں میں ٹرانسفر کیا اور ODC بنا دیا گیا تو مجھ سے اس کی حفاظت نہ ہو پائی اور "بہر مان" کی قربانی دینی پڑی اور وہ زندہ نہ رہ سکا یہی وجہ ہے آج میں اس مقام پر ہوں اس کے ساتھ تو شاید میں اس جگہ نہ پہنچ پاتا۔ اظہر زبیری نے کہا تو تم نے اپنی زندگی کا یہ ماسٹر پیس تخلیق کیا ہے عظیم نے دھیمے لہجے سے کہا نہیں یار ماسٹر پیس میں تخلیق نہ کر سکا اس کا مجھے دکھ ہے لیکن اس کے علاوہ کوئی راستہ بھی نہیں تھا اظہر زبیری نے کہا اور تم؟ تم نے عظیم کیا پایا کیا تم نے سپر مین کو پا لیا احمر اور اظہر نے اکٹھے سوال کیا۔ ہاں! عظیم کی آنکھوں میں فتح کا احساس نہ تھا بلکہ ایک عجیب سی چمک تھی۔ جس سے سارا کمرہ دمکنے لگا تھا۔ مجھے اسے تلاش کرنے کیلئے ہر وہ راستہ چھوڑنا پڑا جو دنیاوی آسانی پر مبنی تھا۔ میں نے کہا تھا ناں کہ میں اپنے لئے اس System کے قاعدے میں اپنا لفظ اندراج نہیں کرونگا۔ میں آج جس مقام پر ہوں بے شک میرے پاس ڈھیروں دولت نہیں ہے لیکن میرے پاس احساس، پیار اور دعا کی ڈھیروں دولت ہے جو مجھے بنا مانگے ملتی ہے عظیم سانس لینے کیلئے رکا۔ احمر اور زمان دونوں کی نظریں اس کی جانب تھیں میں نے سپر مین کو بہت تلاش کیا۔ بڑے بڑے صدور میں، کھلاڑیوں میں، انجینئروں میں، سائنسدانوں میں، لوہیوں میں، مجھے کوئی بھی سپر مین نہ لگا پھر آخر کار مجھے سپر مین مل گیا۔ کیا تم میرے سپر مین سے ملو گے عظیم نے دونوں سے پوچھا۔ احمر اور اظہر دونوں نے تجسس میں اثبات میں سر ہلایا۔ عظیم ان کو ایک کمرے میں لے گیا یہ ایک بیڈ روم تھا وہاں کئی الماریاں تھیں ان ہی میں سے ایک الماری میں ایک کتاب پڑی تھی۔ یہ کمرہ میری دلوی کا ہے۔ اب وہ اس دنیا نہیں ہیں جن دنوں میں مارا مارا پھر رہا تھا تو ایک دن انسوں نے مجھ سے پوچھا آخر تجھے کس کی تلاش ہے۔ میں نے کہا ماں جی آپ کو نہیں پتہ چلے گا میرا خیال تھا کہ وہ اپنے زمانے کی صرف خواندہ تھیں انہیں کیا پتہ چلے گا لیکن ان کے مجبور کرنے پر میں نے کہا۔ ماں جی مجھے سپر مین کی تلاش ہے سفر مین؟ ماں جی نے معصومیت سے پوچھا یہ کیا ہوتا ہے بیٹا؟ ماں جی سپر مین کا مطلب سب سے بڑا یا اعلیٰ انسان! مین کا مطلب آدمی ہوتا ہے اور سپر کا مطلب سب سے اعلیٰ میں نے کہا۔ ماں جی میری جانب دیکھ کر مسکرائیں اتنی سی بات! ارے یہ دیکھو یہ کتاب جس پر اتری ہے ناں وہ ہی سپر مین ہے ماں جی نے اپنی گود میں رکھے قرآن پاک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر میں نے واقعی اس کتاب کو پڑھا، دیکھا، پرکھا تو مجھے میری تلاش کیلئے منزل مل گئی مجھے سپر مین کا پتہ مل گیا عظیم نے الماری سے قرآن پاک نکالتے ہوئے احمر زمان اور اظہر زبیری کو دکھاتے ہوئے کہا۔ واپسی پر دونوں دوست خاموش تھے احمر اور اظہر عظیم سے مل کر آرہے تھے عظیم نے جو چاہا وہ پا لیا تھا بے شک وہ سب سے زیادہ مطمئن تھا۔ دونوں کے ذہنوں میں عظیم کا ایک ہی جملہ گونج رہا تھا "میں نے تو دوستو! اسی کو سپر مین جانا جو مین ہے"۔

ایک استاد کی سچی کہانی اسے ترقی راس نہ آئی تھی

ترقی کی قیمت

محمد ظریف گوٹھ ماچھی۔ صادق آباد

ٹن ٹن ٹن۔ چھٹی کی گھنٹی بجی اور سکول کے بچے کچھ اس طرح چیختے چلاتے ہوئے باہر نکلے جیسے قیدیوں کے کسی گروہ کو برسوں کی اسیری کے بعد رہا کر دیا گیا ہو۔ بچوں کے پیچھے اساتذہ بھی سکول سے برآمد ہوئے۔ بچوں کی "رہائی" کے بعد انہیں بھی "آزادی" نصیب ہو گئی تھی۔ انہیں اساتذہ میں ماسٹر اللہ داد بھی شامل تھے۔ ماسٹر صاحب آج بہت خوش تھے کیونکہ آج ہی انہیں نظامت تعلیمات کے دفتر سے ایک خط موصول ہوا تھا جس میں انہیں بتایا گیا تھا کہ انہیں ترقی دے کر ثانوی سکول کا استاد بنا دیا گیا ہے اور پندرہ دن بعد انہیں شہر کے سب سے بڑے ہائی سکول میں بطور ہائی سکول ٹیچر (H.S.T) اپنی ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں۔ اس طرح ان کے گریڈ میں ایک دم سات درجوں اور تنخواہ میں پانچ سو روپیہ سے زائد کا اضافہ ہو جانا تھا۔ ماسٹر صاحب نے دھڑکتے دل اور خوشی کے آنسو سے بھری ہوئی آنکھوں سے یہ خط پڑھا تھا اور اب وہ جلد از جلد گھر جا کر اپنی بیوی کو یہ خوشخبری سنانا چاہتے تھے جو ہمیشہ انہیں یہ طعنہ دیا کرتی تھی کہ "بیس برس ہو گئے تمہیں پڑھاتے ہوئے لیکن ابھی تک پرائمری ماسٹر ہو"۔ ماسٹر صاحب بڑے فخر کے ساتھ اسے یہ بات بتانے جا رہے تھے کہ اب نہ صرف ان پر ترقی کے دروازے کھل گئے ہیں۔ وہ نہ صرف ہائی سکول کے استاد ہو گئے ہیں بلکہ چند برس بعد صدر مدرس کا منصب بھی حاصل کر لیں گے۔ سکول کے تمام اساتذہ نے بھی خلوص دل کے ساتھ جی بھر کر ماسٹر صاحب کو مبارکباد پیش کی تھی لیکن ماسٹر عاشق حسین نہ معلوم کیوں ناراض تھا۔ اس نے اور ماسٹر صاحب نے ایک ساتھ بطور پرائمری ٹیچر محکمہ تعلیم میں شمولیت اختیار کی تھی لیکن چونکہ وہ درمیان میں چند دن بغیر اطلاع کے ڈیوٹی سے غیر حاضر رہا تھا اس لئے بطور سزا اس کے اتنے عرصہ کی مدت ملازمت کم کر دی گئی اور اب اس کی ترقی کئی برس پیچھے چلی گئی تھی کیونکہ سرکاری ملازمت میں ایک دن کی کمی بیشی بھی مساوات ترقی کی مدت کو ایک ایک دو دو سال کیلئے موخر کرا دیتی ہے۔ اس نے اوپری دل سے ماسٹر اللہ داد کو مبارکباد تو پیش کر دی تھی مگر ان سے کھنچا کھنچا ہی رہا۔ ماسٹر صاحب نے سکول کے کچے صحن میں کھڑی ہوئی اپنی سائیکل اٹھائی اور اخوند محلے کی طرف بڑھے جہاں پر واقع ثانوی سکول سے اپنے لڑکے کو ہمراہ لینا تھا جو وہاں ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ پانچ منٹ کے سفر کے بعد وہ سکول پہنچ گئے۔ اس سکول کو وہ روزانہ ہی دیکھا کرتے تھے کیونکہ لڑکے کو اپنے ہمراہ لینے کیلئے انہیں وہاں آنا پڑتا تھا لیکن آج سکول پر نظر پڑتے ہی وہ بے ساختہ مسکرا پڑے کیونکہ چند دن بعد وہ اسی سکول میں استاد بن کر آ رہے تھے۔ ان کا لڑکا سکول کے صدر دروازے پر ان کا منتظر تھا۔ ماسٹر صاحب نے اسے سائیکل پر سوار کیا اور گھر کی طرف چلے۔ ابھی وہ چند قدم ہی آگے چلے تھے کہ ان کے لڑکے نے انہیں بتایا کہ پچھلے پہیے کی تیلیوں سے کوئی چیز مسلسل ٹکرا رہی ہے۔ یہ بات سن کر ماسٹر صاحب جو اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے سائیکل چلا رہے تھے چونک اٹھے اور سائیکل روک کر پچھلے پہیے کا جائزہ لینے لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ پچھلے پہیے کی ایک تیلی سے کپڑے کی ایک بہت چھوٹی سی پوٹلی بندھی ہوئی ہے۔ ماسٹر صاحب سوچنے لگے کہ آخر یہ پوٹلی کون اور کیوں باندھ کر گیا ہے؟ انہوں نے پوٹلی کھول کر دیکھا تو انہیں اس میں ماش کی دال کے چند دانے دکھائی دیئے۔ ان میں سے ایک نسبتاً بڑا دانہ ایسا بھی تھا جو خون میں ڈبویا گیا تھا اور ایک ننھی سی سوئی اس کے آر پار گزر رہی تھی۔ دانے پر جما ہوا خون اب سیاہی مائل ہو چکا تھا۔ ان دانوں اور سوئی کو دیکھ کر ماسٹر صاحب دم بخود رہ گئے کیونکہ یہ تو صریحاً جادو کی علامت تھی۔ انہیں یاد آیا کہ چند برس پہلے ان کے ایک عزیز دوست کی موت کے بعد اس کے گھر میں بھی ایک کونے سے ایسی ہی ایک پوٹلی برآمد ہوئی تھی۔ ان کا وہ دوست خون تھوک تھوک کر نہایت اذیت سے مرا تھا۔ لیکن ماسٹر صاحب نے ضعیف الاعتقادی کے ان خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ انہوں نے پوٹلی کھول کھال کر ایک طرف پھینک دی اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ گھر کے قریب پہنچ کر انہیں یاد آیا کہ انہیں آج ہی بازار سے ڈرائنگ کا کچھ سامان خریدنا ہے کیونکہ انہیں دو روز بعد منعقد ہونے والی ایک تعلیمی نمائش کیلئے کچھ چارٹس تیار کرنا ہیں۔ ماسٹر صاحب ایک اچھے خوشنویس بھی تھے اس لئے یہ کام ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ ماسٹر صاحب نے سکول سے واپسی پر بازار جانے کا فیصلہ صرف اس لئے کیا تھا کہ پھر گھر جا کر سستی طاری ہو جاتی اور وہ شام کو گھر سے نکل سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے لڑکے کو گھر پہنچنے کی ہدایت کی اور خود بازار کا رخ کر لیا۔ بازار میں خریداری کے دوران ان کی ملاقات چند دوستوں سے ہو گئی جن سے گپ شپ کی وجہ سے وہ کوئی تین بجے سہ پہر کے قریب گھر پہنچ سکے۔ ماسٹر صاحب کے گھر میں عموماً ایک بجے دوپہر کھانا اس وقت کھایا جاتا تھا جب ماسٹر صاحب اور ان کا لڑکا واحد گھر پہنچتے تھے۔ اس دن گھر والے ان کے طویل انتظار سے تنگ آ کر دوپہر کا کھانا کھا چکے تھے۔ ماسٹر صاحب کے اہل خانہ میں ان کی ضعیف والدہ، ماسٹر صاحب کی بیوی اور تین بچے بھائی بھاوج اور اس کے دو بچے شامل تھے۔ اس گھرانے میں بہت اتفاق تھا۔ ان کا کھانا ایک جگہ پکتا اور سب لوگ مل کر ساتھ کھایا کرتے تھے۔ ماسٹر صاحب کی آنتیں بھوک سے قل ھو اللہ پڑھ

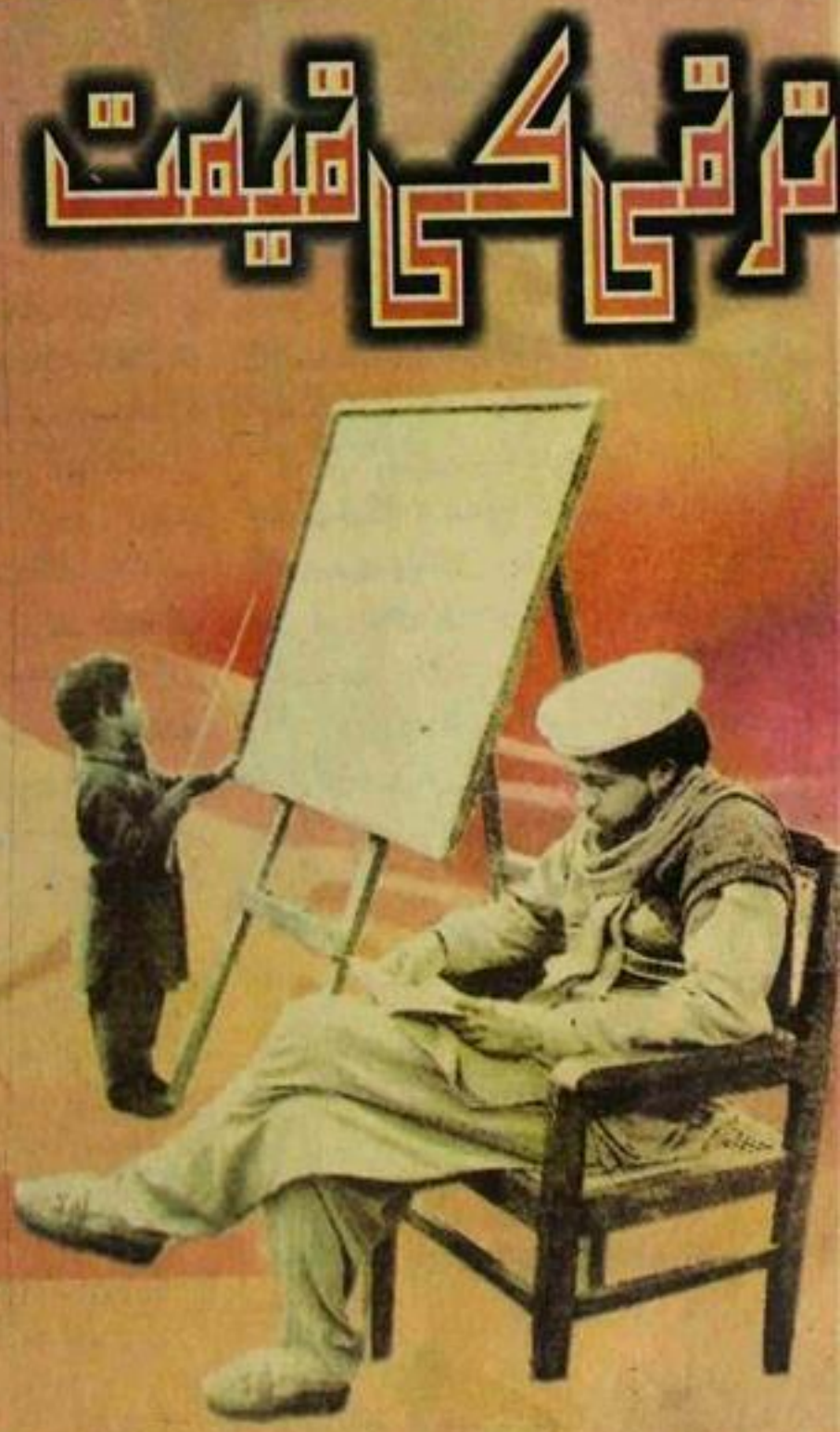

رہی تھیں اور جب ان کی بیوی نے انہیں کھانا گرم کر کے دیا تو اسے دیکھ کر وہ اس لئے مسکرا پڑے کہ اس میں سرسوں کا ساگ اور مکئی کی روٹی کے علاوہ ایک پلیٹ سرخ کی بریانی بھی شامل تھی۔ ماسٹر صاحب کے گھر میں محدود آمدنی کی وجہ سے ایسے مرغن کھانے کی نوبت ذرا کم ہی آیا کرتی تھی۔ انہوں نے بریانی کے بارے میں دریافت کیا تو ان کی بیوی نے بتایا کہ یہ بریانی ماسٹر صاحب کے ایک دوست سرفراز نے بھیجی ہے جس کے ہاں آج کوئی نذر نیاز وغیرہ تھی۔ سرفراز کے گھر سے ایک ملنگ نما آدمی آیا تھا جو ایک بڑی سی پتیلی میں بھری ہوئی بریانی لے کر آیا تھا اور یہ کہہ کر گیا ہے کہ وہ شام کو واپس آئے گا اور پتیلی لے جائے گا۔ بریانی اتنی بڑی مقدار میں آئی تھی کہ سب گھر والوں کو تھوڑی تھوڑی مل گئی۔ کھانے سے فارغ ہو کر کوئی ساڑھے تین بجے سہ پہر کے قریب ماسٹر صاحب ستانے کیلئے چارپائی پر لیٹے ہی تھے کہ ان کی آنکھ لگ گئی۔ ابھی انہیں سوئے ہوئے آدھا گھنٹہ بھی نہ گزرا ہوگا کہ ایک شور سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھے تو دیکھا کہ ان کا بڑا لڑکا واحد کسی درد کی شدت سے مچھلی کی طرح تڑپ رہا ہے۔ اس کے منہ سے نیلے نیلے سے جھاگ نکل رہے ہیں اور ماسٹر صاحب کی بیوی اس کا سر اپنی گود میں رکھے ہوئے ہیں۔ وہ بے تابی سے ماسٹر صاحب کو آوازیں دے رہی ہیں۔ ابھی ماسٹر صاحب نے اٹھ کر واحد کو سنبھالا ہی تھا کہ ان کی بیوی کا بھی زوروں سے مارش کرنے نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے ایسی قے کر دی جس میں خون بھی شامل تھا۔ پندرہ بیس منٹ کے اندر اندر ماسٹر صاحب کے گھر میں تو گویا قیامت آگئی۔ گھر کے دیگر لوگوں نے زہریلی الٹیاں کیں اور بے ہوش ہو گئے۔

صرف ماسٹر صاحب ہی ایک فرد تھے جو مزید نصف گھنٹہ تک اس پراسرار مرض سے بظاہر محفوظ رہے مگر آخر کار انہیں بھی زہریلی قے آگئی اور ان پر غشی طاری ہوتی چلی گئی۔ محلے والوں کو جب ماسٹر صاحب کے گھرانہ کی بگڑتی ہوئی حالت کا علم ہوا تو وہ مدد کو دوڑے۔ ماسٹر صاحب کے ایک ہمدرد عبدالقادر نے سول ہسپتال دلو کو فون کر کے اس صورتحال کی اطلاع دی۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر گھر کے چودہ کے چودہ افراد ہسپتال میں داخل کر دیئے گئے۔ ڈاکٹروں نے ان کا معائنہ کیا تو پتہ چلا کہ یہ سب لوگ زہر خورانی کا شکار ہوئے ہیں۔ زہر نے کئی گھنٹہ بعد اپنا اثر شروع کیا۔ ان چودہ افراد میں سے پانچ کی حالت بہت نازک تھی جنہوں نے ڈاکٹروں کی سر توڑ کوششوں کے باوجود دم توڑ دیا۔ ان لوگوں میں ماسٹر صاحب کی 65 سالہ والدہ ان کی اہلیہ بارہ سالہ بیٹا واحد گیارہ برس کی بیٹی رومینہ اور 4 سالہ بھتیجا منور شامل تھا۔ چھوٹے سے شہر دلو دلو میں 13 / اپریل 1967ء کو ایک ہی گھر سے جب پانچ جنازے نکلے تو پورے شہر میں کہرام مچ گیا۔ سبھی چھوٹے بڑے اور اپنے اور غیر آنسو بہا رہے تھے۔ المیہ یہ تھا کہ ان لاشوں کی تجہیز و تکفین میں گھر کا کوئی فرد شامل نہ تھا کیونکہ موت کے منہ سے بچ نکلنے والے لوگ بیہوشی یا نیم بیہوشی کی حالت میں ہسپتال کے بستروں پر پڑے تھے۔ ماسٹر صاحب کی حالت نسبتاً زیادہ بہتر تھی کیونکہ انہوں نے بریانی بہت تاخیر سے اور کم مقدار میں کھائی تھی۔ 20 / اپریل یہ سب لوگ صحت یاب ہو گئے اور انہیں ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا۔ پولیس ہسپتال ہی میں ان سے بیانات لے چکی تھی اور جب یہ لوگ جانبر ہو کر گھر منتقل ہوئے تو کیس کی باقاعدہ تحقیقات کا آغاز ہوا۔ ماسٹر صاحب کی چھوٹی بھاوج جس نے اجنبی شخص سے بریانی وصول کی تھی نے پولیس کو بتایا کہ بریانی لانے والا ملنگ نما شخص تھا جس کے چہرے پر گھنی داڑھی اور بڑی ہوئی مونچھیں تھیں۔ وہ شخص ماسٹر صاحب کی معمول سے آدھے کوئی نصف گھنٹے قبل ساڑھے بارہ بجے کے قریب بریانی کی پتیلی دے کر گیا تھا۔

اس کا کہنا تھا کہ یہ کھانا ماسٹر صاحب کے ایک دوست سرفراز جوکھیو نے بھیجا ہے۔ پولیس نے سرفراز جوکھیو کو بھی شامل تفتیش کر لیا۔ تاہم تحقیقات سے معلوم ہوا کہ سرفراز جوکھیو صاحب تو واردات سے دو یوم قبل اپنے بیوی بچوں سمیت ایک شادی میں شرکت کرنے کیلئے قصبہ رلو ھن چلے گئے تھے اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے گھر میں کسی نیاز فاتحہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس بات کی شہادت کئی لوگوں نے دی۔ آخر کار سرفراز کو مشکوک افراد کی فہرست سے خارج کر دیا گیا۔ تاہم پولیس کو اس پراسرار واردات کی گتھیاں سلجھانے میں بڑی مشکل پیش آرہی تھی۔ ماسٹر صاحب نے اپنے بیان میں کسی بھی شخص پر شبہ ظاہر کرنے میں معذوری کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ پورے شہر میں ان کا کوئی دشمن یا حریف نہیں ہے۔ وہ ایک استاد تھے اور گزشتہ بیس بائیس برس سے تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ اس شہر کے ہزاروں نوجوان ان کے شاگرد رہ چکے تھے۔ پورے عرصہ ملازمت میں کسی بھی شاگرد یا اس کے والدین سے ان کا کوئی ایسا تنازعہ نہیں ہوا جو اتنے خوفناک انتقام کی وجہ بن سکتا۔ اب پولیس کے سامنے صرف یہ ایک نکتہ قابل غور تھا کہ شاید کوئی ایسا شخص ہو جس کیلئے ماسٹر صاحب کی ترقی پسندیدہ نہ ہو۔ لیکن محض اس وجہ سے کوئی اتنا بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ نہیں کرتا۔ یہ واقعہ ایسا غیر اہم نہ تھا کہ اسے مردہ (DEAD) قرار دے کر سرد خانے میں ڈال دیا جاتا۔ پولیس اور محکمہ تعلیم کے اعلیٰ افسران سے لے کر ایک عام شہری تک پانچ افراد کی ہلاکت کے اس سنگین واقعہ پر تشویش میں مبتلا تھا۔ اس سانحے کے کوئی ایک ماہ بعد ماسٹر صاحب کی بھاوج شاہی بازار میں کچھ خریداری کر رہی تھیں کہ بازار میں اچانک انہیں وہی ملنگ نظر آیا جو انہیں بریانی کی پتیلی دے کر گیا تھا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے شور مچا دیا اور ان کے نوجوان اور صحت مند بھائی نے دوڑ کر اس ملنگ کو اپنے قابو میں کر لیا۔ ملنگ اس صورتحال سے ششدر رہ گیا۔

اس نے خود کو گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ چند دکانداروں اور راہگیروں کی مدد سے اسے پولیس سٹیشن لے جایا گیا جہاں کا تھانیدار اس پورے واقعہ کی تفتیش کر رہا تھا۔ پولیس نے ملنگ کو حراست میں لے کر مقدمہ درج کر لیا۔ پہلے تو ملنگ نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ تو ایک اللہ والا ہے اور آج ہی سہون شریف سے دلو دلو آیا ہے۔ لیکن پولیس نے جب اپنے روایتی انداز میں سختی کے ساتھ پوچھ گچھ کی تو اس نے سب کچھ اگل دیا۔ مگر ملنگ نے پولیس کو بیان دیتے ہوئے جو کہانی سنائی اس نے نہ صرف شہر دلو دلو بلکہ پورے ملک میں ایک ہنگامہ برپا کرا دیا۔ اس نے ماسٹر صاحب کے دوست ماسٹر عاشق حسین کو اصل ملزم ٹھہرایا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے عاشق حسین کے کہنے پر ماسٹر صاحب کے اہل خانہ کو زہریلی بریانی کھلائی تھی۔ ملنگ کا یہ بیان نہایت سنسنی خیز تھا جس نے عوام میں عموماً اور تعلیم یافتہ طبقے میں خصوصاً ایک کھلبلی مچا دی کیونکہ لوگ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ایک پڑھا لکھا اور مدرس کہلانے والا شخص محض ایک معمولی سی ترقی کی خاطر پانچ جانیں لے سکتا ہے۔

ملنگ نے پولیس کو بیان دیتے ہوئے کہ وہ جادو ٹونا کرنے کا کام بھی کرتا ہے۔ دور رہنے والا تو سہون شریف کا ہے مگر اکثر و بیشتر دلو دلو آتا رہتا ہے۔ ماسٹر عاشق حسین اس سے دو ایک بار پہلے بھی کام لے چکا ہے۔ وقوعہ کے دن جب 13 / اپریل کو جب وہ صبح سویرے دلو دلو آیا تو دس بجے کے قریب ماسٹر عاشق حسین نے اس سے ملاقات کی اور اسے بتایا کہ اگر کسی طرح ماسٹر اللہ دلو کو راستے سے ہٹا دیا جائے تو اس کیلئے ترقی کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ ملنگ کے بقول اس نے ماسٹر عاشق حسین کو ماش کی دال کے چند دانے پڑھ کر دیئے جبکہ ایک دانے کو خون میں ڈبو کر اس میں ایک سوئی چبھوئی اور ان چیزوں کو ایک پوٹلی میں باندھ کر عاشق کے حوالے کیا اور اسے ہدایت کی کہ اسے ماسٹر صاحب کی سائیکل پر باندھ دیا جائے۔ امید ہے کہ اس جادو کے اثر سے وہ گھر جاتے ہوئے کسی حادثہ کا شکار ہو جائیں گے۔ لیکن عاشق کے یہ کہنے پر کہ ماسٹر صاحب صوم و صلوٰۃ کے بہت پابند ہیں اور اس لئے شاید یہ جادو ان پر اثر نہ کرے اس نے زہریلی بریانی والا طریقہ اختیار کیا تھا کیونکہ وہ اپنے جادو کو "ناکام" کہلانے پر تیار نہ تھا۔ اس نے بریانی بازار سے خرید کر اس میں بھاری تعداد میں نیلا تھوتھا Coper Sulphate ملایا تھا۔

ماسٹر صاحب چونکہ ایک معروف شخص تھے لہٰذا ان کا مکان تلاش کرنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ بریانی کھا کر ماسٹر صاحب لقمہ اجل بن جائیں گے۔ مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے کے مصداق ماسٹر صاحب تو معجزانہ طور پر محفوظ رہے مگر ان کے چند پیارے موت کے منہ میں چلے گئے۔ سرفراز کا نام لینے کے بارے میں اس کا کہنا تھا کہ اس نے تو بلا سوچے سمجھے یونہی ایک نام لے دیا تھا۔ اسے اس بات کا بالکل علم نہ تھا کہ ماسٹر صاحب کے ایک دوست کا نام واقعی سرفراز بھی ہو سکتا ہے۔ ملنگ کے بیان کے بعد عاشق کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے ملنگ کے بیان کو بالکل جھوٹ قرار دیتے ہوئے اسے پہچاننے سے بھی انکار کر دیا۔ لیکن پولیس کی مسلسل "پوچھ گچھ" کے بعد اس نے بھی اعتراف جرم کر لیا۔ عاشق نے بتایا کہ اس نے ماسٹر صاحب پر جادو کرانے کیلئے ملنگ کو تین ہزار روپے دیئے تھے۔

سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے بھی پولیس کو یہ بیان دیا کہ اس دن عاشق بہت اداس تھا۔ وہ ساڑھے 9 بجے صبح کو مختصر رخصت لے کر کہیں گیا تھا اور گیارہ بجے کے قریب واپس آیا۔ اسی ڈیڑھ گھنٹہ کے دوران اس نے ملنگ سے ملاقات کی تھی۔ ملنگ اور عاشق پر چھ افراد کے قتل کا یہ مقدمہ تقریباً چھ برس تک چلتا رہا۔ اس دوران عاشق تو ٹی بی میں مبتلا ہو کر جیل ہی میں انتقال کر گیا جبکہ ملنگ کو سندھ ہائیکورٹ نے مجرم قرار دیا اور اسے 1973ء کے وسط میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ ماسٹر صاحب اس "ترقی" کے بعد مزید ترقی کرتے ہوئے چند برس بعد واقعی ہیڈ ماسٹر ہو گئے اور 1987ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ ماسٹر عاشق حسد اور جلن میں مبتلا ہو کر یوں نہ کرتا تو شاید خود بھی کبھی ترقی کر کے اچھے منصب پر پہنچ جاتا۔ ماسٹر صاحب ابھی بقید حیات ہیں مگر آج تیس برس بعد بھی ان مظلوم مقتولین کو یاد کرتے ہوئے ان کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں کہ انہیں اپنی ترقی کی بہت بھاری قیمت چکانی پڑی تھی۔

کہانی کا نیا رائٹر

ایک منتقم کی سرگزشت اسے اچانک بھوری آنکھوں سے انتقام کا موقع مل گیا تھا

صائمہ اکرم

"کلاس روم میں بلا کی خاموشی طاری تھی..... سر حماد ملک کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی انکے لہجے میں ایک ٹھہراؤ تھا جو ان کے وقار میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔ وہ ایک تسلسل سے لیکچر دے رہے تھے"۔

ایک معلم کی حیثیت ایک سورج کی سی ہے جو اپنی حرارت اور روشنی ہر چیز تک بے کم وکاست پہنچاتا ہے۔ لیکن اس کا اثر مختلف چیزوں پر مختلف ہوتا ہے کسی پر اچھا کسی پر برا..... اور استاد جگنو کی طرح ہوتا ہے۔ راستہ دکھاتا ہے نجانت کے اندھیروں میں..... اور..... سر حماد کی بات مکمل ہونے سے پہلے رامش بولا "ایکسکیوزمی سر"..... پوری کلاس چونک گئی اور انکی خاموش نظروں میں حیرانگی کا عنصر واضح تھا۔

"سر آپ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ استاد فرد کو جس سانچے میں ڈھالنا چاہے ڈھال سکتا ہے کیونکہ استاد کے ہاتھ میں علم کی شمع ہوتی ہے وہ ایک وقت میں استاد، باپ ماں، دوست، بہن، بھائی سب کا کردار ادا کر سکتا ہے کیونکہ وہ اپنی حرارت سے نوجوان نسل کو سنوارتا ہے..... لیکن معاف کیجئے گا سر آپ کا میرے ساتھ کیا رشتہ ہے ایک استاد کا باپ کا، دوست کا یا بھائی کا..... ؟ آخر آپ میرے ساتھ امتیازی سلوک کیوں کرتے ہیں....." بھوری آنکھوں والا رامش آج پھٹ پڑا تھا جانے وہ کب سے ضبط کے مراحل سے گذر رہا تھا۔ اس کا چہرہ اندرونی کیفیت کے زیر اثر سرخ ہو چکا تھا باوجود کوشش کہ آنسو نیوں کی منڈیر پار کر گئے..... رامش نے بیدردی سے اپنے بازو سے چہرے کو رگڑا اب وہ باقاعدہ ہچکیاں لے کر رو رہا تھا.....

"حماد ملک تو اک لمحے کو سناٹے میں آگئے..... رات کا تیار کیا ہوا سارا لیکچر بھک سے اڑ گیا انہیں علم تھا "رامش رضا" کبھی نہ کبھی بولے گا لیکن اس قدر شدت کی انہیں توقع نہ تھی"۔

"پوری کلاس کے بچوں کے چہروں پر اضطراری کیفیت نمایاں تھی وہ پریشانی سے کبھی سر حماد اور کبھی اپنے کلاس فیلو کو دیکھ رہے تھے..... اور سر بھی تو "حماد ملک" تھے جن کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ اگر بریک میں کبھی وہ گراؤنڈ میں پہنچ جاتے تو ایک منٹ میں سارا گراؤنڈ خالی ہو جاتا۔ انہوں نے سختی اور غصے کا جو حصار اپنے گرد قائم کر رکھا تھا اسے توڑنے کی جرات آج تک کوئی طالب علم نہیں کر سکا۔ حتی کہ دوسری کلاسز کے اساتذہ بھی بچوں کو "حماد ملک" کے نام سے ڈراتے تھے..... غرض کہ سر حماد اور "دہشت" انکے سکول میں ایک ہی چیز کے دو نام تھے۔

"رامش رضا آپ کو مجھ سے کوئی شکایت ہے.....؟" حماد ملک نے گہری نظروں سے اسے کھوجتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا، ان کا سرد لہجہ رگوں میں خون منجمد کر گیا۔ انہوں نے ہمشکل خود کو نسبتاً کم ردعمل کیلئے تیار کیا تھا۔

"نہیں سر شکایت مجھے نہیں بلکہ آپ کو ہے اور آپ کو یہ سن کر بھی خوشی ہوگی کہ میں عنقریب یہ سکول چھوڑ رہا ہوں۔ آپ کی نفرت کا بوجھ اب بہت بڑھ گیا ہے..... کچھ دیر کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا "سوری سر میں نے آپ کو پریشان کیا" وہ اب اپنے آپ کو سنبھال چکا تھا کبھی آہستگی سے کہہ کر آرام سے کلاس روم سے نکل گیا۔

"سر حماد گویا سناٹے میں آگئے..... اگلے ہی لمحے انہیں اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تو فوراً اپنے آپ کو سنبھالا اور کتابیں اور اپنی چیزیں ٹیبل سے اٹھا کر کلاس روم سے نکل آئے..... کوریڈور میں بھی سناٹا تھا..... کیونکہ صبح کا ٹائم تھا اور تمام کلاسز ہو رہی تھیں۔ سر حماد ملک کے تو اندر باہر ہر جگہ سناٹے بین کر رہے تھے اور اس سناٹے میں آنسوؤں بھرے لہجے کی گونج "سر آپ کا میرے ساتھ کیا رشتہ ہے" بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ "ہاں میرا اس کے ساتھ ایک رشتہ ہے..... صرف "بھوری آنکھوں" کا..... وہ بھوری آنکھیں جن سے میں نے اپنی تمام تر شدتوں کے ساتھ نفرت کی تھی اور جب سے انہوں نے سکول جوائن کیا تھا "رامش رضا" کے ساتھ ان کا رویہ شروع سے ہی سخت تھا لیکن اسکے ساتھ نفرت کی وجہ صرف اسکی "بھوری آنکھیں" ہیں جنہیں بعض لوگ "کیٹ آئیز" (بلی آنکھیں) بھی کہتے تھے..... وہ تو ویسے ہی میرا امیج ایک سخت گیر استاد کا تھا لیکن رامش کے ساتھ تو اکثر وہ زیادہ ہی "روڈ" ہو جاتے جس پر باقی کلاس بھی حیران رہ جاتی حالانکہ وہ اچھا خاصا "ذہین" سٹوڈنٹ تھا۔

"سر حماد ملک ایک استاد تھے لیکن کتنی حیرانگی کی بات ہے کہ انہیں یہ شعبہ پسند نہیں تھا..... اور جو چیز پسند نہیں مجبوری ہو اسکے ساتھ انسان بھلا کب تک مخلص رہ سکتا ہے"

باقی صفحہ 29 پر

دو استاد

عاصم فاروقی
پرنسپل
فاروقی گرلز ہائی سکول
ایم اے، بی ایڈ

مسز عاصم فاروقی
ہیڈ مسٹریس
ایم۔اے، ایم۔او۔ایل، بی۔ایڈ

ملاقات: محمد اعظم یاد

فاروقی گرلز ہائی سکول کریم پارک راوی روڈ لاہور نے اس سال 1999ء میٹرک آرٹس گروپ میں پہلی چھ پوزیشنیں لیکر لاہور بھر کے سکولوں کو حیران کر دیا۔ میں اس سلسلے میں قطعی حیران نہیں تھا کیونکہ میں جناب عاصم فاروقی کو بہت عرصہ پہلے سے جانتا ہوں، انتہائی محنتی اور ایماندار شخصیت ہیں۔ ان کے سکول نے ہمیشہ میٹرک بورڈ میں بہترین پوزیشنیں حاصل کی ہیں۔ لاہور میں بڑی بڑی فیسوں والے سکول وہ پوزیشن حاصل نہیں کر پاتے جو کہ ماہانہ ایک سو ساٹھ روپے اور ایک سو اسی روپے فیس والے سکول نے حاصل کی ہیں۔ ہم نے اس ادارے کی مسلسل کامیابیوں کا جائزہ لینے کیلئے فاروقی گرلز ہائی سکول کے پرنسپل عاصم فاروقی سے خصوصی ملاقات کی۔

عاصم فاروقی 1955ء سے شعبہ درس و تدریس سے منسلک ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ آغاز سے ہی بحیثیت استاد میرا شیوہ رہا ہے کہ نونہالان گلشن وقت کی تعلیم اور تربیت دونوں آئیڈیل ہوں، چنانچہ ایک خاص جذبے اور لگن سے ٹیچنگ کا سلسلہ جاری رکھا۔ 1971ء میں لڑکوں کا ایک ہائی سکول بادامی باغ میں اسلامیہ ہائی سکول کے نام پر قائم کیا۔ جو 1972ء میں نیشنلائز ہو گیا۔ موجودہ ادارے فاروقی گرلز ہائی سکول کی بنیاد 1978ء میں ہم دونوں میاں بیوی نے رکھی۔ میری بیگم جو کہ سکول کی ہیڈ مسٹریس ہیں ایم اے، ایم او ایل، بی ایڈ ہیں اور کوئین میری کالج میں پڑھاتی رہی ہیں اس ادارے کا آغاز ایک کلاس Pre one اور ایک Class Room سے کیا۔ ہم دونوں میاں بیوی رات دن ہر لمحہ سکول کو بہتر سے بہتر بنانے کے متعلق سوچتے رہتے اور سکیمیں بناتے رہتے۔

1985ء سے 1994ء تک پرائمری سکول سکالر شپ امتحان میں ہر سال ضلع لاہور میں کوئی نہ کوئی پوزیشن بلکہ پوزیشنیں ہوا کرتی تھیں۔ ایک سال تو اکیس وظائف کا ریکارڈ قائم کیا۔ 1994ء میں لاہور میں طالبات کے تمام سکولوں کے کل بارہ وظائف تھے جن میں سے صرف فاروقی سکول کے دس وظائف تھے اور پہلی پانچ پوزیشنیں بھی ہماری تھیں۔ ہمارے سکول کو 1991ء میں پرائمری سکول سکالر شپ امتحان میں بہترین کارکردگی پر حکومت پاکستان سے میڈل ایوارڈ ملا۔ 1988ء آرٹس گروپ میں سیکنڈ 1992ء لاہور بورڈ میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔ 1994ء فرسٹ 1996ء آرٹس گروپ میں فرسٹ اور سیکنڈ 1997ء میں آرٹس گروپ میں فرسٹ پوزیشنیں لاہور بورڈ سے آئیں۔ اس سال 1999ء میں میٹرک بورڈ میں اول پوزیشن آصفہ انور 736 نمبر، سیکنڈ پوزیشن نورین خالد بٹ 732 نمبر اور تھرڈ پوزیشن سائرہ صلاح الدین 728 نمبر لے کر حاصل کی۔ اس طرح آرٹس گروپ میں اس سکول نے چوتھی، پانچویں اور چھٹی پوزیشن بھی حاصل کی ہیں۔ سائنس گروپ کی 91 طالبات میں سے 42 طالبات نے " A + " 40 طالبات "A" اور 9 طالبات نے "B" گریڈ حاصل کیا۔ سائنس گروپ کی چھبیس طالبات نے سات سو سے زیادہ نمبر حاصل کئے۔

عاصم فاروقی صاحب سکول کے رزلٹ بتاتے جا رہے تھے اور ہم اس عظیم انسان کو دیکھ رہے تھے کہ جن کی عمر 63 سال کی ہو چکی ہے مگر ان کے چہرے پر چمک دمک، بشاشت بالکل جوانوں جیسی تھی۔ ہم نے پوچھا کہ اس کے پیچھے راز کیا ہے۔ آپ کے نزدیک ایک استاد کی کیا خوبیاں ہونی چاہئیں۔ فاروقی صاحب نے کہا کہ بحیثیت استاد، دیانتداری، سچائی، محنت اور مطالعہ لازم و ملزوم ہیں، ان خوبیوں کے بغیر کوئی استاد پرفیکٹ نہیں ہو سکتا۔ شعبہ درس و تدریس دیگر شعبہ ہائے زندگی سے قطعاً مختلف اور منفرد ہے۔ اس شعبہ میں استاد کا تعلق اپنے سٹوڈنٹس سے صرف سکول ٹائم تک ہی نہیں ہوتا بلکہ شبانہ روز ماں باپ اور بیٹے کے تعلق کے پیش نظر استاد کی سوچیں اپنے سٹوڈنٹس کی زندگی میں رنگ آمیزی کے لئے وقف ہوئی رہتی ہیں۔

مسز عاصم فاروقی نے بتایا کہ فاروقی صاحب استاد کی حیثیت سے گھر میں بھی سکول اور طلبہ و طالبات کی تعلیمی حالت سنوارنے، انتظام و انصرام اور اعلیٰ سے اعلیٰ تر بنانے کیلئے سوچتے رہتے ہیں۔ مسز عاصم فاروقی نے کہا کہ سرسید احمد خان نے قوم مسلم کو تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دینے میں اپنی زندگی وقف کر دی اور آج انکی روح ہمارے گھر کی فضاؤں میں موجود ہے کہ میرے خاوند کو سوائے قومی درد کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔

اور یہ حقیقت ہے کہ دونوں میاں بیوی درس و تدریس سے اس طور منسلک ہیں کہ دنیا و فضا سے بے نیاز انہیں ایک ہی لگن ہے کہ کس طرح تعلیمی درسگاہ کو بہتر سے بہتر بنایا جائے۔ فاروقی گرلز ہائی سکول میں HOUSE SYSTEM کے تحت ہر کام ہوتا ہے۔ عاصم فاروقی نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ جذبہ مسابقت سٹوڈنٹس کے مابین پیدا کرنا اور انہیں لڑاؤ مولے کو شہباز سے کام احساس دلانا ہی کامیابی کی بنیاد ہے۔

عاصم فاروقی نے بتایا کہ ہمارا بڑا بیٹا عمیر عاصم فاروقی بھی گزشتہ پانچ چھ سالوں سے ہمارے دوش بدوش قافلہ تعلیم و تعلم میں رواں دواں ہے، میٹرک کے شاندار نتائج اور بورڈ میں پوزیشنیں حاصل کرنے میں انکی محنت اور لگن نمایاں ہے اور خصوصی طور پر سائنس سبجیکٹ کی تیاری عمیر عاصم کی محنت کی مرہون منت ہے۔

بچوں کیلئے اپنے پیغام میں عاصم فاروقی نے یہ شعر پڑھ کر سنایا۔

فضا کی چڑھول تیرگی میں چراغ ہستی جلا رہا ہوں
اے نونہالان قوم آؤ تمہاری راہوں کو جگمگاؤں

نبی نبی الحمدللہ

ایک انوکھی بی بی کی کہانی اسے
سوت سے گھونسلا بنانے کا شوق تھا
ان کیلئے بطور خاص جنہیں ایسی باتیں
دیر سے سمجھ آتی ہیں

صدف بتول

آپ مجھے ہر ہفتے ملنے آجایا کریں۔ ابو روز ہی فون کیا کرینگے نا اور میں نے سب دوستوں سے کہہ دیا ہے کہ مجھے باقاعدگی سے خط لکھ دیا کریں۔۔" امی کچن میں آلو چھیل رہی تھیں جبکہ رضی بال اچھالنے اور پکڑنے کے ساتھ ساتھ امی سے جلدی جلدی باتیں بھی کر رہا تھا۔ امی اس کی کسی بات پر سر ہلا دیتیں اور کبھی اچھا، ٹھیک کہہ کر اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتیں۔ رضی مڈل کے بعد بورڈنگ ہاؤس جا رہا تھا۔ ابو شہر میں جاب کرتے تھے، ان کا گھر گاؤں میں تھا۔ رضی پڑھائی کا شوقین تھا اور سیکھنے کا آرزومند۔ جبھی ابو نے شہر کے اچھے سکول میں اسے پڑھانے کا فیصلہ کیا۔ امی اپنے اکلوتے بچے کو نظروں سے دور نہیں کر سکتیں تھیں لیکن اپنے جذبے کو بچے کی بہتری پر ترجیح بھی نہیں دی جاتی تھی اس لئے راضی ہو گئیں۔ رضی کو گھر اور دوستوں سے دور جانے پر اداسی تو ہو رہی تھی مگر تعلیم کی جستجو اسے ایک جگہ ٹھہرے رہنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔

شہر جانے سے پہلے رضی کے پاس جتنا وقت تھا وہ دوستوں کے ساتھ کھیلنے کودنے میں صرف کر رہا تھا۔ امی سے باتیں کرتا، بورڈنگ ہاؤس کے بارے میں معلومات لیتا۔ صبح سویرے جاگتا، نماز پڑھنے کے بعد بہت دور تک چہل قدمی کر کے واپس آتا۔ چرند پرند، لہلہاتی فصلیں، ٹھنڈی ہوا سے بہت بھائی، اسکا جی چاہتا رات کے مٹتے اندھیرے اور صبح کے اٹھتے سویرے کے لوقات قید کرے اور پیدا کرنے والے کی قدرت کو محسوس کرے۔ فطرت کی زبان سمجھے اور سیکھے کیونکہ انسان سیکھنے اور سکھانے کیلئے دنیا میں آیا ہے۔ راستے میں بہت سے کچے پکے مکانوں میں ایک مکان بی بی کا بھی تھا۔ بی بی کی عمر ساٹھ، پینسٹھ برس کے درمیان تھی۔ چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا تھا گویا ساری زندگی ان میں گندھی ہوئی ہو۔ درختوں کے تنے میں جتنے دائرے ہوں وہ اس کی عمر معلوم کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ بی بی کا چہرہ اسی کی تشبیہ لگتا۔ بال سارے کے سارے سفید جس سے چہرہ روشن دکھتا۔ وہ گھر میں اکیلی رہتیں کیونکہ انکا خاندان باقی ہی نہ بچا تھا۔ عموماً اس عمر کی عورتیں بچوں کو قرآن پڑھاتی نظر آتی ہیں۔ بی بی نے یہ کام اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہ پڑھاتی کم اور روتی زیادہ تھیں! تھوڑی سی زمین سے گزر لوقات ہو جایا کرتی لیکن بی بی کو اسکی پروانہ تھی۔ وہ گاؤں کی ساری بوڑھیوں سے مختلف تھیں۔ اس لئے نہیں کہ نظر کمزور نہیں تھی، کمر میں جھکاؤ نہیں تھا، ادھر ادھر کی باتیں کر کے جی نہیں بہلاتی تھیں بلکہ اس لئے کہ وہ ہر بات پے بات الحمد اللہ کہتی تھیں۔ بیرون ملک بیٹا بیماری سے چل بسا تو صبر کیا، شوہر پر نوجوانی میں زمین کے جھگڑے میں مارا گیا تو ایک حوالہ، رشتہ داروں نے کبھی حال دریافت نہ کیا تو الحمد اللہ، ادھر بیماری میں الحمد اللہ کہا تو ادھر دل آزاری ہونے پر بولیں الحمد اللہ۔ چوٹ لگی تو پھر بھی یہی کہا

اسی لئے تو وہ "نلی بلی الحمد اللہ" بن گئی تھیں۔ رضی کو بلی بلی سے انس تھا۔ وہ پیار اور الفت سے گندھی مٹی سے پیدا کی ہوئی لگتیں۔ گاؤں کے بھی جوں سے پیار کرتیں، کہانیاں سناتیں، مٹھائیاں بانٹتیں۔ ان کی شفقت کے سب سب بچے ان کا بہت احترام کرتے۔ کیا بڑے، کیا چھوٹے وہ سب کی پسندیدہ شخصیت بن بیٹھی تھیں۔ البتہ ان کا موقع بے موقع الحمد اللہ کہتے رہنا عجیب محسوس ہوتا۔ رضی کو بلی بلی سے انس تھا۔ وہ پیار اور الفت سے گندھی مٹی سے پیدا کی ہوئی لگتیں۔ گاؤں کے بھی جوں سے پیار کرتیں، کہانیاں سناتیں، مٹھائیاں بانٹتیں۔ ان کی شفقت کے سب سب بچے ان کا بہت احترام کرتے۔ کیا بڑے، کیا چھوٹے وہ سب کی پسندیدہ شخصیت بن بیٹھی تھیں۔ البتہ ان کا موقع بے موقع الحمد اللہ کہتے رہنا عجیب محسوس ہوتا۔ ایک دفعہ میدان میں بچے گلی ڈنڈا کھیل رہے تھے۔ بلی بلی کا گزر ہوا۔ رضی کی ایک زوردار "شاٹ" نلی بلی کے سر میں جا لگی۔ اتنی تکلیف کے باوجود اللہ کو یاد کئے جا رہی تھیں۔ بلی بلی کے خون نکل آیا تو وہ پریشانی سے رونے لگا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے پیار کیا، دلاسا دیا۔ اپنی مصیبت بھول گئیں اور اس کے آنسو پونچھنے لگیں۔ اس نے بلی بلی سے معافی مانگی تو کہنے لگیں "میرے بچے تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں۔ بلکہ یہ درد مجھے راستہ دکھا رہا ہے، کچھ سکھا رہا ہے"۔ تب رضی نے گھر جا کر امی سے اس بات کی لمبی چوڑی تشریح پوچھی تھی۔ وہ سوچنے لگا غالباً بلی بلی نے بہت سی کتابیں پڑھ رکھی ہیں اور سکولوں میں بھی پڑھایا ہے۔

اگلے روز رضی سوجی اور گھی کا حلوہ بنوا کر بلی بلی کے گھر دینے آیا۔ دیوار پر چڑیاں بیٹھی تھیں اور بلی بلی فرش پر دانے بکھیر رہی تھیں۔ بلی بلی نے چاہت سے تحفہ قبول کیا اور الحمد اللہ کہا۔ رضی نے پوچھا "آپ نے کل مجھے غلطی پر ڈانٹا نہیں؟ بلی بلی آپ بہت اچھی ہیں"۔ انہوں نے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسی مخصوص مٹھاس بھرے لہجے میں بولیں "چوٹ لگنے سے درد ہوا۔ اور مجھے اسی درد نے اللہ جی کو یاد کرنے کا موقع دیا۔ تم تو میرے اللہ جی کے بندے ہو۔ میں تم سے کیسے ناراض ہو جاؤں"؟ یوں رضی کے ذہن میں بلی بلی نے ایسا گوشہ بنا دیا تھا جہاں قندیلیں روشن کرنے کے بعد فرش پر انسان پرسکون ہو کر بیٹھ جائے اور اللہ جی سے گفتگو کر کے اسکو اکٹھا کر کے پکی کاری کرتا رہے اور محل سجاتا رہے۔ سوچوں کے رنگ ہی شخصیت کے ڈھنگ بناتے ہیں۔ جب انسان الفت اور محبت میں گندھا ہو تو اللہ جی اسے خیر کے بیج بخش دیتے ہیں سو وہ جدھر جائے انہیں بکھیر دے۔ تاکہ جہاں جہاں بیج گریں وہاں وہاں بھلائی کی چھلیا پھیلتی جائے۔ بلی بلی کی سوچ ڈگری، ڈپلومے کے بغیر کتنی اعلیٰ تھی جس کا احساس اجلے دل ہی کر سکتے تھے۔

ایک مرتبہ ننھی منی چڑی کے ہاتھ پر پھنسی نکل آئی۔ وہ بھاگتی ہوئی بلی بلی کے پاس آئی اور کہا "نلی بلی اس پر پھونک مار دیں اللہ میاں کا نام لے کر"۔ بلی بلی نے سر پر چادر ٹھیک کی اور پوچھنے لگیں "تمہیں اللہ میاں کیوں اچھے لگتے ہیں؟" چڑی نے سوچ کر جواب دیا "کیونکہ وہ مجھے نافیاں دیتے ہیں"۔ بلی بلی نے الحمد اللہ کہتے ہوئے اس کے چھوٹے سے ہاتھوں پر پیار کیا اور پھر پھونک مار اب رضی کے جانے میں چند روز ہی باقی تھے۔ اس نے بلی بلی کو بتایا کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے شہر جا رہا ہے۔ بلی بلی نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اسے خوب دعائیں دیں۔ کہنے لگیں کہ میں نے کبھی بھی نہیں پڑھا۔ پڑھا ہوتا تو علم کی قدر و قیمت جان لیتی۔ مجھے سمجھنا، کہنا بلکہ جینا آ جاتا۔ استاد، طالب علم کو ایسے سنوارتا ہے جیسے کمہار مٹی سے برتن بنا لیتے ہیں! بلی بلی کی ایسی باتیں سن کر کوئی بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ انہوں نے صرف پانچ جماعتیں پڑھی ہیں۔

دوسرے دن امی نے رضی کو بتایا کہ بلی بلی بیمار ہیں۔ وہ بلی بلی سے ملنے گھر گیا تو دیکھا کہ وہ پودوں کو پانی دے رہی تھیں۔ ہرے بھرے اور مہک سے بھرے پھول پودے گھر کی ستھرائی کو چار چاند لگا رہے تھے۔ وہ بخار سے تپ رہی تھیں مگر مسلسل کام کر رہی تھیں۔ بیل چڑھی دیواروں پر پانی کے کٹورے بھر کے رکھے تھے کیونکہ چڑیاں پیاس بجھانے آئی تھیں۔ یوں بلی بلی اکیلی نہیں ہوتی تھیں۔ وہ ہر پودے کو صاف کرتیں، پانی دیتیں اور الحمد اللہ کہتیں۔ "نلی بلی آخر کیا بات ہے جو آپ الحمد اللہ ہی کہتی رہتی ہیں؟" رضی نے عرصے سے سنبھالا ہوا سوال پوچھ ڈالا۔ بلی بلی من موہنے لہجے میں بولنا شروع ہوئیں۔ "ان پودوں، پھولوں اور پھلوں کی زبان نہیں مگر اللہ جی سے بہت باتیں کرتے ہیں۔ یہ اللہ جی کے دوست ہیں۔ ان کو ہمیشہ پانی دو، گوڈی کرو، پیار سے دیکھو، صبح شام سلام لو، ہاتھ ملاؤ۔ پاس اٹھاؤ، گپ شپ کرو تو یہ دوست بن جاتے ہیں اتنی اچھی خوشبو اور چھاؤں دیتے ہیں۔ صبح، دوپہر، شام عید پر، عام دنوں میں، سردی گرمی میں تحفہ بن جاتے ہیں۔ خزاں میں جھڑ جاتے ہیں۔ اپنا پسنا وا قالین بنا کر بچھا دیتے ہیں۔ کتنا مان رکھتے ہیں۔ یہ سب انہیں اللہ جی نے سکھایا ہے۔ دیکھو یہ جھک کر جھوم جھوم کر رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔ میں کیوں نہ کروں؟۔ ان کٹوروں کو پانی سے بھر کے رکھ دیتی ہوں۔ یہ مسافر چڑیاں یہاں سے کچھ لینے آتی ہیں۔ ادھر سے کچھ پانے کی عادی ہو گئی ہیں۔ دانے بکھیر دیتی ہوں کہیں یہ خالی نہ پھر جائیں۔ یہ رب کا شکر ادا کرتی اڑتی پھرتی ہیں۔ میں کیوں نہ کروں؟ میرے پاس تائی کی طرح کوئی پیڑھی نہیں، تمہاری طرح لفظوں کے انبار بھی نہیں۔ بس میں چرخا کاتتے بیٹھ جاتی ہوں۔ الحمد اللہ کہتی جاتی ہوں اور سوت بناتی رہتی ہوں۔ اس چرخے کو روک نہیں سکتی خواہ سوئی کیوں نہ چبھ جائے۔ جب ساری عمر کا سوت جمع ہو جائیگا تو ان چڑیوں کی طرح گھونسلہ بناؤں گی۔ اللہ جی کے پیدا کئے سلسلے جو دکھ سکھ کے تمام تر اسباب اور وجوہات ہیں اس میں سجا دوں گی۔ شاید یہ تحفہ رب کو پسند آ جائے! ایک بول شکریہ کا کہوں گی۔ وقعت سے زیادہ کہنا چاہا تو شکر گزاری کے جذبے نمی سے بھر جائینگے۔ میں اس کی ایک رحمت کا ہمیشہ شکر ادا کرنا چاہوں تو وہ بھی ناکافی ہے۔ مجھے رنج اور راحت سے سروکار نہیں۔ میں ایسے ہی سکھی رہتی ہوں۔ صرف یہی سوچتی ہوں کہ میرے اللہ جی سب سے زیادہ اچھے ہیں۔ مجھے اسی پر اطمینان ہے۔ اور اللہ جی مجھے جنت دیں یا جہنم، مجھے الحمد اللہ کہنا ہے کہ اس نے جو بھی دینا ہے سب سے بہترین دینا ہے!!" شاید بلی بلی بولتی ہی چلی جاتیں لیکن انہیں آنسوؤں کو بھی سمیٹنا تھا جو ان کی آنکھیں بہائے جا رہی تھیں۔ رضی رندھی آواز میں بولا "نلی بلی بس اتنی سی بات تھی، کبھی سمجھ میں نہیں آئی تھی"۔ جب لوگوں کے دل پیارے ہو جائیں تب عمل بھی ایسے اچھے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا اتنا نیارا عکس بن جاتا ہے جو جگمگ کرتا رہتا ہے اور بلی بلی بھی ایسی ہی تھیں۔ رضی بس اتنا ہی سوچ سکا کہ وہ جتنا چاہے لکھے پڑھے، اسے جتنے اچھے استاد ملیں ان میں بلی بلی الحمد اللہ اس کی سب سے اچھی "استاد" رہیں گی۔ سچ مچ

زمین گول ہے

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم چھٹی کلاس میں تھے۔ اب تو خیر سے 10th کلاس میں پہنچ گئے ہیں۔ لیکن یہ واقعہ جب بھی یاد آتا ہے تو خوشگوار یادیں چھوڑ جاتا ہے۔ ایک دن استاد محترم شکور صاحب جو ہمارے مطالعے کے استاد تھے۔ ہم سے ٹیسٹ لیا۔ جوں کی تیاری کچھ اچھی طرح نہ تھی۔ تمام جوں پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ لڑکے بڑے پریشان تھے اب کیا ہوگا۔ جب استاد صاحب نے ٹیسٹ لے لیا تو تمام جوں کو اکٹھا کر کے خود کرسی پر بیٹھ گئے۔ آدھے پرچے چیک ہو گئے تھے۔ رزلٹ معمول کے مطابق تھا۔ کچھ پاس تھے کچھ فیل تھے۔ پرچہ میں ایک سوال تھا کہ زمین گول ہے۔ ثابت کریں زمین کیسے گول ہے۔ کچھ لڑکوں نے ٹھیک جواب دیئے کچھ نے غلط۔ ایک لڑکے نے لطیفہ پڑھ رکھا تھا کہ زمین گول ہے۔ اگر مکان کی چھت پر چڑھ کر دیکھا جائے تو زمین گول ہے اگر بس میں بیٹھ کر دیکھا جائے تو زمین گول ہے۔ اگر آسمان پر جا کر دیکھا جائے تو زمین گول ہے۔ استاد صاحب نے جب یہ پڑھا تو اس لڑکے کو بلا کر کہا اگر عینک لگا کر دیکھو تو نمبر بھی گول ہے۔ یہ واقعہ سن کر دکھی لوگ بھی قلقارے مارنے لگتے ہیں۔ وہ لڑکا لاسر آپ نے بھی وہی لطیفہ پڑھ رکھا ہے کیا؟ عبید الرحمن فاروقی ترنڈہ محمد پناہ

بڑے گھر کی چھوٹی کہانی۔ وہاں سوری کرنے کا رواج نہ تھا

کم پہ راضی

سیدہ تمکین فاطمہ۔ ٹانک (صوبہ سرحد)

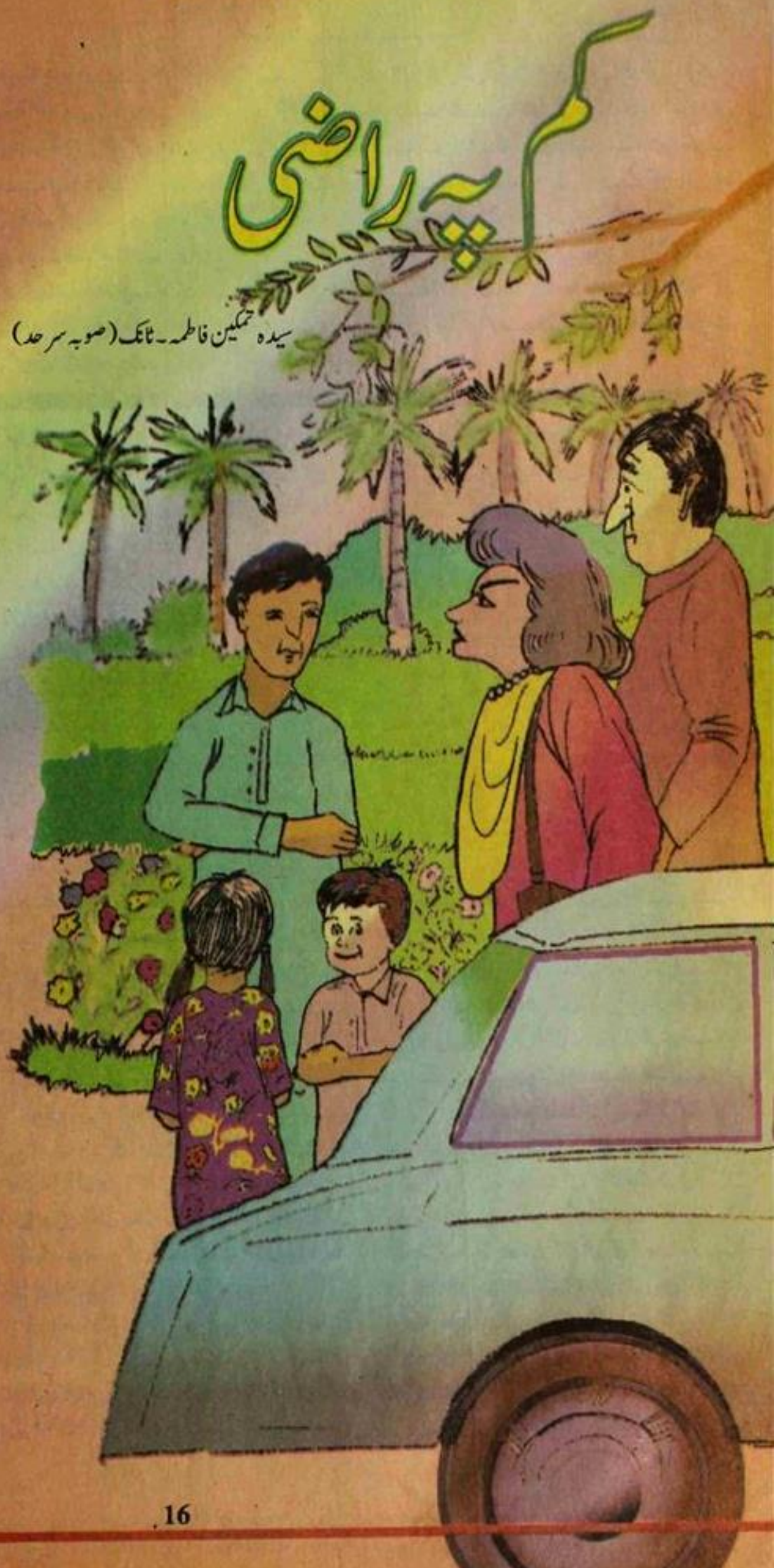

وہ دونوں بڑی شرارت سے مسکرا رہے تھے اور سر عزیز کا ان کی صورتیں دیکھنے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ عزیز نے انہیں انگلش کی بحس نکالنے کا کہا تھا اور نینا اور صمد نے اس کی بات کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے ڈیڈ اور مم کے اسلام آباد جانے کی اطلاع دی، ملک صاحب بونس ٹور کے سلسلے میں گئے تھے اور بیگم صاحبہ کو حسب معمول کسی سیمینار میں شرکت کرنی تھی۔ وہ ان کے بونس ٹور کو اچھی طرح سمجھتا تھا کل سے قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو رہا تھا اور ملک رحمان نے جا کے ممبرز کے ساتھ اپنے تعلقات کو امپروو کرنا تھا اور پھنسے ہوئے کام نکلوانے تھے، سر عزیز کو ناتعلقات امپروو کرنے پر اعتراض تھا نہ ہی کام نکلوانے پر، مگر مسئلہ تو یہ آن پڑا تھا کہ نینا اور صمد کے بیان کے مطابق اسے پیرنٹس کی غیر موجودگی میں دونوں بچوں کی کیئر کرنا تھی۔ یہیں سے عزیز کو معاملہ مشکوک لگ رہا تھا، نینا اور صمد کے مطابق بیگم صاحبہ جاتے جاتے گیٹ کیپر کے علاوہ باقی تمام نوکروں کو تین دن کی چھٹی دے گئی تھیں اسی بات سے عزیز کو گڑبڑ کا احساس ہوا، یہ سارا کارنامہ اس کے خیال میں ان دونوں بچوں کا ہی ہو سکتا تھا کیونکہ مسٹر اینڈ مسز ملک نے کبھی بھی کہیں جاتے ہوئے نوکروں کو چھٹی دے کر بچوں کی نگرانی و ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی تھی حالانکہ وہ ساڑھے تیرہ سال سے ان کے پاس ہی تھا۔ مگر پھر ایسا کیوں کریں گے؟ اس نے سوچا، ان کی کسی نئی شرارت کو بھگتنے کا خیال ہی عزیز کیلئے روح فرسا تھا مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا اگر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے بھاگ جانا ممکن ہوتا تو وہ اتنی تذلیل برداشت کرنے سے بہتر بھاگ جانے کو سمجھتا۔ عزیز آفتاب ساڑھے تیرہ سال پہلے گاؤں سے آیا تھا، اس کی اماں کے رشتے کے کزن ملک رحمان کی بیگم کو جب ہیومن رائٹس اور دیگر سماجی بہبود کی تنظیموں کے اجلاس اٹینڈ کر کر کے فروغ تعلیم اور غریبوں کی سرپرستی کا ڈھونگ رچانا پڑا تو انہوں نے پبلسٹی کیلئے رحمان صاحب سے گاؤں سے کسی لڑکے کو "امپورٹ" کرنے کا کہا ان کی اس دردمندی کا ڈنکا تو جتنا ہی تھا آف دی ریکارڈ ایک غیر تنخواہ کا نوکر بھی حاصل ہو جاتا۔ ملک رحمان کو اپنی ذہین بیوی کی یہ مکارانہ تجویز بہت بھائی ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آئے اور اسی تجویز کے ہی نتیجے میں عزیز آفتاب کو بلوایا گیا تھا۔ عزیز کو گاؤں میں بہت خوش قسمت تصور کیا گیا، سیدھے سادے لوگوں کے خیال میں عزیز کی لاٹری ہی نکل آئی تھی اور وہ خود بھی یہ ہی سمجھ رہا تھا۔ بھلا گاؤں کے میٹرک پاس لڑکے کی مینٹل اپروچ کیا ہوتی ہے اسے سب اچھا نظر آیا تو سہانے اور کامیاب فیوچر کے سپنے آنکھوں میں سجا کر ملک صاحب اور بیگم صاحبہ کے ساتھ چلا آیا۔ اس گھر میں وہاں چند دن رہنے کے بعد ہی اسے اپنے مقام کا اندازہ ہو گیا تھا لیکن عزیز کی اپنی نظر میں اپنی حیثیت کا درست یقین اس دن ہوا جس دن وہ بیگم صاحبہ کو "مامی جی" کہہ بیٹھا، عزیز کو کچھ بحس کی ضرورت تھی وہ کتنی دیر ان کے پاس خاموش کھڑا اپنی ناکا گلا گھونٹتا رہا، اسے پہلی بار اندازہ ہوا مجبوری سے بھی ہاتھ پھیلاتے ہوئے کس قدر ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کی ہر

ضرورت ہمیشہ ہی اس کے کہنے سے پہلے ہی پوری ہوتی رہی تھی، اس نے مشکل گلا صاف کر کے بات شروع کی تھی، حلق میں کانٹے پڑتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے وہ بہت دل کو سمجھاتے آیا تھا اس نے سوچا تھا کے بڑے مقاصد کی خاطر کچھ نہ کچھ قربانی تو دینی ہی پڑے گی، تعلیم کے سر کا صدقہ خود داری سے ہی دینا پڑے گا، اتنا کچھ سوچ لینے کے بعد بھی تو لرز رہا ہو رہی تھی، عزیز نے بہت دقت سے کہا "مامی جی! مجھے کچھ..... عزیز کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی وہ چلا اٹھیں۔ "ولٹ! دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا مائی گاڈ، مامی جی اپنی لوقات میں رہو، ہونہ! دو ٹکے کا چھوکرا اور چلا ہے ہم سے ریلیشن شپ قائم کرنے، سب نوکروں کی طرح مجھے بیگم صاحبہ کہا کرو، یہ پٹر پٹر میری طرف کیا دیکھ رہے ہو نیچے دیکھو، تمہاری ماں نے تمہیں کوئی تمیز نہیں سکھائی، اگر یہیں رہنا چاہتے ہو تو بڑے لوگوں کے ساتھ رہنے کے ایٹی کیٹس سیکھو ورنہ کل ہی چلتا کر دوں گی اب دفعہ ہو جاؤ، مائی فٹ"۔ وہ حیرت اور دکھ کی شدت سے گنگ رہ گیا، عزیز کی ماں، ملک صاحب کی سیکنڈ کزن تھیں اس نے اسی لحاظ انہیں مامی جی کہا تھا اس کے تو خواب و خیال میں بھی نہ تھا کے وہ اس بات کو اتنی شدت سے محسوس کریں گی اور اس کی یوں تحقیر کریں گی۔ تذلیل کے احساس سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ فوراً باہر نکل گیا ملک صاحب نے گذدل کیلئے اسے کالج میں ایڈمٹ تو کر لیا تھا۔

مگر وہ مزید اخراجات برداشت کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آتے تھے۔ عزیز کے اپنے گھر والوں کے معاشی حالات اس قابل نہیں تھے کے وہ اس کی تعلیم کے اخراجات افورڈ کر سکیں، مایوسی کے عالم میں اس نے واپس لوٹ جانے کے بارے میں بھی سوچا مگر ماں باپ کی آنکھوں میں اچھی امیدوں کی جلتی جوت کو بجھانے کی وہ ہمت نہیں رکھتا تھا اتفاقات، اچھے اور برے ہر طرح کے مقدر میں اوپر والے نے لکھے ہوتے ہیں، منزل تک پہنچنے والوں کے ہمراہ اکثر اوقات اچھے اتفاقات ہی ہوتے ہیں اور شاید یہی قانون قدرت ہے، ہمیشہ ہی بادشاہ کی بیٹی کو ظالم دیو کے سفاک ہاتھوں سے چھڑانے اور بچانے والا غریب لکڑہارے کا بیٹا ہی ہوتا ہے، کیونکہ اس کو راستے میں نیک دل پری مل جاتی ہے اور دیگر شہزادے اکثر دیو کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں شاید یہ اس لئے ہوتا ہے کہ شہزادے تو بہت سے ہوتے ہیں اور لکڑہارے کا بیٹا ایک ہی ہوتا ہے۔ ممکن ہے یوں اس لئے ہوتا ہو کے شہزادے بادشاہ کی آدھی سلطنت کے لالچ میں جاتے ہوں اور لکڑہارے کے بیٹے کے دل میں کارفرما جذبہ صرف شہزادی کی جان بچانا رہا ہوگا۔ عزیز کیلئے تو بادشاہ کی بیٹی اعلیٰ تعلیم ہی تھی تاکہ وہ اعلیٰ تعلیم کو مخلوق خدا کے مفاد میں استعمال کر سکے اور شاید اسی لئے عزیز کو نیک دل پری سرقیوم کے روپ میں مل گئی تھی۔

سرقیوم، عزیز آفتاب کے اردو کے ٹیچر تھے، وہ رفتہ رفتہ نا صرف اس کے حالات جان گئے بلکہ رب العزت نے ان کے من میں وہ نیکی ڈال رکھی تھی وہ عزیز کی اسٹڈیز میں مکمل مدد کرنے پر کمربستہ ہو گئے، ان کی مدد کی ہی بدولت عزیز اب سر عزیز تھا اور ایک اچھے پرائیویٹ سکول میں پڑھا رہا تھا۔ سر عزیز سروس جائن کر لینے کے بعد بھی ملک صاحب کے گھر میں رہائش پذیر تھے، گو کہ وہ ہاسٹل میں رہنا افورڈ کر سکتے تھے مگر انہوں نے یہاں سے شفٹ کرتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو کالج ہاسٹل میں ایڈمیشن دلوا رکھا تھا، اس کے تعلیمی اخراجات وہی برداشت کر رہے تھے۔ سر عزیز اپنے چھوٹے بھائی کو ملک صاحب کے گھر میں رکھنے کے حامی نہ تھے۔ وہ قادر کو اس لوئیت اور عزت نفس پر لگنے والی چوٹوں سے بچانا چاہتے تھے جن کو وہ ابھی تک سہلا رہے تھے صرف اسی وجہ سے انہوں نے ابھی تک ملک صاحب کے گھر رہنا گوارہ کیا ہوا تھا۔ سر عزیز کی ایک بدقسمتی یہ بھی تھی کے وہ جس سکول میں پڑھا رہے تھے، وہاں ان کی کلاس میں نیناں اور صمد بھی تھے ان کو برداشت کرنا ان کیلئے کوہ گراں سے کم نہ تھا، دونوں بچے اپنے گھر میں ان سے ہونے والا سلوک بچپن سے دیکھتے آئے تھے، اب تو ملک صاحب اور بیگم صاحبہ کا رویہ ان کے ساتھ کافی بہتر ہو گیا تھا لیکن بجھے ہوئے بچے کلاس میں بھی ان کی عزت و احترام کرنے پر تیار نہ تھے، دونوں کلاس میں اکثر ان کے ساتھ بدتمیزی کر جاتے مگر وہ کمال شفقت سے برداشت کر جاتے سر عزیز کے نزدیک بچے بہت زیادہ قصوروار بھی نہیں۔

ایسے نو دولتیوں کے بچے ایسے ہی ہو سکتے تھے، اور ان کے والدین کا سر عزیز کے ساتھ سلوک کچھ بھی سہی مگر سر عزیز پھر بھی ان کے ممنون احسان تھے۔ ایک دن تو نیناں اور صمد نے حد کر دی اور سر عزیز، انہیں توبچوں کی بات پر وہ لوئیت بھی بھول گئی جو سر عزیز کو اس وقت ہوتی تھی جب وہ نئے نئے گاؤں سے آئے تھے۔ بیگم صاحبہ انہیں شوبیس کے طور پر فنکشنز میں پیش کرتی تھیں اور لمبی سی تقریر کے دلدو تحسین کے ڈونگرے وصول کرتی تھی۔ اس وقت دکھ کی شدت سے سر عزیز کی آنکھیں جلنے لگتی اور کہیں بھی جائے پناہ ملتی نظر نہ آتی اور اب! اب صمد کی بات پر سر عزیز کو مارے شرمندگی کے سوچنا پڑا کے ان کیلئے آسمان پھٹے گا یا زمین جگہ دے گی کے وہ سما جائیں، سر عزیز اب تک دونوں بچوں کی حرکتوں پر ضبط ہی کرتے آئے تھے مگر ٹھیک اس لمحے انہیں دماغ کی رگیں پھٹتی ہوئی محسوس ہوئیں ان کی آنکھوں کی پتلیاں شدت ضبط اور برداشت سے سکڑ گئیں اب اس سے زیادہ شرمندگی کی اور بات کیا ہوتی بھری کلاس میں صمد نے کہا ڈالا۔ "سر! ممی کہہ رہی تھیں کے آپ کا یہ گرے کوٹ بہت پرانا ہو گیا ہے اگر آپ کے پاس نیا کوٹ لینے کے پیسے نہ ہوں تو وہ ڈیڈی کے پرانے کوٹ نوکروں کو دینے کی بجائے آپ کو بھی دے سکتی ہیں"۔ صمد نے بات شروع کی تو سر عزیز کو اندازہ نہ تھا کے وہ اس قدر گھٹیا بات بھی کر سکتا ہے انہیں سانس رکتی ہوئی لگی اور اتنے میں نیناں نے اپنی راگنی الاپنی شروع کر دی۔ "سر، ممی یہ بھی کہہ رہی تھیں کے آپ اپنی وائٹ شرٹس دھوبی سے دھلوایا کریں کیونکہ آپ نے خود دھو دھو کر پیلی کر لی ہیں"۔ اس واقعہ کے چند دنوں بعد ہی ملک صاحب، بیگم کے ساتھ اسلام آباد چلے گئے تھے اور سر عزیز اس نئی گتھی کو سلجھانے سے دوچار تھے، اب نہ تو وہ نوکروں کی غیر موجودگی میں بچوں کو اکیلا چھوڑنے کا رسک لے سکتے تھے نہ ہی وہ کیئر کرنے کا مطلب سمجھ پائے تھے۔ رات ہونے کو آئی تھی اور وہ اسی پرابلم کا حل سوچ رہے تھے کے نیناں نے اچانک آ کر کہا "سر! مجھے بھوک لگ رہی ہے"۔ "پھر؟" سر عزیز نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سے دیکھا "پھر یہ کے آپ کچھ پکائیں، ہم کیا بھوکے سوئیں؟" وہ بدتمیزی سے بولی اور ان کے چودہ طبق روشن ہو گئے، ان کو اب نیناں اور صمد کی شرارت کا مطلب سمجھ آیا تھا، سر عزیز بے چارگی کے عالم میں اٹھے اور کچن میں الٹا سیدھا کچھ پکانے کی کوشش کرتے ہوئے انہوں نے سوچا، "کیا ہی اچھا ہو اگر یہ دونوں فتنے کچھ سبق سیکھ لیں اور سدھر جائیں، کم از کم کچھ تو اس دنیا میں اچھے شاگرد بنانے کا شرف مجھے بھی حاصل ہو جائے، ہوتا ہے نا بعض اوقات ایسا بھی کم سچی لگن اور محبت سے حالات بہتر ہو جاتے ہیں اب ان کے ماں باپ کی سبق سیکھنے والی عمر تو نکل ہی چکی یہ بچے ہی سدھر جائیں تو غنیمت ہے"۔ وہ ان سوچوں میں غلطاں پیچاں تھے اور دونوں بچے انہیں کھانا بناتے دیکھ کر ریمارکس پاس کر رہے تھے۔ ہوا یوں تھا جب ملک صاحب اور بیگم اسلام آباد سے دو دن بعد ہی لوٹ آئے تو گیٹ کیپر کے علاوہ باقی سب نوکروں کو غائب دیکھ کر حیران و پریشان رہ گئے اور جب بچوں نے اپنے پلان کے آخری حصے کے مطابق یہ بتایا کہ نوکروں کو سر عزیز نے چھٹی دی ہے تو دونوں آگ بگولہ ہو گئے۔ پھر تو دونوں نے مل کر ڈانٹ ڈپٹ کا طوفان کھڑا کر دیا، سر عزیز کو ایسی صورتحال کا اندیشہ تھا، اب اگر وہ انکار کرتے اور صحیح بات بتانے کی کوشش کرتے تو شاید ہی یقین کیا جاتا، وہ عجیب بے بسی اور کشمکش کا شکار ہو گئے۔ لیکن انہوں نے جب بچوں کے پل پل رنگ بدلتے چہرے دیکھے تو کچھ بتانے کی کوشش کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا، انہوں نے سوچا، زیادہ سے زیادہ وہ کیا کر سکتے ہیں میرے ساتھ نکال ہی دیں گے تو کوئی حرج نہیں۔ مگر جمیلہ بیگم تو پولیس کو بلوانے پر تلی بیٹھی تھیں کہ پولیس ہی آ کر گھر چیک کرے کے کچھ چوری تو نہیں ہوا اور یہ کہ نوکروں کو چھٹی دینے کے پس منظر میں سر عزیز کے کون سے خاص مقاصد کارفرما تھے۔

نیناں اور صمد صورتحال کا اس قدر سیریس دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے۔ نیناں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں صمد سے کہا دونوں نے ہمت کر کے والدین کے سامنے اعتراف کر ہی لیا مگر الٹی جھڑکی پڑی کہ سر کی صفائیاں مت دو۔ شاید بچوں کے مسلسل اصرار پر ملک صاحب اور بیگم صاحبہ کو یقین آ ہی گیا تھا تبھی تو معاملہ سر عزیز کو صرف گھر سے نکالنے پر ہی ٹل گیا تھا والدین اگر بچوں کی بات کا یقین کر بھی لیں تو کہاں ایک مرتبہ جھٹلانے کے بعد مان لینے کا اعتراف کرتے ہیں۔ ماں باپ سے نظر چرا کے وہ دونوں سیدھے سر کے پیچھے گئے وہ اپنا سامان خاموشی سے پیک کر رہے تھے۔ دونوں جھجکتے ہوئے آگے بڑھے اور بولے "سر! ہم آپ کو بہت مس کریں گے"۔ نیناں اور صمد نے اچانک اس وقت بیک آواز سوری کہا جب سر عزیز جانے کیلئے اپنا بیگ لے کر تیار کھڑے تھے انہوں نے اپنا بیگ قدموں میں رکھ دیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے بازو پھیلا کر دونوں کو قریب کر لیا۔ اس لمحے وہ ان کی ساری کوتاہیاں۔ سارے جملے کھول چکے تھے جس کو کبھی زیادہ نہ ملا ہو وہ کم پہ کتنی جلدی راضی ہو جاتا ہے۔

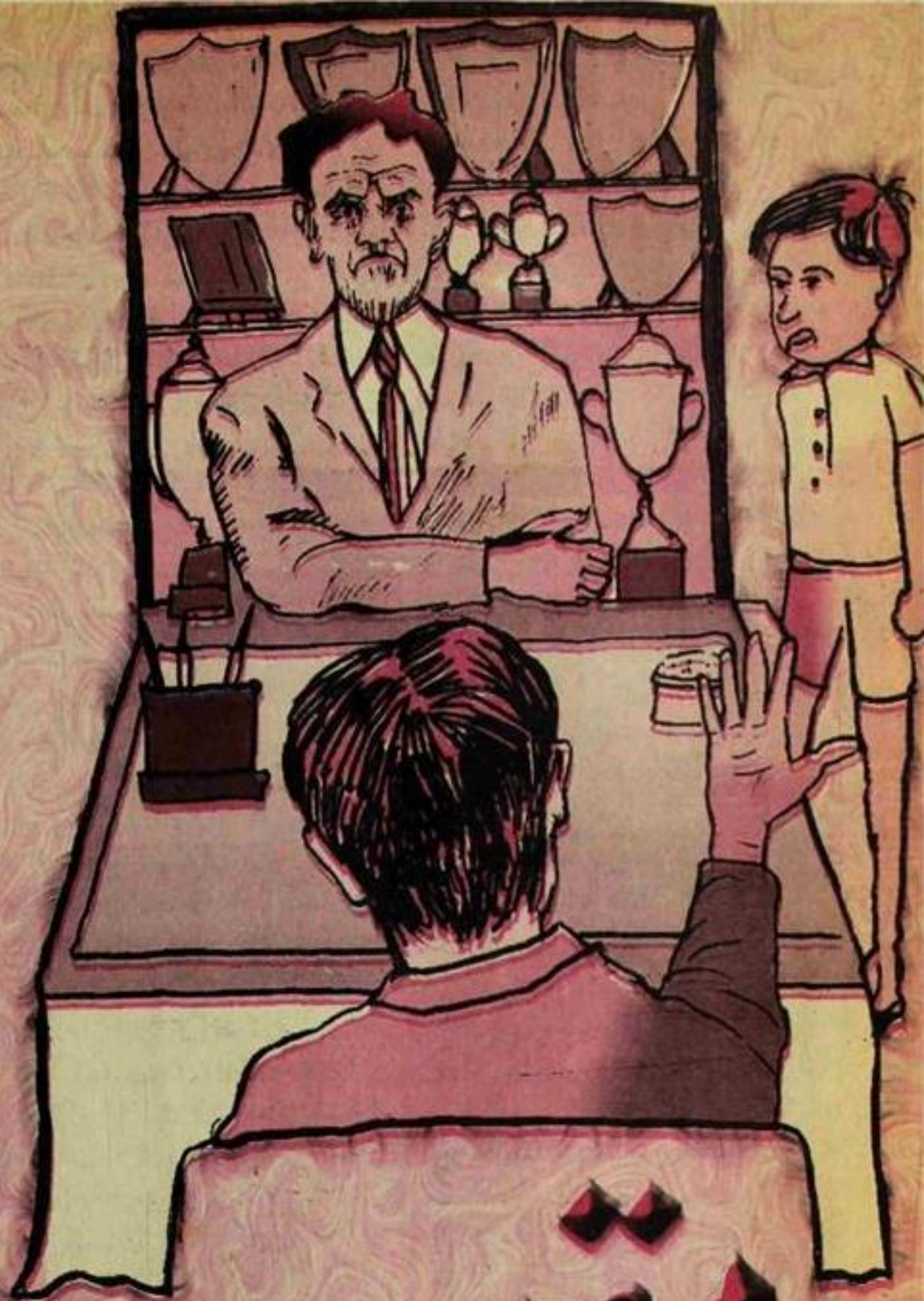

مقدمہ

نادیہ نورین بہاول پور

ایک اصول ساز کی کہانی دو صرف اصول نافذ جانتا تھا
ہمیشہ اصولوں کو لاتعلقی کی طرح استعمال کرنے والوں کیلئے بطور خاص

"مے آئی کم ان سر" چے نے ڈرتے ڈرتے آفس میں جھانکا تو پرنسپل صاحب اور سر جمال دونوں چونک پڑے Yes Come in پرنسپل صاحب کا لہجہ زوہیب کو دیکھتے ہی اور خشک ہو گیا۔ تب زوہیب چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے اندر داخل ہوا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ جی زوہیب یہ آپ نے کیا حرکت کی ہے؟ پرنسپل صاحب نے زوہیب کو گھورا سر وہ سارا قصور میرا نہیں ہے۔ ٹیپو نے پہلے مجھ سے لڑائی کی تھی اور مجھے دھکا بھی دیا تھا" لفظ اس کے حلق سے اٹک اٹک کر نکل رہے تھے مصیبتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی اتنا ہی پریشان کرتی ہیں دل دکھاتی ہیں شاید یہ وجہ تھی کہ زوہیب کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ اس پہ سکول ڈسپلن توڑنے کا جرم تھا۔ جو شہر کے اس سب سے بڑے اور ماڈرن سکول میں ناقابل معافی تھا آپ کو معلوم ہے ہمارے ہاں سکول کے ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنیوالے کے نکال دیا جاتا ہے آفس کی فضا یک دم بوجھل ہو گئی "جی سر" زوہیب نے مشکل کہا اس کی آنکھوں میں تیرتی ہوئی نمی صاف دیکھی جا سکتی تھی اور چہرہ ندامت سے تقریباً لال ہو چکا تھا بعض دفعہ انسان سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں دیکھتا اور پرنسپل صاحب کو بھی اس وقت صرف اپنا سکول ڈسپلن نظر آ رہا تھا ٹھیک ہے آپ جائیں اپنے والدین سے کہئے گا وہ کل آ کر آپ کا سرٹیفکیٹ لے جائیں دو ٹوک الفاظ میں فیصلہ سنا دیا گیا مگر سر زوہیب نے بے بسی سے سر اٹھایا وہ ہولے ہولے کانپ رہا تھا NO arguments پرنسپل صاحب نے گویا بات ختم کر دی۔ زوہیب نے ایک نظر اپنے استاد سر جمال کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف نظریں گاڑے ہوئے تھے سر جمال نے اپنے ذہین شاگرد کی آنکھوں میں ندامت کے سائے دیکھ لئے تھے۔

زوہیب بوجھل قدموں سے باہر نکل چکا تھا۔

زوہیب بہت شرمندہ ہے اپنے کئے پر۔ پھر امید ہے وہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کرے گا سر جمال نے بات شروع کی "سوری جمال صاحب اب یہ ناممکن ہے" "سر سنا ہے جس نے غلطی تسلیم کر لی وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے غلطی کی ہی نہ ہو" سر جمال نے دلیل دی "آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن ڈسپلن ڈسپلن ہے

یہ ہمارا اصول ہے، پرنسپل صاحب بھی اپنی بات پر ڈٹے ہوئے تھے "سر غلطی کے بعد معاف کرنا ہی بہتر ہے زوہیب ایک ذہین بچہ ہے اور اچھی طرح سمجھ چکا ہے" سر جمال نے ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات مکمل کی "دیکھیں جمال صاحب، میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں اور آپ کی بات مانتا بھی ہوں مگر اصول جب ایک دفعہ بنا لیا جائے تو اس کا احترام کیا جاتا ہے توڑا نہیں جاتا۔ اگر ایک دفعہ بھی توڑ دیا جائے تو اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے" پرنسپل صاحب نے اپنے تئیں سر جمال کو سمجھانے کی کوشش کی سر جمال بہت قابل اور سلجھے ہوئے استاد تھے ہر چیز کو بہت دور تک دیکھتے اور پرکھتے تھے اور انہوں نے اپنے شاگرد کا مقدمہ لڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا "سر ہم اس بچے کو کیا سکھا رہے ہیں کہ کسی کی غلطی کو معاف نہیں کرنا چاہئے ہمیں آج سے معافی کا مطلب سکھانا ہے ورنہ یہ کبھی نہیں سیکھ سکے گا" سر جمال نے گہری نظروں سے پرنسپل صاحب کی طرف دیکھا وہ ایک بچے کا کردار مضبوط بنانے چلے تھے "دیکھئے سر جمال یہ سب جذباتی باتیں ہیں ہمارے سکول کا ایک اسٹینڈرڈ ہے ایک مقام ہے ہم نے آج تک کبھی اس کے اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کی" پرنسپل صاحب اپنی بات پر قائم تھے۔ "سر Just Imagin زوہیب جب بڑا ہو گا کوئی کسٹم آفیسر، کوئی پولیس مین، دوسرا امید لائے گا تو یہ بھی دوسروں کو معاف نہیں کر سکے گا کیونکہ اسے معاف نہیں کیا گیا اسے سزا دی گئی جبکہ اس نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا تھا۔ ان ریزن یہ بھی دوسروں کو معاف نہیں کرے گا۔ سر جمال کی آنکھیں کہیں دور دیکھ رہی تھیں۔ "لیکن ہمارے اصول....." پرنسپل صاحب نے کچھ کہنا چاہا "سر اس اسکول کا اصول ساز کون ہے" سر جمال نے سوال کیا "میں" انہوں نے جواب دیا "تو پھر بہتری کیلئے آپ کو یہ

اصول توڑنے کا حق ہے"" مگر یہ کس نے کہا کہ اصول ساز کیلئے اصول توڑنا حق جانب ہے۔ اصول صرف بنے اور لاگو کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔" پرنسپل صاحب نے دلیل پیش کی۔ "سر دنیا کا سب سے بڑا اصول ساز اللہ ہے۔ اس نے اصول بنایا کہ صرف مجھے ہی سجدہ کرنا روا ہے مگر پھر اس نے حضرت آدم کیلئے وہ اصول خود ہی توڑ دیا کیونکہ اس میں ایک مصلحت پوشیدہ تھی اور ابلیس کو صرف اس لئے مردود ٹھہرایا کہ اس نے حضرت آدم علیہ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا" سر جمال کی باتیں اثر کر رہی تھیں پرنسپل صاحب تذبذب کا شکار تھے وہ پگھل رہے تھے ٹھیک ہے آپ جائیں میں سوچوں گا" سر جمال اٹھے اور باہر نکل گئے۔ اگلے دن وہ کلاس میں داخل ہوئے تو ساری کلاس اٹھ کھڑی ہوئی۔ انہوں نے ایک نظر کلاس پر ڈالی تو سب کے درمیان زوہیب کے جگمگاتے چہرے پر نظر پڑی اس کے ہاتھوں میں پھول تھے۔ وہ فوراً آگے بڑھا "سر یہ آپ کے لئے" اور انہوں نے مسکراتے ہوئے پھول تھام لئے "پرنسپل صاحب نے مجھے سکول سے نکالنے کا فیصلہ واپس لے لیا ہے اور مجھے معاف کر دیا ہے سر اب میں کبھی کسی سے نہیں جھگڑوں گا، وہ تمتماتے چہرہ کے ساتھ بولا" اور آپ نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ اگر کوئی غلطی کرے تو معاف کر دینا چاہئے سر جمال نے پوچھا" آف کورس سر" زوہیب کی آنکھیں چمکنے لگیں اس کی آنکھوں میں اپنے استاد کے لئے محبت بھری تھی "شاباش بیٹا اب آپ اپنی سیٹ پر چلیں" سر جمال مسکراتے ہوئے بورڈ کی طرف بڑھے ان کے قدموں میں وقار تھا آخر کو انہوں نے مقدمہ جیت لیا تھا۔

استاد کی دعا اور نگاہ

آیئے بڑے لوگوں کے اساتذہ سے ملتے ہیں ——— نسرین عصری

جستہ جستہ

شاگرد کیلئے استاد کی دعا اور نگاہ دونوں میں اثر ہوتا ہے۔ اور بلاشبہ شاگرد کی ذہنی اور روحانی زندگی پر استاد کی شخصیت گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ بلاشبہ استاد اور شاگرد کا رشتہ ہی ایسا ہے۔ آیئے کچھ بڑے لوگوں اور ان کے اساتذہ سے ملتے ہیں۔

امام ابو یوسف

امام ابو یوسف کے والد ایک غریب آدمی تھے۔ ان کو اگرچہ بچپن میں لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا لیکن باپ کی مرضی نہ تھی وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں چار پیسے کما کر لائیں۔ تاہم جب بھی آپ کو موقع ملتا علما کی صحبت میں جا بیٹھتے ایک دن امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں حاضر تھے کہ ان کے باپ پہنچے اور وہاں سے زبردستی اٹھا لائے گھر پر آکر سمجھایا کہ بیٹا ابو حنیفہ کو خدا نے رزق کی طرف سے اطمینان دیا ہے۔ تم ان کی حرص کیوں کرتے ہو۔ امام ابو یوسف نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا اور باپ کے ساتھ رہنے لگا۔ امام ابو حنیفہ نے دو چار دن بعد لوگوں سے پوچھا کہ یعقوب اب نہیں آتے۔ ایک روز امام ابو یوسف خود حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ امام اعظم نے چپکے سے ایک تھیلی حوالے کی گھر پر آکر دیکھا تو اس میں سو درہم تھے۔ امام صاحب نے ان سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جب یہ خرچ ہو چکیں تو مجھ سے کہنا اس طرح امام ابو حنیفہ ان کی مدد کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے تمام علوم میں کمال حاصل کیا اور استاد وقت بن گئے۔

علامہ اقبال

علامہ اقبال نے کالج کے زمانہ میں مولوی میر حسن سے بہت کچھ حاصل کیا ایسے شفیق اور بے مثل استاد کو آپ نے کبھی نہ بھلایا۔ ولایت گئے تو ان کی یاد تڑپ ساتھ تھی اور ہندوستان آئے تو مولوی صاحب کی عقیدت و محبت ان کے دل کو گرمائے رکھتی آپ نے ولایت جانے سے پہلے دعا کی۔

وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
دعا یہ کر کہ خداوند آسمان و زمین
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو

مولانا ظفر علی خان

مولانا ظفر علی خان زمانہ طالب علمی میں بہت ذہین فطین اور برجستہ گو تھے۔ ایک واقعہ انہی کی زبانی سنیئے۔ میں جن دنوں پٹیالہ میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا ایک رنگین مزاج استاد نے سکھن لال نامی مجھے پڑھایا کرتے تھے۔ یہ استاد صاحب افیمی تھے اور باری باری لڑکوں سے افیم کی چسکی لیا کرتے تھے۔ ہر لڑکا اپنی باری آنے پر دو آنے کی افیم لا دیتا تھا۔ ایک دن سکھن لال افیم کی چسکی لے کر عجیب ترنگ میں آگئے۔ فرمانے لگے دیکھو لڑکو ایک مصرع بولتا ہوں جو لڑکا دوسرا مصرع کہہ کر شعر مکمل کرے گا اسے ایک چسکی معاف ہو گی۔ مصرع یہ تھا۔

ولدے بے نظیر سکھن لال کیا بیان میں تیری طاقت ہے

لڑکے خاموش تھے اچانک میرے منہ سے یہ شعر ہو گیا

ایڑیاں ہیں تیری لمبی سی ٹنگریوں میں بھی تیری طاقت ہے
تو تو ہوتا کہیں کا چیف ہی یہاں پڑھانا تیری حماقت ہے

کمرے دبے دبے قہقہوں سے گونج اٹھا۔ سکھن لال زندہ دل تو تھا۔ اس کے مصرع کے جواب میں دو مصرع حاضر تھے۔ خوش ہوا اور بولا ظفر علی کسی دن بڑا شاعر بنے گا۔ بس دو چسکیاں معاف۔

مولانا مفتی محمد شفیع

میں ابھی چھوٹا سا تھا ان دنوں دارالحدیث کی بیادیں کھد رہی تھی۔ ان کے قریب ہی بہت بڑا تالاب تھا اس لئے بیادیں پندرہ پندرہ فٹ گہری کھودی گئیں تھیں۔ ایک رات زور زور کی بارشیں ہوئیں اور بیادیں پانی سے بھر گئیں اور پورا علاقہ جل تھا ہو گیا۔ بیادوں میں پانی بھر جانے کی وجہ سے تعمیر شدہ عمارات کو بھی شدید خطرہ تھا ایک طالب علم نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود الحسن کو اطلاع دی آپ نے خاموشی سے پوری بات سنی اور بغیر کسی گھبراہٹ کے فرمایا اچھا کچھ کرتے ہیں۔ دس منٹ بعد شیخ الحدیث اپنے گھر کی بالٹیاں جمع کر کے دو تین طلبہ کے ساتھ بیادوں تک پہنچ گئے اور پانی نکالنے لگے جلد ہی یہ بات دارالعلوم میں پھیل گئی اور سارے طلباء اساتذہ پہنچ گئے میں بھی تماشائی کی حیثیت سے آیا اور پھر ننھے ننھے ہاتھوں سے پانی نکالنے لگا۔ ایک گھنٹے کے بعد بیادوں میں نکالا جا چکا تھا۔ اس کے بعد شیخ الحدیث طلبہ کی معیت میں تالاب میں نہانے لگے۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ طلبہ اور اساتذہ میں کوئی فرق ہے۔

شورش کاشمیری

آغا شورش کشمیری اپنے ہندو استاد کا واقعہ بیان کرتے ہیں ہمارے ہیڈ ماسٹر پنڈت رام نرائن دیو سماج کے بانی کے استاد تھے۔ کئی شرافتیں ان میں ڈھلی ہوئی تھیں۔ ان کی زبان بُرے الفاظ ہی سے نا آشنا تھی۔ ان کی شخصیت کا اثر اتنا گہرا تھا کہ طلبہ بے ادب ہونے سے ڈرتے تھے۔ ان کی تنبیہ کے بول دل پر نقش ہو جاتے تھے۔ ایک دن میں ان کے بیٹے سوشیل کمار کے ساتھ ان کے گھر گیا ہم دروازے تک پہنچے ہی تھے۔ دیکھا کہ اندر سے رونے کی آواز آرہی تھیں ہم دوڑ کر اندر گئے تو پنڈت جی کی کنپٹی بندھی ہوئی تھی۔ سوشیل کمار نے گھبرا کر پوچھا پاپا جی کیا ہوا۔ ادھر میں بھی سن ہو گیا۔ پنڈت جی کیا ہوا۔ رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے کہنے لگے۔ عبدالکریم میں نے ساری عمر کسی طالب علم کو نہیں مارا کوئی خرابی پیدا ہوئی زبان سے سمجھا دیا اور وہ طالب علم کے لئے کافی ہوتا ہے۔ آج نویں جماعت کے ایک طالب علم کو اس کی ایک فحش حرکت پر میں نے ہتھیلی پر دو چھڑیاں ماری ہیں۔ میرا جی ڈول رہا ہے کہ میرا عہد ٹوٹ گیا دل سے جو عہد کیا تھا آج پچیس سال بعد اس سینہ میں دراڑ پڑ گئی ہے۔ پتا نہیں ان الفاظ میں کیا جادو تھا قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ

ڈاکٹر سید عبداللہ کا کہنا ہے میں ایف اے کا امتحان دے رہا تھا کہ لاہور کے بڑے کالجوں سے کوئی شخص پرائیویٹ کالجوں کے طلبہ کے فارموں پر دستخط کرنے کیلئے آمادہ نہ ہوتا تھا۔ مجھ سے کسی نے کہا لالہ گھمبیر دیال پرنسپل سناتن دھرم کالج سے ملو۔ اپنی باری پر بلوا لیا گیا۔ کرسی پر سے ایک شخص اٹھا اور دست بستہ نمستے کہا بیٹھ لیا۔ فارم لیا دستخط کئے اور کہا کاکا جی جب بھی کوئی کام ہو بے تکلف آجایا کرو۔ پھر بڑے انکسار سے نمستے کہا اور رخصت کیا۔

جھوٹ

محمد ندیم اختر۔ چوک اعظم.....لیہ

ابو جان نے بتایا کہ ہم ملتان جارہے ہیں۔ تو سب چونک پڑے۔ "ابو ہم سب جائیں گے"؟ نومی بولا۔

"نہیں تم اور تمہاری امی یہیں گھر پر رہیں گی۔ میں اور سلمٰی جارہے ہیں"۔ میں اپنا نام سن کر کھل اٹھی۔ میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ ابو جان مجھے اپنے ساتھ لیکر جائیں گے۔ میں نے ایک نظر نومی کی طرف دیکھا تو چہرہ بجھا ہوا تھا۔ شاید نومی کو غصہ آگیا تھا اور پھر نومی کھانا درمیان میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"کیا ضرورت تھی نومی کا دل توڑنے کی وہ کیا سوچے گا چچ کو اس طرح "ہرٹ" کرتے ہیں"؟ امی جان بول پڑیں۔

بیگم نومی کو لے جانے کا کوئی مسئلہ نہیں اگر نومی چلا گیا تو تمہارے پاس کون رہے گا۔ اور ویسے بھی ابھی چندہ ماہ پہلے ہی تو تمہارے ساتھ ملتان گھوم کر آیا ہے۔ اور سلمٰی کو کافی عرصہ ہو گیا اپنے انکل سے ملے ہوئے میں نے سوچا ابھی چھٹیاں ہوئی ہیں۔ چلو سلمٰی بھی اپنے انکل اور آنٹی سے مل آئے۔ میرے کچھ دفتری امور ہیں وہ بھی نمٹالوں گا۔ اور سلمٰی بھی ملتان دیکھ لے گی۔ ابو یہ کہہ کر اٹھ کر چلے گئے۔ اور میں سیدھی نومی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کہ اسے مناسکوں

ایک طویل سفر کے بعد ہم ملتان پہنچے۔ تو سفر کیوجہ سے کافی تھکاوٹ محسوس ہورہی تھی۔ ہم ایک ٹیکسی کے ذریعے انکل کے گھر پہنچے سب گھر والے مجھے اور ابو جان کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ "بھائی صاحب بہت بڑا سرپرائز دیا ہے۔ آنے سے قبل کوئی اطلاع ہی نہیں دی"۔ انکل کہنے لگے۔

"بس یونہی پروگرام بن گیا۔" ابو جان نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ہمیں یہاں آئے ہوئے چار دن ہو گئے تھے۔ شام کو انکل نے بتایا کہ "ہم ڈنر کیلئے حیدر صاحب کے گھر جارہے ہیں۔ انہوں نے آج ڈنر پر مدعو کیا ہے"۔

"یہ حیدر صاحب کون ہیں؟" میں نے انکل سے پوچھا۔ انکل نے بتایا کہ حیدر صاحب ہمارے دفتر کے ساتھی ہیں۔ اور ان کی مسز یہاں کی ایک مشہور استاد اور ماہر تعلیم ہیں۔

میں آنٹی، انکل اور ابو جان حیدر صاحب کے گھر پہنچے تو انہوں نے بہت پرتپاک انداز میں ہمارا استقبال کیا۔ میں ان کا رویہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ ان کا ملنا اور ویلکم کہنا واقعی شاندار تھا۔ وہ ہمارے ساتھ اس انداز میں ملے کہ جیسے برسوں سے جان پہچان ہو۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر گپ شپ چلی اور پھر

ایک استاد کی کہانی اسے اپنی ذاتی عظمت زیادہ عزیز تھی
جھوٹ کی کتھا جس کا پول کھل گیا تھا

بیگم صفیہ کھانے کا کہہ کر اٹھ گئی۔ کھانا بہت لذیذ تھا۔ سب نے کھانے کی بہت زیادہ تعریف اور داد دی۔ بیگم صفیہ ہنس ہنس کر داد وصول کر رہی تھیں۔ بیگم صفیہ اور حیدر صاحب بہت زیادہ مہمان نواز تھے۔ کھانے کے کچھ دیر بعد چائے کا دور چلا۔ ابھی چائے پی رہی تھی کہ اندر سے ایک بہت ہی خوبصورت معصوم اور کمسن لڑکی نمودار ہوئی۔ نزدیک آنے پر بڑے ادب سے سب کو سلام کیا اور پھر بیگم صفیہ کے پاس جاکر ادب سے بولی "باجی میں نے برتن دھو کر کچن صاف کر دیا ہے۔ کیا اب میں جاسکتی ہوں؟"

"نہیں ابھی نہیں چند منٹ اور ٹھہر جاؤ" اس نے فرمانبرداری سے گردن جھکالی اور جانے لگی۔ مجھے اس معصوم لڑکی نے بہت متاثر کیا۔

"سنو ادھر آؤ.....!" میں نے اسے آواز دے ڈالی اس نے جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا اور پھر میرے قریب آگئی۔ دھیمے لہجے میں بولی "جی باجی کوئی کام ہے؟"

"نہیں ادھر میرے پاس بیٹھو یہ کیک لو.....!" میں نے کیک کا ایک ٹکڑا اسکی طرف بڑھایا۔

"نہیں شکریہ آپ کھائیں۔ میں نے اصرار کیا تو بیگم صفیہ نے بھی کہا لے لو۔ اس نے شکریہ کہہ کر کیک لے لیا۔ تب میں نے اس سے پوچھا "کیا نام ہے تمہارا.....؟" "میرا نام گڑیا ہے"

"کونسی کلاس میں پڑھتی ہو؟"

"جی چھٹی کلاس میں.....!"

واقعی تم گڑیا کی مانند ہو۔ میرا نام سلمٰی ہے کیا تم مجھ سے دوستی کرو گی؟" گڑیا نے سر ہلا کر میرے دوستی کیلئے بڑھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ بیگم صفیہ کو شاید یہ بات ناگوار گزری تب ہی تو انہوں نے گڑیا کو اندر جانے کو کہا۔

"یہ کون ہے؟" میں نے بیگم صفیہ سے پوچھا۔

"چھوٹے موٹے کاموں کیلئے ملازم رکھی ہے" بیگم صفیہ نے سرسری انداز میں جواب دیا۔ یہ سن کر مجھے دھچکا سا لگا۔ میں تو سمجھ رہی تھی۔ یہ پیاری سی لڑکی بیگم صفیہ کی بیٹی ہے۔ جب اس نے باجی کہہ کر جانے کو کہا تو سمجھی کہ شاید پڑوسن کی بچی ہو۔ جسے ماں نے ہاتھ بٹانے کیلئے بھیجا ہو۔ لیکن بیگم صفیہ کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ تو ملازم ہے۔ تو مجھے بہت افسوس ہوا۔

شاید گڑیا کے گھر والے مجبوری کی بنا پر اسے یہاں بھیجتے ہوں۔ کچھ دیر بعد ہی میری سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ سب الوداع ہونے کی تیاری میں تھے۔ لیکن میرے خیالوں میں گڑیا تھی صرف گڑیا.....! اسکی معصوم پیاری سی صورت کسی فلمی منظر کیطرح میرے سامنے رقصاں تھی۔ تقریباً ایک ہفتہ میں اور ابو انکل کے ہاں رہے۔ دو دن بعد ہمارا واپسی کا ارادہ تھا۔ آنٹی اس شام مجھے اپنے ساتھ بازار شاپنگ کے لئے لے گئیں۔ میں نے بہت کہا کہ مجھے کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن وہ بضد تھیں کہ کچھ نہ کچھ تو ہو جائے سو مجھے بازار جانا پڑا۔ بازار میں اچانک میری نظر ایک مانوس چہرے پر ٹک گئی۔ یہ چہرہ گڑیا کا تھا۔ گڑیا

رب کے بعد اگر سجدے کی اجازت ہوتی تو میں اپنے استاد کو سجدہ کرتا۔ (سکندر اعظم)

ریڈی میڈ سوٹ پیک کروا رہی تھی۔ میں تیزی سے اسکی طرف بڑھی۔ میں نے اسے پکارا تو اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور سلام کیا۔ "کیسں ہو..... ٹھیک تو ہو نا.....؟ تمہارے ہاتھ میں اتنے سارے پیکٹ..... تم تو.....؟ اس نے مجھے بات مکمل نہ کرنے دی اور بولی "پلیز ادھر چلیں یہاں بہت رش ہے" پھر اس نے ایک پروقار شخص سے یہ کہہ کر تعارف کرایا کہ "یہ میرے ڈیڈی ہیں" میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ میں تو بس گڑیا کو ہی تکے جارہی تھی۔ اور سوچ رہی تھی کہ یہ کیا ماجرا کیا ہے؟ گڑیا بیگم صفیہ کے گھر میں ایک نوکر کے روپ میں ملی تھی اور یہاں.....!

"گڑیا وہ بیگم صفیہ تو تمہیں نوکر کہہ رہی تھی۔" آخر میں نے جھجکتے جھجکتے کہہ ہی ڈالا۔ باجی اگر وہ مجھے نوکر کی بجائے کچھ اور بھی کہہ دیتیں تو تسلیم کر لیتی کیونکہ وہ میری استاد ہیں ٹیوشن پڑھاتی ہیں وہ مجھے..... میں تو ان کا حق ہی ادا نہیں کر سکتی۔ ماں باپ سے بڑھکر رتبہ ہے ان کا وہ بہت شفیق اور اچھی ہیں۔ میں ان کی کوئی بات نہیں ٹال سکتی۔ اگر انہوں نے آپکے سامنے مجھے نوکر کہہ ہی دیا تو حرج کیا ہے؟ میں اگر ساری عمر ان کی خدمت کرتی رہوں تو پھر بھی کم ہے۔" گڑیا کے دل میں بیگم صفیہ کیلئے بہت محبت تھی۔ عزت و احترام تھا۔ اسکے پاکیزہ خیالات سن کر میں سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئی۔

میں سوچنے لگی اس گڑیا سی لڑکی کی کتنی عظیم سوچ ہے۔ ایک وہ استاد جس نے محض نمود و نمائش کیلئے اپنی معصوم شاگردہ کو ملازمہ کہا۔ یہ گڑیا جو اپنی استاد کی عظمت کے گن گا رہی تھی۔ اسکا حق تسلیم کر رہی تھی۔ مجھے بیگم صفیہ کی سوچوں سے گھن آ رہی تھی۔ لیکن گڑیا کی عظیم سوچ پر پیار آرہا تھا۔ بہت سی باتیں کرنے کے بعد گڑیا نے مجھ سے وعدہ لیا کہ یہ بات کسی کو نہ بتایئے۔ پھر وہ اپنے ڈیڈی کے ساتھ واپس چلی گئی۔

اب بھی کبھی کبھی مجھے گڑیا کا خیال آتا ہے تو اس چھوٹی سی لڑکی کی عظمت کو سلام کرتی ہوں۔ جس نے اپنے طرز عمل سے سمجھایا تھا کہ استاد کی عزت و احترام کس طرح کیا جاتا ہے۔

نگینہ حیات

حاجرہ دستگیر: بہلم

ا۔ س۔ ت۔ ا۔ دیا پانچ الفاظ پر محیط ننھا سا لفظ اپنے اندر دنیا کی بے پناہ رنگینی خوبصورتی اور رعنائی سموئے ہوئے ہے۔ اس شیریں سے لفظ میں سمندر جیسی گہرائی اور آسماں جیسی وسعت پائی جاتی ہے۔ یہ لفظ ہر فرد کی زندگی کی انگوٹھی میں قیمتی نگینے کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اسے نکال دیا جائے تو یہ بدرنگ اور بدنما صورت اختیار کر جاتی ہے۔ "استاد قوم کا محسن ہے" یہ فقرہ ہم نے بارہا اپنی زندگی میں سنا ہوگا۔ لیکن اس فقرے کی اہمیت کوئی کوئی ہی جان سکتا ہے۔ انسانیت کے سب سے بڑے استاد صرف اور صرف نبی آخر الزمان حضرت محمدؐ ہیں ان کی زندگی مومن کیلئے ایسی مشعل کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو اسکی منزل کے ہر راستے راہنمائی کرتی ہے اور بلا آخر منزل مقصود پر پہنچا کر علم و شعور کی ایسی روشنی عطا کرتی ہے۔ جس سے انکی آنکھیں منور ہو جاتی اور ایک انوکھا سا سکون اور سرور قلب و روح میں حلول ہو جاتا ہے۔ رحمت العالمین کا قول ہے۔ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔ جس نے مجھے ایک لفظ پڑھایا وہ میرا استاد ہے۔

ایک دفعہ امام ابو حنیفہؒ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور مختلف مسائل موضوع بحث تھے۔ احترام میں یکدم کھڑے ہو گئے۔ اور جب تک وہ شخص نظروں سے اوجھل نہ ہوا آپ کھڑے رہے۔ سب لوگ بہت حیرانگی سے آپ کے اس طرز عمل کو دیکھ رہے تھے۔ کسی نے پوچھا۔ یا حضرت اس شخص میں ایسی کونسی بات ہے کہ آپ جیسے عالم دین اس شخص کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ بظاہر اس میں کوئی خوبی نظر نہیں آئی۔ آپؒ نے فرمایا۔ یہ میرا استاد ہے۔ سب لوگ بہت زیادہ حیرانگی سے انکی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ آپؒ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ کہ فلاں وقت اس شخص نے ایک مسئلہ پر میری راہنمائی اور مدد کی۔ اس لحاظ سے یہ میرا استاد ہوا۔ اور ایک شاگرد کی حیثیت سے مجھ پر یہ فرض تھا کہ میں اپنے استاد کا احترام کرتا۔ استاد شاگرد کا روحانی رشتہ ہے۔ اور یہ تعلق دل کے گرد گردش کرتا رہتا ہے۔ جس طرح سورج کی روشنی سے دنیائے کل اور چاند ستارے مستفید ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح استاد کے علم سے انسان اپنی زندگی کے تاریک گوشے منور کرتا ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید نے معلم وقت امام مالکؒ سے درخواست کی کہ وہ انہیں حدیث شریف پڑھا دیا کریں۔ امام

تعظیم میں عظمت ہے
جو شاخ جھک جاتی ہے پھلدار ہوتی ہے
سب لوگ حیرانگی سے ان کو دیکھ رہے تھے
یہ تعلق دل کے گرد گردش کرتا رہتا ہے
اس بات کی اہمیت کوئی کوئی ہی جان سکتا ہے

مالکؒ نے فرمایا کہ پیاسا کنوئیں کے پاس چل کر جاتا ہے۔ نہ کہ کنواں چل کر کبھی پیاسے کے پاس گیا ہے۔ تم نے جو کچھ سیکھنا ہے میرے حلقہ درس میں آکر سیکھ سکتے ہو۔ خلیفہ آئے اور حلقہ درس میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ عظیم معلم نے ڈانٹ پلائی اور فرمایا۔ کہ خدا کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ بوڑھے مسلمان اور اہل علم کا احترام کیا جائے۔ یہ سننے کی دیر تھی کہ خلیفہ وقت شاگردانہ انداز میں کھڑے ہو گئے۔ جو لوگ استاد کا احترام کرتے ہیں۔ علم ان کیلئے نور بن جاتا ہے۔

حضرت علیؓ کا قول ہے۔ کہ علم معزز افراد میں وجہ عزت بن جاتا ہے۔ اور جاہلوں میں وہی علم توہین کا باعث۔ جس طرح قطرہ جب سانپ کے منہ میں چلا جائے تو وہ زہر بن جاتا ہے۔ اگر وہی قطرہ سیپ کے منہ میں چلا جائے تو یہ صدف بن جاتا ہے۔ یہ انسان پر منحصر ہے۔ کہ وہ چاہے تو علم کو اپنے لئے نور کا سمندر بنا لے۔ اور چاہے تو اپنے علم پر غرور و تکبر کر کے بوجھل بن جائے۔

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے کیلئے گئے۔ نماز جمعہ ختم ہوتے ہی وزیر کے ہمراہ مسجد سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے دونوں صاحب زادے لڑ رہے ہیں آپ حیران ہو گئے کہ کیا ماجرہ ہے۔ خلیفہ کھڑے ہو گئے۔ آپ نے دیکھا کہ دونوں صاحبزادوں کے ہاتھ میں ایک جوتا ہے اور دونوں کی کوشش ہے کہ جوتوں کا جوڑا اس کے ہاتھ آئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک ایک جوتا دونوں کے ہاتھ میں تھا۔ خلیفہ حیرانگی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور دل ہی دل میں اصل واقعہ جاننے کیلئے متجسس ہو گئے تھوڑی دیر بعد خلیفہ کے دونوں بیٹوں کے استاد محترم نماز ختم کر کے مسجد سے باہر آئے۔ اور دونوں لڑکے نہایت ادب سے جھک کر جوتے ان کے قدموں میں رکھ دیتے ہیں۔ خلیفہ حیرت کی حالت میں وزیر سے دریافت کرتے ہیں۔ اس وقت دنیا کا خوش قسمت ترین انسان کونسا ہے۔ وزیر بولا عالیجاہ اس وقت آپ سے زیادہ خوش قسمت ترین کون ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا انہیں اس وقت دنیا کا خوش قسمت ترین انسان وہ ہے (استاد کی جانب اشارہ کر کے جس کے پاؤں میں جوتے پہنانے کیلئے خلیفہ وقت کے بیٹے جھگڑ رہے ہیں۔ تعظیم میں عظمت ہے جو شاخ جھک جاتی ہے۔ وہ پھل دار ہوتی ہے۔ صراحی ہمیشہ جھک کر ہی جام کو سیراب کرتی ہے۔ گویا جو لوگ (شاگرد) استاد کے حضور جھکتے ہیں وہی علم کی شمع اٹھانے کے حق دار ہوتے ہیں اگر زمین بنجر ہو تو پانی دینے والے کی ہر کاوش اور کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔ اور اگر ذرا سا نم ہو تو یہی زمین گل و گلزار بن جاتی ہے۔

ایک محاورہ ایک کہانی

استاد بیٹھے پاس، کام آئے راس

جمشید نظر

بچے کلاس روم میں شور مچا رہے تھے کہ اچانک ایک اجنبی شخص عینک لگائے ہاتھوں میں کتابیں پکڑے اندر داخل ہوا۔ بچوں نے ایک لمحہ کے لئے اسے دیکھا اور پھر اپنی دھن میں مست ہلہ گلہ کرنا شروع ہو گئے۔ اجنبی شخص بچوں کی بے حسی محسوس کر کے بڑے پیار سے بولا "سائلنس پلیز" یہ سن کر بچے خاموش ہو گئے اور تجسس بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ اجنبی شخص بولا میں آپ کا نیا ٹیچر عامر ہوں اور آج سے آپ کی کلاس کو میں ہی پڑھایا کروں گا۔ میں ان ٹیچروں میں سے نہیں جو بچوں کی پٹائی کر کے انہیں زبردستی تعلیم کی طرف راغب کرتے ہیں۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ آپ سب دل لگا کر تعلیم حاصل کرتے رہیں گے اور مجھے شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔ مختصر سی تقریر میں اپنا تعارف کرانے کے بعد استاد عامر بچوں کو پڑھانے لگا۔ ایک دن استاد عامر نے کیمسٹری پڑھانے کے بعد بچوں سے سوال پوچھا کہ کس مسلمان سائنسدان نے تین معدنی تیزاب ایجاد کئے تھے۔؟ احمد جو کلاس کا ہونہار طالب علم تھا نے جواب دینے کے لئے جلدی سے ہاتھ کھڑا کر دیا۔ کلاس کے دیگر بچوں نے بھی ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ استاد عامر نے پیچھے بیٹھے علی کو اشارہ کر کے کہا علی تم اس سوال کا جواب دو۔ علی استاد کو اپنی جانب متوجہ پا کر چونک گیا اور گھبرا کر بولا سر کون سے سوال کا جواب۔؟ استاد بولا میں نے پوچھا ہے کہ کس مسلمان سائنس دان نے تین معدنی تیزاب ایجاد کئے تھے۔؟ علی کو تو جواب آتا ہی نہیں تھا کیونکہ جب استاد پڑھا رہا تھا اس وقت وہ اپنی کاپی پر جانوروں کی تصویریں بنانے میں مصروف تھا۔ استاد بولا میں نے ابھی تو بتایا تھا۔ کیا تم نے غور سے نہیں سنا۔ علی کچھ سوچ کر سر کھجاتے ہوئے بولا جی سر علامہ اقبال نے۔ یہ سن کر کلاس کے سارے بچے ہنس پڑے۔ انہیں خاموش کرا کر استاد بولا ارے بھئی علامہ اقبال سائنس دان نہیں شاعر تھے۔ جنہوں نے معدنی تیزاب ایجاد نہیں کئے تھے بلکہ پاکستان کا تصور پیش کیا تھا۔ جواب غلط ہونے پر علی شرمندہ ہو گیا۔ استاد نے علی کو اپنے پاس بلایا اور پیار سے پوچھا علی جب سے میں آیا ہوں میں نے نوٹ کیا ہے کہ کلاس میں تو بیٹھے ہو مگر پڑھائی پر توجہ نہیں دیتے اور مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ تم ہر سال امتحان میں فیل ہو جاتے ہو' آخر ایسا کیوں ہے۔؟ استاد کی شفقت محسوس کر کے علی بولا سر دراصل میں جو بھی سبق یاد کرتا ہوں وہ وقتی طور پر مجھے یاد رہتا ہے جبکہ بعد میں بھول جاتا ہے اس لئے میں نے سبق یاد کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ اس وجہ سے میں ہر سال فیل ہو جاتا ہوں۔ استاد بولا اچھا تم اپنا بیگ لے کر یہاں بیٹھ جاؤ علی اپنا بیگ لیکر استاد کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کے بعد استاد سب سے مخاطب ہو کر بولا بچو میں نے محسوس کیا ہے کہ کتابیں پڑھنے سے تمہیں سبق یاد نہیں ہوتا۔ اس لئے کل سے میں تمہیں زبانی لیکچر دیا کروں گا تم سب غور سے سننا امید ہے اس طرح تمہیں سبق یاد ہو جایا کرے گا۔ چنانچہ اگلے دن سے استاد عامر نے بچوں کو زبانی لیکچروں کے ذریعے تعلیم دینا شروع کر دی۔ احمد کو استاد کا تعلیم دینے کا یہ طریقہ پسند نہ آیا کیونکہ اسے کتابوں سے سبق یاد کرنے کی عادت تھی۔ احمد نے لیکچروں میں دلچسپی لینا ختم کر دی اور سکول سے چھٹیاں کرنے لگا۔ استاد نے احمد کو سمجھایا مگر اس نے تعلیم سے لاپرواہی برتنا شروع کر دی۔ احمد کی ناپسندیدگی کے برعکس استاد کے اس طریقہ تعلیم سے نہ صرف علی بلکہ کلاس کے دوسرے نالائق بچوں کو بھی سبق یاد ہونے لگا۔ اب تو علی دل لگا کر تعلیم حاصل کرنے لگا۔ ایک روز علی احمد کو سمجھاتے ہوئے بولا احمد تم تو کلاس کے ہونہار طالب علم ہو پھر اتنی چھٹیاں کیوں کرتے ہو۔ پتہ ہے ایک چھٹی کرنے سے استاد کا ایک لیکچر رہ جاتا ہے جو پورے باب کے برابر ہوتا ہے۔ تم نے مفکر کا قول تو سنا ہو گا کہ عالم کے پاس ایک گھنٹہ بیٹھنا سو دن کے مطالعہ سے بہتر ہے۔ احمد جو غصے بھری نظروں سے علی کی باتیں سن رہا تھا بولا بس بس مجھے تعلیم حاصل کرنا نہ سکھاؤ بلکہ اپنی فکر کرو جو ہر سال امتحان میں فیل ہو جاتے ہو۔ جب استاد صاحب لیکچر نہیں بھی دیتے تھے تب بھی میں لول پوزیشن حاصل کرتا تھا اور اب بھی کر کے دکھاؤں گا۔ یہ کہہ کر احمد چلا گیا جبکہ علی بیچارہ چپ کر کے احمد کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ چنانچہ اسی طرح سال گزر گیا۔ امتحانات کے بعد آخر ایک دن ایسا بھی آ گیا جب رزلٹ ہونا تھا۔ تمام بچے اپنے اپنے والدین کے ہمراہ سکول کے میدان میں جمع تھے۔ سٹیج پر کھڑے ہیڈ ماسٹر صاحب مائیک میں بولے پیارے بچو! آج نتیجہ کا دن ہے جن بچوں نے محنت کی ہو گی وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ جبکہ جنہوں نے اپنا وقت کھیل کود اور فضول کاموں میں صرف کیا ہو گا۔ ظاہر ہے انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بہر حال ناکام ہونے والے طالب علموں کو ہمت ہارنے کی بجائے محنت پر زور دینا چاہئے۔ تقریر کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب نتیجے کا اعلان کرنے لگے۔ جو بچے پاس ہو جاتے نہ صرف ان کے والدین کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ رہتا بلکہ وہ خود بھی فخر سے سٹیج پر جاتے اور ہیڈ ماسٹر صاحب سے اپنا انعام خوشی خوشی وصول کرتے۔ ناکام ہونے والے کچھ بچے رونے لگے جبکہ کچھ اپنے والدین کے ہمراہ خاموش اور اداسی سے گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب احمد کی کلاس کا رزلٹ سنانے لگے۔ سب بچوں کو یقین تھا کہ پہلی پوزیشن احمد کی ہو گی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے مائیک میں اعلان کیا پہلی پوزیشن کی ہے علی نے۔ یہ سن کر احمد اور اس کے دوست حیران رہ گئے جبکہ علی اور اس کے والدین بہت خوش تھے۔ علی نے والدین کا خواب سچ کر دکھایا تھا۔ وہ سٹیج کی طرف خوشی خوشی بڑھا اور ہیڈ ماسٹر صاحب سے سند اور انعام حاصل کیا۔ احمد کو دل ہی دل میں احساس ہونے لگا کہ واقعی علم صرف کتابیں پڑھنے سے ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ استاد کی رہنمائی بھی اتنی ہی اہم ہے۔ اسی دوران ہیڈ ماسٹر صاحب نے دوسری پوزیشن حاصل کرنے والے کا نام لیتے ہوئے کہا دوسری پوزیشن حاصل کی ہے احمد نے۔ احمد جھجھکتے دل سے سٹیج کی طرف بڑھا۔ اپنی سند اور انعام لیکر واپس دوستوں کے پاس آ گیا۔ دوست حیرت سے اسے پوچھنے لگے۔ یار احمد تم تو علی سے زیادہ ہونہار طالب علم ہو پھر یہ ہر سال فیل ہونے والا علی اچانک فسٹ کیسے آ گیا۔ علی ان کی باتیں سن رہا تھا وہ جلدی سے ان کے قریب آیا اور بولا "استاد بیٹھے پاس کام آئے راس"۔

بچو بتاؤ ہماری میڈم کو کس نے ایجاد کیا؟

ٹیڑھی آنکھ سے لکھے ایک کالم کی کہانی.....

کبھی اعظم یاد اس طرح کی تحریریں بھی لکھا کرتے تھے۔

مڈل کا رزلٹ آؤٹ ہوا تو سیکشن بی کی اکٹھی دس لڑکیاں فیل ہو گئیں جبکہ دیگر سیکشن سے سب لڑکیاں پاس تھیں تو میڈیم علی پاشا کو بے حد تعجب ہوا۔ انہوں نے سیکشن بی کی دس چیزوں کے فیل ہونے کی وجہ جاننے کیلئے ایک منصوبہ بنایا۔ انہوں نے ہال روم میں گیارہ افراد کے بیٹھنے کا انتظام کیا۔ دس کرسیوں کے سامنے پڑے ہوئے ٹیبلوں کے نیچے خفیہ مائیک لگا دیئے ان کے سپیکر میڈیم کے کمرے میں تھے۔ میڈم نے ان دس لڑکیوں کو یہ کہہ کر ہال روم میں بلوایا کہ میڈم ان سے خطاب کرنا چاہتی ہیں جبکہ اس سیکشن کو پڑھانے والی آٹھ نو ٹیچرز کو اپنے کمرے میں طلب کر لیا۔ سب لڑکیاں ہال روم میں بیٹھ کر میڈم کا انتظار کرنے لگی۔ وہ جو کچھ بھی بول رہی تھیں میڈم کے کمرے میں سپیکر کی مدد سے سب کچھ سنائی دے رہا تھا۔ میڈم نے مس نوشابہ کے کان میں کچھ کہا تو وہ ہال روم کی طرف آئیں اور لڑکیوں سے کہا کہ میڈم کو ایمرجنسی کسی کام سے جانا پڑ گیا ہے وہ دو گھنٹوں تک آئیں گی لیکن ان کا حکم ہے کہ واپسی تک آپ سب اسی جگہ بیٹھی رہیں۔ لڑکیاں جو پہلے کھسر پھسر کر رہی تھیں اور میڈم کے ہونے والے خطاب پر اپنی اپنی کراہ دے رہی تھیں ایک دم خاموش ہو گئیں جب مس نوشابہ واپس چلی گئیں تو فائزہ بڑبڑانے لگی۔ "ہائے ہائے یہ "موٹو" کو آج ہی مصیبت پڑنی تھی اتنی موٹو ہے کہ چلا تو جاتا نہیں جائے گی بھی دیر سے آئے بھی دیر سے....." "ادھر میڈم سپیکر کے ذریعہ سب کچھ سن ہی تھیں ایسے ریمارکس سن کر ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا لیکن وہ ضبط کر گئیں جبکہ بقیہ ٹیچرز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی پھیل گئی جبکہ ادھر فائزہ بول رہی تھی۔ "اب کیا ہو گا کرکٹ کا میچ دو بجے ٹی وی پر شروع ہونے والا تھا..... ہائے اللہ میں کیا کروں" اس نے ہاتھوں کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ فائزہ کو یوں بڑبڑاتے سن کر مریم کھلکھلا کر ہنس پڑی اور گویا ہوئی۔ "جانا کہاں ہے آفس میں بیٹھ کر مزے سے میچ دیکھ رہی ہوں گی جب لنچ کا وقفہ ہو گا تب ہماری "خبر" لیں گی۔ مریم کی بات سن کر لبنیٰ بولی "ہمارے سکول میں تو ایک سے بڑھ کر ایک "نونز" ہے اب "مس نکی چڑھی" کو لے لو ہر وقت ناک کو یوں سکوڑتی رہتی ہے جیسے ناک نہ ہوئی منہ پر چوہا بٹھا رکھا ہو۔ جس سے باتی منہ کو چاتی ہو" اتنے ریمارکس سننے تھے کہ آفس میں بیٹھی ہوئی میڈم اور ٹیچرز کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا جبکہ مس عائشہ نے اپنا منہ دوپٹے میں چھپا لیا۔ غصے سے وہ تیز تیز سانس لینے لگیں جبکہ لبنیٰ کی بات ابھی جاری تھی وہ کہہ رہی تھی۔ "غضب خدا کا اس سال بورڈ کے امتحان کی وجہ سے کہنے لگیں میڈم کے حکم کی وجہ سے چھٹی کے بعد تمہیں ایک گھنٹہ مزید پڑھایا کروں گی تاکہ تم لوگ اچھی پوزیشن حاصل کر سکو۔ اس ایک گھنٹہ میں اور کچھ ہو یا نہیں ہو اتنا ضرور ہوا کہ مس، خیند میں لول پوزیشن ضرور لیتی رہیں ہیں" (یہ بات سن کر میڈم نے غصے سے مس عائشہ کو گھورا اور پھر توجہ سے باتیں سننے لگیں) یہ بولنے والی فریحہ تھی "اگر وہ سوتی رہیں ہیں تو ہم کو نسا پڑھتی رہی ہیں ہم نے بھی تو اس گھنٹہ سے کتنا فائدہ حاصل کیا۔ آپس کے مشورے کے بعد عائشہ کے بالوں کا سٹائل چینج کیا۔ بہت سے نئے رنگوں کے سوٹوں کی میچنگ کی"۔ "خیر یہ سب تو ہوا" ربعہ بولی "ویسے نئے نئے فیشن کے متعلق تو ہمیں "مس بیوٹی" خوب گائیڈ کرتی رہی ہیں۔ قسم سے مس بیوٹی کا تو پورے سکول میں جواب نہیں..... بالوں کے کیا شاندار سٹائل اپناتی ہیں..... اور کپڑوں کی ڈیزائننگ پر تو میں اسکی دل سے معترف ہوں..... گریس فل شخصیت ہے ایک دم گریس فل....." (اپنے متعلق ریمارکس سن کر مس "عینی" کا سر فخر سے بلند ہو گیا اور انکے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بکھرنے لگی لیکن اگلے جملے سن کر انہوں نے منہ نیچے کر لیا کیونکہ ربعہ ابھی اور بھی کچھ کہہ رہی تھی) "تھا تو ان کے پاس انگلش کا پریڈ قسم لے لو پہلے سال ہم نے ایک لفظ بھی ان سے انگلش کا پڑھا ہو....." ابھی اس کی بات جاری تھی کہ رفعت نے بات اچک لی۔ "پڑھانے میں تو سب کا حال ایسا ہی ہے لب وہ ہے "مس قینچی" کیا کتر کتر زبان چلتی ہے بولتی ہو تو لگتا ہے پاس سے لفظوں کی ریل گاڑی بھاگ رہی ہے..... (جبکہ دوسری طرف بیٹھی ہوئی ٹیچرز کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ مس قینچی کے کہا جا رہا ہے) سائنس یوں پڑھاتی ہیں جیسے سائنس بے چاری ابھی خود ان سے پڑھ رہی ہو (سائنس کا نام لیا تو ٹیچرز سمجھ گئیں کہ یہ مسز ملک کی بات کر رہی ہیں۔ مسز ملک نے فوراً کھڑے ہو کر میڈم کی طرف "انگلی" کھڑی کی۔ میڈم وہ..... میں..... صبر مسز ملک صبر ہم سب سن رہے ہیں اور صرف اس لئے کہ آئندہ اپنی کوتاہیوں سے پرہیز کریں..... بیٹھ جائیں) بھلا ان کی ایک بات بھی سمجھ میں آتی تھی اور ویسے بھی انہیں اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ ہم سمجھ رہی ہیں یا کہ نہیں کیونکہ اگر وہ سکول ہی میں سمجھا کر پڑھاتیں تو پھر ان سے ٹیوشن پڑھنے کون جاتا....." کنول نے اپنی انگلیاں چٹخائیں اور پھر بولی "خیر وہ تو صرف گھر پر ٹیوشن پڑھاتی ہیں اور ہماری "مس ہوم ورک ..... جتنا پڑھاتی ہیں اس سے کہیں زیادہ آنکھیں دکھاتی ہیں..... دیکھتی یوں ہیں جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں پی جائیں گی۔ قسم سے سانس خشک ہونے لگتا ہے میرے بس میں ہو تو آنکھیں نکال کر انکی جگہ بٹن لگا دوں۔ بولنے کا انداز بھی اللہ ماشاء اللہ ہے لوئے لڑکی، ادھر آ..... ارے لڑکی ..... ادھر کیا اپنے بابا کو دیکھ رہی ہے۔ قسم سے عورت تو بھول کر بن گئی ہیں آدمی بن جاتیں تو ہماری تو جان چھوٹتی، کیا پتھریلا لہجہ ہے۔ کلاس میں چلتی بھی یوں ہیں جیسے ابھی ابھی دو آدمی مار کر آئی ہوں غصے میں یوں تو لگتا ہے انہیں کرنٹ لگ گیا ہے زور زور سے کانپنا شروع کر دیتی ہیں اور پھر اس کپکپاہٹ میں جس پر غصہ ہو ڈنڈے کے ذریعے اس پر کپکپاہٹ چڑھا دیتی ہیں۔ جس دن جس لڑکی نے ہوم ورک نہ کیا ہو اسے اپنے گھر بھیج دیتی ہیں جاؤ جا کر میرے گھر "ہوم ورک" کر کے آؤ..... (دوسری طرف مس عائشہ سمجھ رہی تھیں کہ سب اس کی طرف طنزیہ نظروں سے دیکھیں گی۔ مگر دیگر سب ٹیچرز کے سر نیچے تھے کیونکہ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ اب انکی بھی باری آنے والی ہے۔ کنول نے بات مکمل کی تو سب لڑکیوں نے قہقہہ لگایا۔ ہنستے ہنستے نغمانہ کو "مس عینکو" یاد آ گئیں وہ بھلا کب پیچھے رہنے والی تھی ارے ہاں یاد آیا وہ اپنی ہیں" مس عینکو" عینک اس انداز سے لگائی ہوتی ہے لگتا ہے انہوں نے عینک کو نہیں عینک نے مجبوراً انہیں لگایا ہوا ہے اور جس دن میچنگ کا موڈ ہو اس دن اپنے رنگ کے مطابق کالی عینک لگاتی ہیں۔ نغمانہ کی بات سن کر سب لڑکیاں پھر کھی کھی کرنے لگیں (جبکہ دوسری طرف مس نازیہ نے شرمندگی سے عینک اتار کر ٹیبل پر رکھ دی) نغمانہ کی آواز پھر گونجی۔ مزے کی بات

کالی عینک صرف اس دن لگاتی ہیں جب ان کا کلاس میں سونے کا موڈ ہو لو رہاں ایک واقعہ یاد آگیا پرسوں جب میں سکول سے گھر جارہی تھی کہ مس عینکو میرے آگے آگے جارہی تھیں ایک بچے نے سائیکل ان سے ٹکرادی یہ گر گئیں اس نے جلدی سے مس کو کھڑا کیا اور عینک لگی دیکھ کر افسوس کرنے لگا "سوری مس مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ بلینا ہیں" (لڑکیوں کی باتیں سن سن کر اب ٹیچرز نے آہستہ سر اٹھانا شروع کردیئے انہیں پتہ چل گیا کہ اب یہ سب کے ساتھ تو ایسا ہی ہو رہا ہے تو پھر کیوں نا باتوں سے مزا لیا جائے۔ لہٰذا اب وہ مس نازیہ کو چھیڑنے لگیں ویسے وہ سب سوچ رہی تھیں کہ اچھا ان بچیوں نے کلاسز میں ان کے ہاتھ ہی آنا ہے پھر گن گن کر بدلے لیں گی) اب یہ آواز سعدیہ کی آرہی تھی وہ مس چیونگم یعنی "مس روبی" کی بات کررہی تھی۔ مس چیونگم یا تو سارا دن چیونگم چباتی رہتی ہیں یا پھر سویٹر بنتی رہتی ہیں جبکہ چیونگم اور پھر اس کا غبارہ پھلانا مس کی یہ والی عادت اتنی پختہ ہوگئی تھی کہ ایک دفعہ میڈم نے مس کو بلا کر کہا "مس نائیلہ آپ کی کارکردگی بہت خراب جارہی ہے" یہ یکدم گھبرا گئیں بولیں۔ جی..... پھر..... اور ساتھ ہی غبارہ منہ سے نکل گیا..... بس پھر نہ پوچھیں کیا ہوا..... (اب دونوں طرف قہقہے لگ رہے تھے)۔ لے بھول گئیں مس لچو کو..... نوشین نے مس لچو کا نام لیا تو سب لڑکیوں پر جیسے قہقہوں کا دورہ پڑ گیا۔ (جبکہ دوسری طرف مسز تیمور نے سکون سے آنکھیں بند کرلیں جیسے وہ سوئی ہوں اور کچھ نہیں سن رہیں) سب کے قہقہے رکے تو نوشین نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں گھماتے ہوئے کہا۔ "جب کلاس میں داخل ہوتی ہیں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے سرکس والی سائیکل پر سوار ہو کر کلاس میں داخل ہورہی ہیں..... قدان کا بلیک بورڈ سے بھی اونچا ہے جب بلیک بورڈ پر سوال لکھتی ہیں تو ہم بلیک بورڈ کی طرف دیکھتی ہیں اور جب وہ بولتی ہیں تو انہیں بولتا دیکھنے کیلئے بلیک بورڈ سے بھی اوپر دیکھنا پڑتا ہے اور پھر پتہ ہے اوپر سے کیا کہتی ہیں "نوشین کو ہنسی روکنا مشکل ہو رہی تھی۔ "کہتی ہیں لوئے لڑکیو! چھت کی طرف کیا دیکھ رہی ہیں اور ادھر مسز تیمور جو سوئی ہوئی بن رہی تھیں نوشین کو اپنے لہجے میں بولتا سن کر انکی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔ اور دانتوں سے دوپٹے کو چبانے لگیں) ارسہ بولی آپ ایک اور اہم ذات شریف کو بھول رہی ہیں ارے ہماری پیاری سی مس "مس پیڈو" ہاں ہاں یاد آگیا مریم بولی اس بیچاری کے ساتھ پہلے ہی دن دو عجیب واقعے ہوئے۔ یہ پہلی مرتبہ سکول ٹیچر کی حیثیت سے سکول آئیں تو اسمبلی ہو چکی تھی۔ سکول چوکیدار نے یہ کہہ کر دروازہ بند کرنا چاہا "چلو خوچہ بھاگو اسمبلی کے بعد چہ لوگ اندر نہیں آسکتا" انہوں نے چوکیدار کو یقین دلانا چاہا کہ وہ تو پڑھانے آئی ہیں تو چوکیدار غصے میں آگیا بولا "اب تم چہ لوگ ہمارے ساتھ مسخری کرتا....." اور گیٹ بند کرلیا۔ انہوں نے پی سی او سے جاکر میڈم کو فون کیا تو میڈم نے چوکیدار کو ڈانٹا تب بے چاری اندر داخل ہوئیں۔ (یہ بات وہ مس نسیم کے متعلق کہہ رہی تھیں جو کہ اچھی قسمت کی وجہ سے آج چھٹی پر تھیں) مریم کی بات جاری تھی "اسی دن جب یہ کلاس لینے اپنے کمرے میں گئیں تو مسز ملک کو علم نہیں تھا کہ یہ نئی ٹیچر ہیں انہوں نے آتے ہی ایک تھپڑ جڑ دیا "بولیں تمہیں تمیز نہیں ٹیچرز کی کرسیوں پر شاگرد نہیں بیٹھا کرتیں" وہ دن آج کا دن مسز ملک اور مسز نسیم کا بلی کتے کا ویر ہے" فریحہ بولی اور ہاں وہ واقعہ یاد نہیں جب میڈم نے ساتھ والے سکول کی ٹیچرز کے ساتھ کرکٹ کا میچ ڈالا تو یہ مس بھی ساتھ تھیں ساتھ والے سکول کی میڈم بڑی حیران ہوئیں کہ کیا یہ بھی ٹیچر ہیں بہر حال جیسے تیسے انہیں یقین دلایا گیا تو ازراہ تفنن بولیں "اچھا چلو مان لیتے ہیں لیکن ہمارے پاس وکٹیں نہیں ہیں چلو وکٹوں کی جگہ اسے کھڑا کردیتے ہیں" (یہ بات سن کر خود میڈم علی پاشا ہنسنے لگیں کیونکہ واقعتاً ایسا ہوا تھا) جبکہ مس شہلا جو کہ ہر لمحہ خوشگوار موڈ میں رہتی تھیں بولیں شکر ہے کہ لڑکیوں نے مجھے دانتوں تلے نہیں لیا ابھی وہ خوش ہو ہی رہی تھیں کہ کنول پھر بول اٹھی۔ ایمان سے ایک شخصیت مجھے بے حد اچھی لگتی ہیں ہر لمحہ مسکراتی رہتی ہیں وہ ہیں ہماری "مس قہقہہ" قہقہہ یوں لگاتی ہیں جیسے چھت پھاڑنے کا موڈ ہو۔ ان کا ایک مزید لرواقعہ یاد آرہا ہے۔ مذاق کے موڈ میں تھیں کلاس میں بچوں سے سوال پوچھنے لگیں "بچو بتاؤ ہماری میڈم کس نے ایجاد کی" اور ساتھ ہی ہاہاہاہا قہقہہ لگادیا لیکن بدقسمتی سے اسی لمحہ میڈم بھی کمرے میں داخل ہوئیں انہوں نے یہ فقرہ سن لیا تھا۔ میڈم کو دیکھ کر مس قہقہہ یاہاہا سے ہی ہی ہی اور پھر جب میڈم نے نقطہ دار باتیں سنائیں تو پھر سی سی سی پر آگئیں (کنول کی یہ بات سن کر دوسری ٹیچرز بھی جنہیں پہلے اس بات کا علم نہیں تھا بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑیں جبکہ مس شہلا کا بلند ہونے والا قہقہہ کسی صورت رک ہی نہیں رہا تھا) کنول نے بات جاری رکھی "ایک دن ان کی ایک سہیلی ان سے ملنے آئی تو انہوں نے پہلے قہقہہ لگایا اور پھر پوچھا اور بتاؤ کیا حال چال ہیں" وہ بولیں "بیمار رہتی ہوں" تو انہوں نے حسب معمول قہقہہ لگادیا لیکن انہیں جلد احساس ہوگیا کہ وہ کہہ رہی ہے کہ میں بیمار ہوں اور میں قہقہے لگا رہی ہوں تو انہوں نے اس شرمندگی کو چھپانے کیلئے سوچا کہ چلو شوہر کے متعلق پوچھتی ہوں سہیلی خود ہی ہنس پڑے گی۔ پھر اس قہقہے میں پہلے والی شرمندگی دب جائے گی پوچھنے لگیں "شوہر کا سنائیں کیسے ہیں" وہ بولیں وہ تو فوت ہوگئے ہیں ادھر انہوں نے پوری بات سنی نہیں اور پہلے ہی قہقہہ لگادیا ان کی سہیلی نے یہ صورتحال دیکھی تو غصے سے اٹھ کر چلی گئیں۔ یہ منائے بھی گئیں لیکن وہ لوٹ کر نہیں آئیں..... جبکہ ان کے مقابل مس "سٹریل" کو لے لیں مجال ہے جو تھوڑا سا بھی ہنس لیں لگتا ہے ہنسیں گی تو پیسے لگ جائیں گے۔ دوسری ٹیچرز سے اتنا حسد کرتی ہیں کہ اللہ معاف کرے۔ ویسے انہیں اس بات پر بھی حسد ہی رہتا ہے کہ دوسری ٹیچرز ان کی طرح حسد کیوں نہیں کرتیں۔ ایک دفعہ مس عائشہ کے ابو فوت ہوگئے جب وہ سکول آئیں تو کلاس میں سسکیوں سے رونے لگیں دیگر ٹیچرز نے آآکر ان سے ہمدردی کا اظہار کیا اور افسوس کرنے لگیں اور مس عائشہ کے گن گانے لگیں مس سزیل یہ سب دیکھ کر جل بھن گئیں اور مارے حسد کے کہنے لگیں "ان کے ابو فوت ہوئے ہیں خود تو فوت نہیں ہوئیں سب کے والدین نے آخر فوت ہونا ہی ہے ..... لیکن پھر جب اس فقرے کا انداز ہوا تو اس لپیٹ میں اس کے والدین بھی آگئے ہیں تو پھر فوراً کھسیانی ہو کر بھاگ اٹھیں ..... اب ایک اور واقعہ سن لو ہماری میڈم کا..... ابھی اتنے الفاظ فریحہ نے کہے ہی تھے کہ میڈم نے سپیکر کے سوئچ آف کردیئے اور ٹیپ ریکارڈر اور ٹیچرز کے ہمراہ ہال روم کی طرف چلی گئیں۔ ٹیچرز اور میڈیم کو دیکھ کر سب لڑکیاں خاموش ہوگئیں اور اپنے چہروں پر ڈھیروں معصومیت لے آئیں جبکہ ٹیچرز کا مارے غصے سے برا حال تھا۔ میڈم نے کرسی پر بیٹھ کر ریکارڈ کی ہوئی کیسٹ چلادی تو لڑکیاں یوں ہوگئیں جیسے کاٹو تو لہو نہیں..... میڈم نے ٹیپ بند کی اور پھر بولنا شروع کیا یوں جیسے وہ کنویں سے بول رہی ہوں۔ "استاد اور شاگرد کا ایک مقدس رشتہ ہوتا ہے جس نے اس رشتے کے تقدس کو پامال کیا وہ زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہوا۔ شاگرد استاد سے صرف اسی وقت تک سیکھ سکتا ہے جب اس کا احترام شاگرد کے دل میں ہے۔ بعض رشتوں اور بعض لوگوں کو ٹیڑھی آنکھ سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ میں مانتی ہوں کہ مجھ میں یا میرے اسٹاف میں بہت سی غلطیاں ہوں گی لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہ کا قول ہے کہ "جس نے مجھے ایک لفظ سکھایا وہ بھی میرا استاد ہے"۔ آپ کے دل میں اساتذہ کا احترام پیدا نہیں ہوا اور آپ نے توجہ سے پڑھا بھی نہیں اور فیل ہوگئیں جبکہ آپ کے مقابل دیگر تین سیکشن جن کو یہی اساتذہ پڑھاتی رہی ہیں تو اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئی ہیں۔ آپ پہلے اپنے آپ کو تو پہچانیں آپ میں کیا کیا خامیاں ہیں خود کو درست کریں پھر دوسروں پر بات کریں۔ جوں جوں میڈم کی آواز ابھر رہی تھی لڑکیوں کو اپنی غلطی کا شدت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ یہ باتیں تو محض خوش ہونے کیلئے کرتی تھیں لیکن اس خوشی سے ان کے دلوں سے اپنی ٹیچرز کا احترام واقعتاً ختم ہوگیا تھا جس کی وجہ سے وہ فیل ہوئی۔ "ہمیں معاف کردیجئے اچھی میڈم۔ آپ نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ آئندہ ہم اپنے اساتذہ کی عزت اپنے والدین سے بھی زیادہ کریں گی" میڈم نے عینک اتاری رومال سے آنسو پونچھے اور بولیں "اگر تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے تو ہم سب ٹیچرز تمہیں معاف کرتی ہیں لیکن آئندہ تم نے اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کرنا ہے" لڑکیاں بولیں (انشاء اللہ)

پرائیڈ پبلک سکول کے اساتذہ

ایک نظر میں!

پرائیڈ پبلک سکول نے جہاں بچوں کیلئے کھلی کشادہ اور آراستہ و پیراستہ بلڈنگ فراہم کی ہے، بہترین فرنیچر، خوبصورت لان، بچوں کے کھیلنے کیلئے جدید ترین کھلونے اور جھولے فراہم کئے ہیں، وہاں بہترین اساتذہ کا انتخاب کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ پرنسپل پرائیڈ پبلک سکول نے ایک ملاقات میں بتایا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ خالی بلڈنگیں، عمارتیں اور صاف ستھرا ماحول ہی بچوں کو اچھی تعلیم نہیں دیتا بلکہ بہترین اساتذہ کا انتخاب ہماری اولین ترجیح ہے۔ الحمدللہ ہم اس میں خاصے کامیاب ہیں۔ ہمارے سکول کے سالانہ بہترین رزلٹ کی وجہ انہی اساتذہ کی انتھک محنت اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔

پرائیڈ پبلک سکول کی سینئر کلاسز کیلئے جو اساتذہ ہیں، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں

(1) مسٹر اعجاز اقبال (ایم ایس سی ڈبل میتھ + ایم ایڈ)
(2) مس ثمینہ فاروق (ایم ایس سی کیمسٹری)
(3) مس رضوانہ مظہر (ایم اے اکنامکس + بی ایڈ)
(4) قاری عبدالرحمٰن (ایم اے اسلامیات + ایم ایڈ)
(5) مس عنبرین (ایم اے پنجابی)

پرائیڈ پبلک سکول کی جونیئر کلاسز کیلئے اساتذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(7) مس شازیہ نوید (گریجویٹ + ڈپلومہ علی انسٹی ٹیوٹ)
(8) مس عظمیٰ زبیر (گریجویٹ)
(9) مس بشریٰ رضا (گریجویٹ)
(10) مس فوزیہ اشفاق (ایم اے اکنامکس + ڈپلومہ علی انسٹی ٹیوٹ)
(11) مس عظمیٰ احسن (بی اے۔ بی ایڈ)

پرائیڈ پبلک سکول نے جونیئر کلاسز کی اساتذہ کے ساتھ کچھ مددگار اساتذہ بھی مقرر کی ہیں تاکہ چھوٹے بچوں کو بہتر طریقے سے سنبھالا جاسکے۔ ان اساتذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(12) مس شازیہ
(13) مس عطیہ منیر
(14) مس گلناز

کمپیوٹر، کرائے اور خطاطی کیلئے مقرر اساتذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(15) مسٹر مدثر افتخار (بی ایس سی کمپیوٹر سائنس، بی ایس سی الیکٹریکل انجینئرنگ) کمپیوٹر انسٹرکٹر
(16) مسٹر ثاقب سکندر (کمپیوٹر آپریٹر معاون)
(17) مسٹر عاصم (بلیک بیلٹ) تائیکوانڈو انسٹرکٹر
(18) شیخ خلیل احمد خطاط

پرائیڈ پبلک سکول
1۔ کلومیٹر ٹھوکر نیاز بیگ رائے ونڈ روڈ لاہور فون 5419311

ہونہہ استادوں سے استادی

2010 تک کیا بنے گا

رانا بلہر حیات

لفظ استاد سے مجھے بے حد لگاؤ ہے اس کی وجہ شائد یہ ہے کہ اس لفظ میں کسی حد تک موسیقیت بھی تو پائی جاتی ہے۔ "استاد" کا لفظ سوچتے ہی "استاد نصرت فتح علی خان" یاد آجاتے ہیں یہ الگ بات کہ وہ یادوں میں پورے نہیں آتے، استاد چھوٹے غلام علی خان صاحب کو کون نہیں جانتا؟ استاد بڑے غلام علی خان تو خیر اپنے نام کی طرح بہت بڑے تھے، ویسے ہمارے ایک دوست کے خیال میں استاد درمیانے غلام علی خان بھی ہونے چاہئے تھے تاکہ میانہ روی کے علمبردار لوگوں کی حوصلہ شکنی نہ ہوتی! استاد اور بھی ہوتے ہیں جیسے "استادوں کے استاد" لیکن ایسا استاد بننے کا شرف صرف حضرت سلطان راہی اور جاوید شیخ کو پردہ سیمیں پر حاصل ہو، ورکشاپوں میں بھی استاد ہوتے ہیں۔ ان کے شاگرد جنہیں عرف عام میں چھوٹے کہا جاتا ہے انہیں اپنے استادوں کا سبق کم اور ان کی انگلیاں زیادہ یاد رہتی ہیں اور اگر یہ چھوٹے کوئی استادی دکھائیں تو استاد جی ہوے پولے منہ سے کہتے ہیں ہونہہ استادی استادوں سے ہمارا مقصد ان استادوں کی استادیاں بیان کرنا بالکل بھی نہیں اس لئے ہم تذکرہ انہی استادوں کا کریں گے جن سے ہماری کمر بہت اچھی طرح آشنا ہے، چھوٹے تھے تو یہ کمر کتابوں کا بوجھ اٹھاتی ہے اور اب ان استادوں کے احسانوں کا، ویسے تو ہمارے استادوں کی بہت سی

> یہ الگ بات ہے کہ وہ یادوں میں پورے نہیں آتے
> ایک استاد درمیانے غلام علی خان بھی ہوتے تو کیا حرج تھا
> کوئی پڑھنے آئے نہ آئے فیس وقت پر آنی چاہئے

اقسام ہیں۔ تاہم بے حد احتیاط سے کئے گئے خوردبینی مشاہدے سے اساتذہ کی مندرجہ ذیل قسمیں سامنے آئی ہیں۔

'اف..... تاد'

استادوں کی یہ قسم پہلے بہت عام تھی لیکن اب انسانی حقوق کی بیداری کی وجہ یا تو ان کی تعداد کم ہو گئی ہے یا پھر یہ محتاط ہو گئے ہیں اف۔ تاد انہیں اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ بچارے بچوں کیلئے ہمیشہ افتاد بن کر ہی آتے ہیں اور پھر ان کی مار۔ اف توبہ۔ اکثر لوگوں کا واسطہ کسی نہ کسی افتاد سے ضرور پڑا ہو گا۔ ہمارے بھی ایک افتاد تھے۔ ان کے نظریات ہٹلر سے ملتے جلتے تھے، یہ ڈنڈے کو سب سے بڑا استاد مانتے تھے۔ انہی کے نظریات کو مدنظر رکھتے ہوئے "ڈنڈا پیر" کے عنوان سے فلم بھی بنائی گئی۔

"خوراک پسند استاد"

ان کے خیال میں خوراک انسان کا سب سے بنیادی حق ہوتا ہے، اس لئے یہ اپنی غذا کا خاص خیال رکھتے ہیں، اس کے علاوہ اپنے شاگردوں کی خوراک کا بھی خیال رکھتے ہیں تاکہ ان سے من پسند خوراک حاصل کر سکیں، دیسی گھی تو انہیں بہت زیادہ پسند ہوتا ہے اس سلسلہ میں یہ اپنے "دیہاتی طلباء" سے خاص طور پر رابطہ کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کا نام چھولوں کے ساتھ بھی لیا جاتا ہے! ان کو انکی پسند کی خوراک ملتی رہے تو ان کا نتیجہ 100 فیصد ہوتا ہے چاہے بورڈ کے امتحان میں صفر فیصد ہی رہے یہ بڑے مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ ہمیشہ ایسے ہی رہتے ہیں خوراک وقت پہ اور معیاری ملے تو انگلیوں میں پنسل پھنسا کر اعلیٰ معیار کی خبر دیتے ہیں جو چیخوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

"بہترین استاد"

"بہترین استاد کیسے ہوتے ہیں" دیکھ کر نہیں صرف My best teacher والا مضمون پڑھ کر بتایا جا سکتا ہے، مضمونوں میں ان کا نام اکثر "مسٹر اسلم" ہوتا ہے، شروع شروع میں جب میں نے یہ نام پڑھا تو اپنے سکول میں مسٹر اسلم کو تلاش کرنا شروع کیا مگر بد قسمتی سے مسٹر اسلم نہیں تھے، میں نے شہر کے تمام سکولوں کے اساتذہ کی تفصیلات اکٹھی کیں، خوش قسمتی سے ایک سکول میں مسٹر اسلم مل گئے، مسٹر اسلم نے ثابت کر دیا کہ مضمونوں میں یہ نام صرف آسان Spelling کی وجہ سے طلباء کو رٹایا جاتا ہے، ورنہ مسٹر اسلم میں ایسی خصوصیات ہرگز نہیں ہوتی، ہمارے ایک دوست جو آثار قدیمہ پر تحقیق کر رہے ان کے خیال میں شائد ایسے اساتذہ کا نام ونشان تو ہڑپہ اور موہنجوداڑو کی تہذیبوں میں بھی نہیں مل پایا۔

"جدید استاد"

جدید استادوں کا تصور یورپ سے منسلک ہے، ہمارے ہاں ایسے استاد بہت کم ہیں ان کے خیال میں استاد شاگرد کا باپ نہیں ہوتا بلکہ دوست ہوتا ہے اس کا کام کردار بنانا یا اچھی بات بتانا اپنے کام سے کام رکھنا ان سے علمی بات کم سیاسی۔ فلمی اور سماجی رجحان پر زیادہ معلومات ملتی ہیں۔ ڈاکٹروں کی طرح اوور ٹائم کے قائل ہوتے ہیں۔ پہلے سکول پھر اکیڈمی۔ یہ علم پھیلانے کے قائل ہوتے ہیں مگر پیسے لیکر ہر ماہ گھر بلا کر یا کسی اکیڈمی کا راستہ دکھا کر بظاہر دوست بننے کا حق جتاتے ہیں۔

ان کی بلا سے کوئی پڑھے۔ پاس ہو۔ نہ ہو کوئی پڑھنے آئے نہ آئے۔ فیس وقت پہ آنی چاہئے۔

آج کل ایسے اساتذہ کی کثرت ہے۔ اللہ خیر کرے 2010 تک تک اضافے کی یہی رفتار رہی تو کیا بنے گا۔

صرف تم نے صحیح سبق سنایا ہے مگر تم سب کے ساتھ کان پکڑو ایڈوانس سزا کے طور پر

کارٹونسٹ: سید ارتضیٰ امیر حسن کاظمی

تمہارا شکریہ! ہم ایسے ہی بھلے

شاہ بلیغ الدین

حضرت حاتم ناصم رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ بغداد گئے۔ اللہ والے آدمی تھے۔ ایک دنیا انکی عقیدت مند تھی۔ بغداد والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ہوتے ہوتے خلیفہ وقت کو معلوم ہوا کہ خراسان کا زاہد آیا ہے۔ خلیفہ نے اپنے درباریوں سے کہا..... کوئی صورت ہو مجھے ان سے ملنا ہے! کیا ہی اچھا ہو کہ وہ میرے پاس تشریف لے آئیں

حاتم بن اصم ان بزرگوں میں سے تھے جنہیں دنیا سے بس اتنا رشتہ تھا کہ جی لیتے تھے' کھا پی لیتے تھے' نذر و نیاز بالکل قبول نہ کرتے۔ فرماتے یہ تو ان لوگوں کا کام ہے جو دین کو بیچتے اور دنیاوی عیش و فراغت چاہتے ہیں۔ جاہلوں اور بد عقیدہ لوگوں کو بعض لوگ اللہ والے بن کے گھیرتے ہیں پھر خوب ہاتھ رنگتے ہیں ایسے ہی لوگوں کا ایک بدترین نمونہ زار روس کے دربار میں تھا۔ راسپوٹین اس کا نام تھا دنیا کی ہر برائی میں ملوث یہ شخص اپنے آپ کو راہب اور عیسائی ولی کہتا تھا جس طرح نوشیرواں کے باپ کے دل و دماغ پر مزدک مسلط تھا اسی طرح زار روس کے تمام گھرانے اور نوکر شاہی کو راسپوٹین نے اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔ پینے پلانے میں طاق برائیوں میں سب سے آگے یہ بد نہاد شخص مذہب کے نام پر زار روس کے محل کو جنت ارم بنائے ہوئے تھا جس طرح مزدک نے ماں بہن کی تمیز مٹادی تھی اسی طرح راسپوٹین نے بھی ہر جرم اور ہر ظلم اپنے پر مبہ کر دیا تھا اور یہی تعلیم شہنشاہ اور اس کی ملکہ کو دیتا تھا۔ عیش کوشی' نفس پرستی اور بربریت کی ایسی فضا اس زمانے میں پیدا ہوئی کہ مارکس نے بے اختیار کہا..... مذہب تو ایک افیون ہے' یہ چوٹ اس نے عیسائیت پر کی تھی۔ راسپوٹین کی حرکتوں کو مذہب کا نام دینا بھی ایک زیادتی ہے۔ عیسائیت لاکھ بگڑی ہوئی سہی لیکن اس نے بھی وہ تعلیم نہیں دی جو راسپوٹین کا شیوہ تھا بگڑا مولوی بھی راسپوٹین کی طرح ہے جو مذہب کے جسم میں اپنے خونی پنجے گاڑے اپنے نفس کو خون پلاتا رہتا ہے۔ یہ سب حرکتیں ان کی ہوتی ہیں جنہیں حرام کھانے کا چسکا پڑ جاتا ہے۔ یہ جو بعض مزاروں پر لوگ گڈریاں پہنے چرس اور بھنگ پی کر ہو حق کرتے ہیں یہ نشہ باز مذہب ہی کی آڑ میں اپنے سب کھیل کھیلتے ہیں اور جو جاہل ثواب کی امید میں انہیں مٹھیاں بھر بھر کے دیتے ہیں وہ مٹھیاں بھر بھر کے جہنم کی آگ بھی سمیٹیں گے۔ اسلام کہتا ہے جو اپنی محنت کی کمائی نہیں کھاتا وہ رزق حلال نہیں کھاتا چاہے اس کے استعمال کی چیزیں حلال ہی کیوں نہ ہوں۔ ایک شخص حضرت عاتم اصم کی خدمت میں حاضر ہوا..... بولا حضرت میرے پاس بہت روپیہ ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اور آپ کے طالب علموں کو اس میں سے کچھ دوں! حضرت حاتم نے فرمایا..... میاں تمہارا بہت بہت شکریہ' ہم ایسے ہی بھلے ہیں۔ اس نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا ..... جب تو مر جائے گا تو مجھے کہنا پڑے گا کہ اے آسماں کے روزی دینے والے زمین کا روزی دینے والا مر گیا! اب پھر سے تو روزی دے۔ اس مالدار آدمی نے یہ جواب سن کر بھی اصرار کیا۔ پیسے والے لوگ کسی کو بزرگ یا پہنچا ہوا آدمی سمجھتے ہیں تو اس کی خدمت اخلاص سے نہیں کرتے۔ ان میں سے اکثر کا مقصد یا تو اپنے کاروبار کی ترقی کے لئے تعویز یا وظیفے لینا ہوتا ہے یا سٹے کے نمبر اور ریس کے گھوڑوں کے نام معلوم کرنا ہوتا ہے۔ آخرت کا سودا کرنے یا دین کا علم حاصل کرنے شاید ہی کوئی جاتا ہو۔

حضرت حاتم سے ایک مرتبہ ایک مالدار کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے پوچھا..... پیسہ تو اس نے بہت جمع کر لیا یہ بتاؤ کہ اس نے زندگی کو بھی جمع کیا ہے؟ لوگوں نے پوچھا اس بات سے آگا کیا مطلب ہے؟ فرمایا..... مال مردے کے کیا کام آئے گا؟

دولت آگ کا کھیل ہے سب اس سے ڈرتے ہیں لیکن سب یہ کھیل کھیلتے ہیں۔ اس میں بڑا نشہ ہے اسلام روپیہ کمانے کا مخالف نہیں لیکن کمانے اور خرچ کرنے والوں کے لئے ضابطے اس نے بنائے ہیں۔ آدمی اگر ان پر عمل کرتا ہے تو پھر اس کا انجام خیر ہے۔ اگر ان پر عمل نہیں کرتا تو رشوت لیتا دیتا ہے۔ چور بازاری کرتا ہے' کسٹم ڈیوٹی چراتا ہے جھوٹی دستاویزیں بناتا ہے' کسی حرام ذریعے سے مال کماتا ہے تو وہ دوزخ کے انگارے جمع کرتا ہے جس طرح کمانے کے اصول ہیں اسی طرح اسلام میں خرچ کرنے کے اصول بھی ہیں۔ زکوٰۃ عشر' فطرہ' صدقات' حسن سلوک قربانی حج اگر ان پر عمل نہیں تو دولت پاک نہیں ہوتی۔ اسلام نے دنیا میں زندگی گزارنے کے دو طریقے بتائے ہیں ایک یہ کہ مسافروں کی طرح رہیے کہ پاس کچھ بھی ہو ہی نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سو برس کا سامان جوڑا جائے نعمتوں سے پوری طرح فائدہ اٹھایا جائے لیکن آدمی ہر لحہ موت کے لئے تیار رہے۔ جو موت کے لئے تیار رہے گا۔ پھر وہ قرآن و سنت سے غافل نہ رہے گا۔

حضرت حاتم بن اصم بغداد کے خلیفہ کی دعوت پر اس سے ملنے گئے اس نے گھر سے باہر آکر پیشوائی کی ملاقات ہوئی تو حضرت حاتم بن اصم نے کہا۔ اسلام علیکم یا زاہد! خلیفہ نے کہا حضرت زاہد تو آپ ہیں میرے زیر فرمان تو بہت بڑا ملک ہے۔

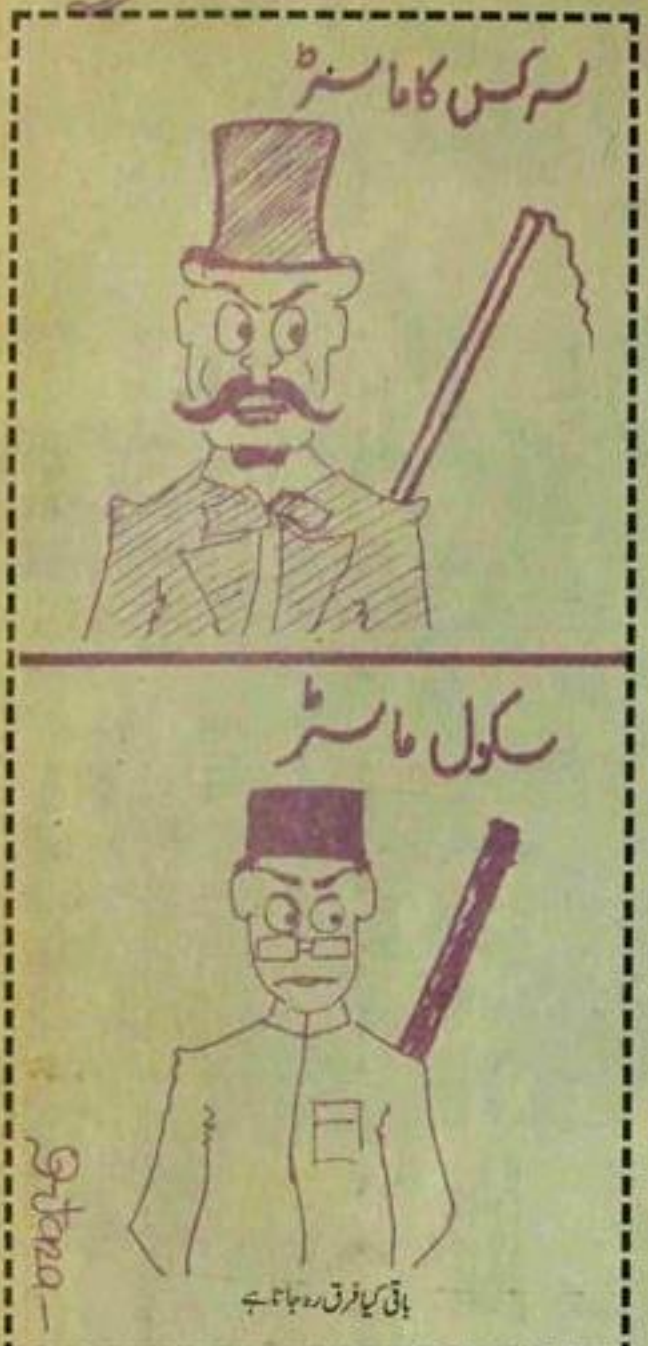

حاتم بن اصم نے فرمایا..... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا کی متاع چاہے کتنی ہی ہو تھوڑی ہوتی ہے۔ اس لئے تجھے متاع قلیل کا مالک سمجھ کر زاہد کہتا ہوں کیونکر تو نے اس دنیا کمانے پر قناعت کر لی ہے؟ خلیفہ حضرت کا مطلب سمجھ گیا اور چپ ہو رہا۔

علماء دو طرح کے ہوتے ہیں..... ایک علمائے حق دوسرے علمائے سو علماء سو پیشہ ور ملائے ہیں وکالت اور تجارت کی طرح جبہ و دستار کی نمائش ان کا پیشہ ہے انہیں میں وہ سجادہ نشین حضرات بھی ہیں جو اپنے عظیم المرتبت بزرگوں کے نام پر بیٹھے ہیں علم و عرفان سے انکا دور کا بھی تعلق نہیں۔ پچاسوں بدعتیں شروع کر کے انہوں نے دین کو بری طرح مسخ کیا ہے۔ ہاں! جو ان میں دیندار ہیں وہ اچھے جانشیں ہیں۔

علمائے حق میں کچھ حضرات نظام الدین اولیات کی طرح ہوتے ہیں سیرت سازی کے لئے مسجدوں اور خانقاہوں کے ہو کر رہ جاتے ہیں اور کچھ یہی کام حضرت سید احمد شہید اور حضرت اسماعیل شہید کی طرح انجام دیتے ہیں۔ اقتدار اور دولت کا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ یہ راہ خدا کے مسافر ہمیشہ مسافر راہ طلب ہی رہتے ہیں۔ حضرت حاتم بن اصم بھی اسی کاروان حق کے ایک راہی تھے خلیفہ وقت سے ملاقات تبلیغ کا ایک بہانہ تھی کوئی اور غرض اس سے وابستہ نہ تھی۔

بقیہ نیا رائٹر

وہ سوچوں کے تانے بانے میں الجھے لان تک پہنچ گئے اپنا کوٹ اتار کر بازو میں ڈالا ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی اور لان میں پڑے بنچ پر بیٹھ گئے۔

"ہاں سر آپ کا میرے ساتھ کیا رشتہ ہے.....؟" کسی نے پھر بھیگے لہجے میں سرگوشی کی۔

آنسوؤں سے لبریز دو بھوری آنکھیں ذہن کے پردے پر واضح ہونے لگیں..... "رامش رضا واقعی میرے ساتھ تمہارا صرف ایک رشتہ ہے بھوری آنکھوں کا..... اور اس کے سوا کوئی رشتہ نہیں بن سکتا" انہوں نے خود کو مطمئن کیا۔ "لیکن کیا بھوری آنکھوں سے محبت کا کوئی رشتہ نہیں بن سکتا" ضمیر نے اچھی طرح گھیرا ڈالا تھا۔

"انکے اندر گوازوں کا ہجوم بڑھتا گیا..... اور اس سے ایک منظر بن گیا جسکے سارے رنگ چبھنے والے تھے تلخ..... اور دل کو زخمی کرنے والے.....

"حماد ملک مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کس بے وقوف نے سائنس پڑھنے کا مشورہ دیا تھا تم انتہائی نالائق سٹوڈنٹس ہو تم کبھی ڈاکٹر نہیں بن سکتے۔ دیکھ لینا ری طرح فیل ہو جاؤ گے" سر شفیق جو اسکے "بیالوجی" کے ٹیچر ہے اسکا ٹیسٹ سامنے رکھے تلخ لہجے میں بول رہے تھے یہ سوچے بغیر کے انکے یہ جملے ایک طالب علم کو مایوسی کی آخری حدوں میں گرا رہے ہیں "دیکھ لینا تم میرا رزلٹ خراب کرو گے بے وقوف"

"سر یہ لڑکا کبھی سائنس نہیں پڑھ سکے گا یہ میرا رزلٹ خراب کرے گا" سر شفیق غصے سے بولے انکا انداز حتمی تھا "لل لیکن..... سر..... وہ میں....." وہ جو اپنے خراب ٹیسٹ کی وجوہات بتانا چاہتا تھا سارے لفظ اندر ہی دم توڑ گئے وہ بتانا چاہتا تھا کہ سر آپ کا نام تو "شفیق" ہے لیکن آپ اتنے "سخت" کیوں ہیں۔ مجھے آپ سے ڈر لگتا ہے حالانکہ باقی مضامین میں اس کی پرفارمنس بہت زبردست تھی۔ لیکن سارے گلے شکوے ویسے کے ویسے ہی رہ گئے۔ اب پرنسپل صاحب اور سر شفیق حماد ملک کے والد صاحب سے اصرار کر رہے تھے کہ اسے "آرٹس" کے شعبے میں بھجوا دیا جائے۔

"لیکن ابو میں ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں" وہ دوبارہ منمنایا چہرے پر ہوائیاں اڑی تھیں۔

"تم کبھی ڈاکٹر بن ہی نہیں سکتے" سر شفیق نے فور لبات کاٹی اور اسے نالائق ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ پھر پرنسپل صاحب اور ڈیڈی کے اصرار پر اسے زبردستی آرٹس کے مضامین لینے پر مجبور کر دیا اور وہ جو شروع سے کم گو تھا اس زیادتی پر ہلکا سا احتجاج کیا لیکن اسکا احتجاج سر شفیق کی تیز آواز کی گونج میں دب گیا۔ "اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اسی لمحے سر شفیق کی بھوری آنکھوں کی فاتحانہ چمک اسکے ذہن کے پردے پر محفوظ رہ گئی۔ جن میں اپنی بات منوا لینے کا رنگ نمایاں تھا..... اس کے بارے ہی خواب بکھر گئے..... وہ جب کتابیں کھولتا تو بھوری آنکھیں استہزائیہ انداز میں اسے دیکھتیں "حماد ملک تم کبھی پڑھ ہی نہیں سکتے" یہ فقرہ زندگی کے ہر موڑ پر انکے ذہن میں گونجتا اور سارا اعتماد بھک کر کے اڑ جاتا اس نے لاکھ کوشش کی کہ اس بات کو غلط ثابت کریں لیکن اس طنزیہ لہجے کی گونج کی نقش مٹ ہی نہ سکے..... پھر جیسے تیسے کر کے انہوں نے آرٹس کے مضامین میں ایم اے کیا اور آج کل ایک انگلش میڈیم سکول میں پڑھا رہے ہے تب سے انہیں "بھوری آنکھوں" سے سخت نفرت ہو گئی تھی کلاس نہم کا وہ "بیالوجی" کا پریڈ لیتے تھے وہ اس مضمون کو بہت اچھے طریقے سے پڑھا کر اپنے "کم مارکس" لینے کے دکھ کی شدت کو کم کرنا چاہتے تھے وہ لاک سخت گیر استاد سہی لیکن ان کی کلاس کا رزلٹ ہمیشہ 100% رہا تھا..... اور اسی کلاس میں "رامش رضا" کی بھوری آنکھیں "دیکھ کر انہیں اپنے ساتھ کی جانے والی "زیادتی" کا احساس ہوتا تھا اور انکی تلخی مزید بڑھ جاتی.....

"رامش رضا پچھلے ایک ہفتے سے غیر حاضر تھا..... وہ چہروں کے ہجوم میں لاشعوری طور پر اسے کھوجتے رہے ایک ہفتے کے بعد وہ انہیں پرنسپل کے آفس کی طرف جاتا نظر آیا تو وہ بے اختیار اسکی طرف لپکے..... دروازے کے باہر ایک مانوس لہجے نے اس کے قدم روم لئے.....

"سر یہ بے وقوف کہتا ہے کہ یہ سائنس نہیں پڑھ سکتا میں اسے ڈاکٹر بنانا چاہتا ہوں لیکن یہ میٹرک میں آرٹس لینے پر بضد ہے میں کہتا ہوں کہ انسان میں حوصلہ اور ہمت ہو تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے"

وہ بے اختیار آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آ گئے..... سامنے سر شفیق کو دیکھ کر ایکدم زمین نے ان کے پاؤں جکڑ لئے لیکن وہ پرنسپل صاحب کی طرف متوجہ تھے ان کے دائیں طرف "رامش رضا" سر جھکائے کھڑا تھا۔ "بھوری آنکھوں کی کہانی انکی سمجھ میں آ گئی تھی..... رامش سر شفیق کا بیٹا تھا کئی سال پہلے کا منظر انکی آنکھوں کے آگے گھوم گیا سب کچھ وہی تھا بس جگہیں اور دو چہرے بدل گئے تھے۔

"آیئے حماد ملک"..... بھئی شفیق صاحب یہ آپ کے صاحبزادے کے "بیالوجی" کے ٹیچر ہیں" پرنسپل صاحب نے انہیں دیکھتے ہی تعارف کروایا تو سر شفیق نے سرسری انداز میں انہیں دیکھا..... پھر ایک دم ٹھٹھک گئے..... دوبارہ دیکھا ..... "بیٹا لگتا ہے کہ آپ کو کہیں دیکھا ہے" انکے لہجے میں گہرا کھوج اور آنکھوں میں الجھن تھی۔

"جی سر میں نے "ایف ایس سی" میں آپ سے بیالوجی پڑھی تھی" انہوں نے یاد دلایا۔

"اچھا اچھا..... بھئی بیٹا مجھے تو یاد نہیں ہزاروں سٹوڈنٹس کو پڑھا چاہوں ساری زندگی یہی کام کیا ہے بس آپ ذرا اس بے وقوف کو سمجھائیں پچھلے ایک ہفتے سے ضد کر رہا ہے کہ سکول نہیں جائے گا۔

"سر..... ہم..... میں ڈاکٹر نہیں بن سکتا..... مجھے بیالوجی مشکل لگتی ہے"..... وہ اٹک اٹک کر بولا اسکے لہجے میں گھبراہٹ اور ڈر کا عنصر واضح تھا جبکہ بھوری آنکھوں میں التجا، مایوسی اور خوف کے رنگ نمایاں تھے..... حماد ملک کے ذہن میں تحسر اڑاتی بھوری آنکھوں میں جذبوں کا رنگ بدل رہا تھا اور وہاں مایوس آنکھیں واضح ہو رہی تھیں۔

"بیٹا آپ ڈاکٹر بن سکتے ہیں انسان ہمت اور حوصلہ کرے تو پہاڑی بھی اسکے سامنے "ذرہ" بن جاتا ہے آپ کو ڈاکٹر بننا ہے کیونکہ مجھے بھی بہت شوق تھا" جانے یہ لفظ کیسے انکے منہ سے پھسلے وہ انہیں اپنی گرفت میں لینا چاہتے تھے مگر وہ ریت کی طرح پھسلتے گئے..... حالانکہ وہ ان سے کہنا چاہتے تھے کہ "سر ان لمحوں کی اذیت کو آپ بھی چکھیں جن سے میں گذرا تھا اور جس کی وجہ سے تلخی میرے وجود میں خون کے ساتھ رگوں میں دوڑ رہی تھی"۔

"لیکن..... حماد ملک کیا تم "رامش رضا" کو ایک اور حماد بناؤ گے پھر انتقام کا سلسلہ جاری رہے گا" کوئی ان کے اندر چیخا "نہیں..... ایک اور حماد ملک نہیں بننا چاہئے..... میں سر شفیق کیسے بن گیا.....؟" وہ اپنے آپ سے مخاطب ہوئے۔

"کمرے میں موجود تینوں لوگوں نے انہیں چونک کر الجھن بھری نظروں سے دیکھا....."

"نہیں سر..... رامش رضا ڈاکٹر بنے گا" انہوں نے آگے بڑھ کر رامش کو بازوؤں کے گھیرے میں لیا اور محبت سے بولے "سر رامش بیالوجی پڑھے گا..... اس لئے کہ اس کی کہانی کا رائٹر "شفیق رضا" نہیں "حماد ملک" ہے جو استاد کو "جگنو" کہتا ہے اور جگنو تو راستہ دیکھاتے ہیں....." سر شفیق، رامش رضا، اور پرنسپل صاحب پر عزم لہجے میں بولتے حماد ملک کی کہانی کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

اساتذہ کی خدمت

حضرت حماد بن سلمہؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے استاد محترم تھے ان کی ہمشیرہ عائشہ بنت سلمہ فرماتی ہیں، کہ امام ابو حنیفہؒ ہمارے گھر کی روٹی وغیرہ لیتے تھے، اور ہمارا دودھ ترکاری خرید کر لاتے تھے اور اس طرح کے بہت سے کام کیا کرتے تھے کیا اس وقت سمجھ سکتا تھا کہ حضرت حماد بن سلمہؒ کا یہ شاگرد ایک دن وقت کا بہت بڑا عالم محدث اور امام بنے گا حضرت حماد بن سلمہؒ کے گھر کا خادم تمام عالم اسلام کا مخدوم بن گیا۔ شبیر احمد آصف گڑھ فتح شاہ

وعدہ

حمید اللہ مغل

اس کی پشت ڈار صاحب کی طرف تھی۔ مگر اس کے لمبے لمبے کھردرے بالوں کی وجہ سے ڈار صاحب نے اسے پہچان لیا تھا۔ ڈار صاحب نے دروازہ کھولا اور باہر آ گئے۔ "جبرو..... جبرو....." ڈار صاحب نے دو تین آوازیں دیں مگر جیسے اس نے آواز سنی ہی نہیں۔ ڈار صاحب آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگے سٹریٹ لائٹ کی روشنی میں پانی سے چمکتی ہوئی سڑک دور تک چلی گئی تھی۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا گلیوں میں چکر لگانے والے چوکیدار بھی شدید بارش کی وجہ سے اپنے حجروں میں مقید ہو کر رہ گئے تھے۔ ایک خاموش چیخ تھی جو گلیوں میں سنسناتی پھر رہی تھی۔ اک بے نام آسیب تھا جو گلیوں میں دندناتا پھر رہا تھا۔

ڈار صاحب نے پیچھے سے جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "جبرو..... کیا بات ہے تم....." ڈار صاحب کا فقرہ ادھورہ رہ گیا۔ جبرو کا الٹے ہاتھ کا طوفانی تھپڑ ڈار صاحب کے گال پر پڑا تو وہ قلابازی کھاتے ہوئے منہ کے بل پانی میں گرے۔ ڈار صاحب کے سامنے زمین و آسمان گھوم گئے۔ جونہی ڈار صاحب کا دھیان اس کے چہرے کی طرف گیا وہ دنگ رہ گئے۔ ایسی خوفناک صورتیں وہ پہلے بھی دیکھ چکے تھے۔ بیس سال پہلے سیر کے خوفناک جنگل میں ریسٹ ہاؤس کے تین ملازمین کی شکلیں ڈار صاحب نے اس حالت میں دیکھیں تھیں۔ دوسری مرتبہ اپنے جگر کے ٹکڑوں اسلم اور کرموں کی شکلوں میں وہ ایسا خوفناک تاثر دیکھ چکے تھے۔ "آخر ہم نے تمہیں ڈھونڈ ہی نکالا ہم نے تجھے کہا تھا نا کہ ہم واپس آئیں گے..... اور پھر تم جب تک زندہ رہو گے ہم سے پناہ مانگتے رہو گے۔ اب تم جدھر جاؤ گے ہم تمہارا پیچھا کریں گے۔ اب تم ہم سے بچ نہیں سکو گے" جبرو کے حلق سے غیر مرئی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ وہ یقیناً ڈار صاحب کی دشمن ماورائی قوتیں ہی تھیں جنہوں نے جبرو کے جسم میں حلول کیا تھا۔ ڈار صاحب کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں دل و دماغ میں ایک جنگ سی چھڑ گئی تھی۔ یکدم جبرو خوفناک انداز میں آگے بڑھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ڈار صاحب پر جھپٹتا ڈار صاحب نے اس کے سینے پر ٹانگ رسید کی وہ اچھل کر پشت کے بل گرا۔ اسی لمحے ڈار صاحب نے گھر کی مخالف سمت دوڑ لگا دی۔ وحشت نے جبرو کے نقوش بگاڑ دیئے تھے اور وہ اندھا دھند ڈار صاحب کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ ڈار صاحب جب گھر سے کافی دور آگئے تو وہ ایک درخت کی اوٹ میں ہو گئے۔ جونہی جبرو بھاگتا ہوا درخت کے پاس پہنچا ڈار صاحب بلا کی پھرتی سے اس پر جھپٹ پڑے اس کی گردن پر ڈار صاحب نے ایک مخصوص ضرب لگائی جس سے وہ بے ہوش ہو گیا۔ بارش زوروں پہ جاری تھی ڈار صاحب نے سرپٹ گھر کی طرف دوڑ لگا دی۔ ڈار صاحب تیزی سے گھر میں داخل ہوئے دروازہ اندر سے بند کیا اپنے کمرے میں جا کر اپنا بیگ پکڑا اور باہر کی طرف بڑھتے ہوئے یکدم ان کے قدم

رک گئے..... اچانک جو فیصلہ انہوں نے کیا تھا وہ بے حد تلخ تھا ان کا دل جیسے سینے میں پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ وہ اس گھر کو چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جا رہے تھے وہ ان لوگوں سے پیار کرتے وقت یہ بھول بیٹھے تھے کہ وہ بھٹکے ہوئے اک مسافر ہیں اپنے پیچھے وحشت ناک قباحتیں لئے پھر رہے ہیں۔ وہ یہاں رک کر ان لوگوں کو کھونا نہیں چاہتے تھے جو انہیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو چکے تھے وہ پہلے انجانے میں اپنی بیوی بیٹی کھو چکے تھے۔ مگر سب کچھ جانتے ہوئے ان پیارے لوگوں کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔ اسی لئے وہ قدم اٹھا رہے تھے جو ان کے کلیجے کو پھاڑتا چلا جا رہا تھا۔

آج انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ان کے نادیدہ دشمن پھر ان کے ارد گرد موجود ہیں یہ بے رحم دشمن اس چھوٹے سے آشیانے کو خاکستر کر سکتے تھے جہاں سے انہیں یادگار محبتیں اور راحتیں ملی تھیں وہ ان لوگوں سے جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے مگر ان پیاروں کی زندگی کی خاطر وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے انہوں نے اپنے سینے پر پتھر رکھ لیا تھا اور اس سفر پر جانے کے لئے تیار ہو گئے تھے جو موت کا سفر بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ شیراز کے کمرے میں چپکے سے داخل ہوئے پیشانی پر بوسہ دیا اور باہر آکر رفیق سہگل صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے کتنے ہی لمحے ان کے ہاتھوں کو چومتے رہے جیسے آخری بار ان ہاتھوں کا لمس محسوس کر رہے ہوں۔ اک بے نام سی خاموشی کہہ رہی تھی دیکھ لو یہ چہرہ پھر تمہیں کبھی نظر نہیں آئے گا۔ آخر میں بچوں کو پیار کیا اور پھر نایاب کی پیشانی چومتے ہوئے وہ خوب روئے "بیٹا! مجھے معاف کر دینا جتنا پیار تم نے مجھے دیا میں اتنا پیار تمہیں نہ دے سکا میں..... میں بہت احسان فراموش ہوں تمہیں چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جا رہا ہوں۔ مگر..... مگر بیٹا! میں کیا کروں اتنا بھی اول نہیں ہے مجھ میں کہ تم لوگوں کو نشانہ بنتا ہوا دیکھ سکوں، میں تمہیں کیسے بتاؤں میری بچی کہ میں کن حالات کا شکار ہوں۔ وہ کون سے آسیبی سائے ہیں جو ہر جگہ میرا تعاقب کرتے ہیں میں اپنی پراسرار آگ میں تمہیں جلانا نہیں چاہتا اسی لئے تم سے دور جا رہا ہوں..... مگر..... مگر ایک "وعدہ" تم سے ضرور کرتا ہوں اگر قسمت سے بچ گیا تو لوٹ کر آؤں گا ورنہ اس بدنصیب کو معاف کر دینا میر بیٹا..... معاف کر دینا....." ڈار صاحب نے باہر جانے کے لئے دروازہ کھولا یکدم چلتے چلتے پاؤں رک گئے ڈار صاحب پلٹ کر واپس گئے نایاب کے سر پر الوداعی بوسہ دیا اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ ایک لمحے تو یوں لگا جیسے ڈار صاحب چیختے ہوئے واپس بھاگ پڑیں گے اپنے پیاروں کی طرف..... مگر نہیں ایسا کچھ نہیں ہوا آخر انہوں نے وہ قدم بڑھا ہی لیا جو انہیں اپنے پیاروں سے کوسوں میل دور لے جا رہا تھا..... ہاں وہ اس سمت چل پڑے تھے جہاں آگ اور خون کے دریا سے گزر ہونا تھا وہ چترال کی طرف چل پڑے تھے وہ جوں جوں چترال کی طرف بڑھ رہے تھے پچھتاوا انتقام بن کر وجود میں اترتا جا رہا تھا۔ دن بارہ بجے تک وہ مردان پہنچ چکے تھے جس غم کا بوجھ ڈار صاحب کے سینے پر پڑا تھا وہ ان کی برداشت سے بہت..... بہت بھاری تھا مگر وہ اس بوجھ کو اٹھانے پر مجبور تھے۔ انہوں نے اپنے پیاروں کی زندگی بچانے کے لئے اپنے دل کے سو ٹکڑے کر لئے تھے مگر وہ یہ بھول بیٹھے تھے کہ وہ ان کو بھی ماہی بے آب کی طرح تڑپتا چھوڑ آئے ہیں۔

"انکل! مجھے معاف کر دیں میں ایسے ہی دیوانی ہو جاتی ہوں..... مگر پلیز ہم سے دور..... ہونے کی کوشش کبھی نہ کرنا" ڈار صاحب کو نایاب کے یہ الفاظ یاد آئے تو کلیجہ کٹ کے رہ گیا آہ..... کتنا درد کتنی التجا تھی ان الفاظ میں..... کتنا سوز تھا اس چھوٹی سی بات میں..... وہ کوئی خط کوئی چیز بھی تو نہیں چھوڑ کر آئے تھے نا ہی انہیں کچھ بتا کر آئے تھے کہ وہ ان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور ہو رہے ہیں اس لئے کہ وہ ڈرتے تھے کہ غیر مرئی طاقتیں انہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں دشمنی ان کی ڈار صاحب سے تھی اور ڈار صاحب اب مردان کے اک خستہ حال ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے اب وہ تنہا تھے اب ہر مصیبت سے ٹکرا سکتے تھے۔

آتش تھی اک بارود تھا جو ڈار صاحب کے سینے میں ہولے ہولے دھک رہا تھا وہ جانتے تھے مقابلے کا وقت آگیا ہے ان کی زندگی کا بس ایک ہی مقصد رہ گیا تھا وہی مقصد جس کا رستہ بزرگ ہستی نے بیس سال پہلے دیکھایا تھا مگر اس طرف جانے سے قطعاً منع کر دیا تھا کیونکہ وہ بہت خطرناک رستہ تھا مگر اب ڈار صاحب کو اس رستے پر چلنا تھا۔ دنیا کی کوئی طاقت ان کا رستہ نہیں روک سکتی تھی رات کے آٹھ بج رہے تھے جب وہ "دیر" نامی جگہ پر پہنچ گئے تھے۔ "خوچہ گاڑی اس سے آگے نہیں جائے گا" "کیوں نہیں جائے گا" ڈار صاحب ڈرائیور سے بولے

"لواری ٹاپ پر بہت برف پڑا ہوا ہے۔ رستہ آگے سے بند ہے تم چترال جانا چاہتا ہے تو صبح ادھر سے پیدل چلے جاؤ بہت سا لوگ روزانہ پیدل اس پہاڑ کے اس پار جاتا ہے"

ڈرائیور سامنے کھڑے برف پوش پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ بلند پہاڑ سے برفانی ہوا کا لطیف جھونکا ڈار صاحب کے منہ سے ٹکرایا تو آنکھیں ڈبڈا گئیں بچپن میں ماں جب ڈار صاحب کے منہ پر پیار سے بوسہ دیا کرتی تھی تو ڈار صاحب کو ایسا ہی خوشگوار احساس ہوا کرتا تھا اور آنکھیں بھیگ جایا کرتی تھیں۔ آنکھیں آج بھی بھیگی ہوئی تھیں مگر ان آنسوؤں کو صاف کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ رات ڈار صاحب نے بوجھ کرب میں گزاری مگر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا سطح سمندر سے ساڑھے گیارہ ہزار فٹ بلند لواری ٹاپ کا سفر ڈار صاحب کے لئے بہت کٹھن ثابت ہوا۔ وہ برفانی ہواؤں اور برفیلے رستوں سے لڑتے ہوئے شام ڈھلنے سے پہلے ہی درونش نامی جگہ پر پہنچ گئے چترال وہاں سے ستر میل کے فاصلے پر تھا۔ ستر میل جیسے ستر سال کی مسافت پر تھے۔ ڈار صاحب کی دشمن برائی قوتیں کسی وقت بھی نازل ہو سکتی تھیں محبت اور خون کے سارے رشتے ڈار صاحب سے جدا ہو چکے تھے۔ اگر کوئی ساتھ تھا تو انتقام اور غیض و غضب تھا..... وہ جب جب نایاب اور اس کے گھرانے کے بارے میں سوچتے دل میں خنجر سے چل جاتے۔ اور معصوم سنبل، کتنی خوش تھی وہ اسلام آباد آنے کی خبر پر..... کتنی تیاری کتنا انتظار کیا ہو گا اس نے اسلام آباد آنے کا اور جب وہاں پہنچی ہو گی..... بس اس سے آگے ڈار صاحب کا ذہن ماؤف ہونے لگا کتنے کرب میں ہوں گے وہ لوگ..... ڈار صاحب بار بار سوچ رہے تھے۔ ڈار صاحب چترال جانے والی ایک خستہ حال بس میں سوار ہو گئے بس پر سوار ہوتے ہوئے انہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ میدان جنگ میں جانے کے لئے گھوڑے کی رکاب پر پاؤں رکھ رہے ہیں۔ بس میں کوئی سیٹ خالی نہیں تھی کنڈیکٹر نے ڈار صاحب کو ایک چھوٹے سے سٹول پر بٹھا دیا۔ سٹول کے ساتھ والی نشست پر ٹوپی والا برقعہ پہنے کوئی عورت بیٹھی تھی۔ اگلی نشست پر سترہ اٹھارہ سالہ خوبرو لڑکا بیٹھا تھا دیکھنے والا پہچان نہیں سکتا تھا کہ وہ انگریز ہے کہ پاکستانی تیکھے نقوش اور سفید چٹا رنگ وہ کن انکھیوں سے ڈار صاحب کے ساتھ بیٹھی برقعہ پوش خاتون کو بار بار دیکھ رہا تھا۔

بس میں سب بلتستانی لوگ سوار تھے بس وہ خوبرو لڑکا ہی بلتستانی نہیں لگ رہا تھا۔ حالانکہ اس کے کپڑے مقامی لوگوں جیسے تھے بس کو چلتے ہوئے ایک گھنٹہ ہو گیا تھا ہر سو اندھیرا تھا ہر سو سناٹا تھا کہیں کہیں برفیلے پانی کے بہتے جھرنوں کی آواز خاموشی کو توڑتی تھی کبھی کبھی دور نیچے کسی گھنے جنگل سے گیدڑ کی خوفناک آواز ابھرتی تھی بس جس رستے سے گزر رہی تھی وہ بالکل ویران اور بے آباد تھا۔ یکدم گیدڑوں کے چلانے کی آواز تیز اور خوفناک ہو گئی ڈار صاحب کے ساتھ بیٹھی برقعہ پوش خاتون لرز گئی۔ "پلیز آپ یہاں آجائیں گے" خوبرو لڑکے نے ڈار صاحب کے پاس سرگوشی کی۔ ڈار صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا اور اٹھ کر اس کی سیٹ پر چلے گئے۔ وہ ڈار صاحب والے اسٹول پر آبیٹھا۔ ڈار صاحب نے دیکھا کہ لڑکے نے مضبوطی سے خاتون کا ہاتھ تھام لیا۔ ڈار صاحب ماضی سے الجھتے اور مستقبل کے بارے میں سوچتے ہوئے نیند میں چلے گئے وہ بہت تھکے ہوئے تھے بس ویران راستوں میں آگے بڑھتی رہی۔

ڈار صاحب کی آنکھ لگے ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی انہیں غنودگی میں ایسے لگا جیسے بس رک گئی ہے اور بس کی باڈی باہر سے پھٹی جا رہی ہے یکدم دھماکہ ہوا اور بس کا درمیانی دروازہ کھل گیا چیخ و پکار بلند ہوئی ڈار صاحب بھی افراتفری میں آنکھیں کھول چکے تھے ڈار صاحب نے ایک عجیب منظر دیکھا بس میں تین عدد بھاری بھرکم اسلحہ بردار داخل ہوئے تھے۔ تینوں کی مونچھیں بڑی بڑی اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے چہرے دیکھتے ہی لگتا تھا وہ غیر معمولی قسم کے خطرناک لوگ ہیں تینوں کے ہاتھ میں روسی کلاشنکوف تھیں آتے ساتھ ہی انہوں نے خوبرو نوجوان کے سر پر دستے کا ایک مسلک وار کیا وہ

غش کھا کر بس کے فرش پر جا پڑا..... "بھیا..... "مار ڈالا تم لوگوں نے میرے بھیا کو مار ڈالا..... وہ نوجوان پر جھکی خون آلود سر کو اپنی جھولی میں رکھ رہی تھی "بھیا..... بھیا..... اٹھو..... بھیا..... آنکھیں کھولو بھیا" وہ دیوانہ وار چیخ رہی تھی اس کے ہونٹ پلکیں جسم سب کچھ لرز رہا تھا۔ ایک اسلحہ بردار آگے بڑھا اس نے لڑکی کا بازو پکڑا اور باہر کی طرف کھینچا "چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو مجھے میں کہتی ہوں چھوڑ دو مجھے"

"پلیز..... پلیز کوئی تو ہماری مدد کرو" اس کے لہجے میں دردناک التجائیں تھیں۔ "کوئی تمہاری مدد کے لئے نہیں اٹھے گا۔ لڑکی تمہیں پتا ہے یہ ساگھا کا علاقہ ہے ساگھا کا" ساگھا کا نام ڈار صاحب کے ذہن پر بجلی بن کر گرا ڈار کی معلومات کے مطابق ساگھا کالی گینگ کا سرغنہ تھا کالی گینگ جس کے نام سے پولیس بھی تھر تھر کانپتی تھی کالی گینگ جس کے لئے کسی انسان کو مارنا کسی مکھی کو مارنے سے زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔

اب وہ معصوم دوشیزہ خطرناک قاتلوں کے چنگل میں تھی۔ وہ خطرناک لوگ ساگھا کے چھوڑے ہوئے خونخوار کتے تھے۔ ڈار صاحب کسی سہ کی طرح اپنی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ ایک کرخت شکل ڈشکرا اس نازک لڑکی کو بازو سے پکڑ کر کھینچ رہا تھا لڑکی نے دوسرے ہاتھ سے مضبوطی کے ساتھ آہنی راڈ کو پکڑ رکھا تھا۔ جیسے اس کے جاؤ کا واحد سہارا وہی ہو۔ آخر کار اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور پھر ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوٹ گیا کرخت شکل شخص لڑکی کو گھسیٹتا ہوا باہر کی طرف کھینچنے لگا وہ بری طرح ہاتھ پاؤں چلا رہی تھی۔ آخری کوشش کے طور پر اس نے ڈار کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور ڈار کی شرٹ کا کالر اس کے ہاتھ میں آگیا۔ اس نے پوری قوت سے کالر کو پکڑ لیا تھوڑا زور پڑا تو ڈار کی شرٹ گریبان سے پھٹتی چلی گئی لڑکی کا دھیان جونہی ڈار کے سینے پر لکھے ہوئے لفظ پر گیا اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک نمودار ہوئی ڈار کے سینے پہ جلی حروف میں ڈار لکھا ہوا تھا۔ "آ..... آپ کا نام ڈار ہے....." لڑکی ہکلاتے ہوئے بولی "ہاں میرا نام ڈار ہے" "تو..... تو اس کا مطلب ہے سائیں بلا نے ٹھیک کہا تھا اس نے خود کلامی کی ڈار شش و پنج میں مبتلا تھا انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ لڑکی انہیں کس حوالے سے جانتی ہے یہ سائیں بلا کون ہے؟ خیر یہ تو بعد کی باتیں تھیں اس وقت وہ بڑی خوفناک صورت حال سے دوچار تھے وہ لڑکی تین درندوں کے گھیرے میں تھی اس کا بھائی خون میں لت پت بس کے فرش پر پڑا تھا۔ اور ڈار کو ان کے لئے کچھ کرنا تھا۔ مگر ڈار اکیلے تھے نہتے تھے ادھر تین تھے اور مسلح تھے۔ کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کیا کیا جائے۔ اتنے میں ایک مسلح آدمی نے کلاشنکوف سے ڈار کو ٹھوکا دیا "اٹھ تو بھی پہلوان..... تو تو مفت میں ہی مارا گیا، اس نے ہلکا سا قہقہہ مارا۔ ڈار خاموشی سے کھڑے ہو گئے وہ دونوں کو دھکیلتے ہوئے بس سے باہر لے آئے۔ دو مسلح غنڈے بے نیازی سے کلاشنکوفیں تھامے باہر کھڑے ہو گئے۔ جبکہ ایک غنڈہ کندھے پہ گن لٹکائے بس کے اندر گیا اور زخمی نوجوان کو کندھے پر لادے ہوئے باہر آگیا ڈار کا ذہن بالکل مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک تو لڑکی کو ان کے چنگل سے لیکر بھاگنا بہت مشکل نظر آرہا تھا اور اگر وہ اس کوشش میں کامیاب ہو بھی جائے تو کیا لڑکی اپنے بھائی کو اس حالت میں چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے ان کے ساتھ بھاگ سکتی تھی۔ ذہن میں کھلبلی مچی ہوئی تھی کہ اچانک ڈار نے ایک عجیب منظر دیکھا اور انہیں خواب کا سا گمان ہوا وہ بالکل کوئی فلمی سا سین تھا کندھے پر جھولتے ہوئے زخمی نوجوان کے جسم میں ہلکی سی حرکت پیدا ہوئی پھر بجلی کی سی پھرتی سے زخمی نوجوان کلاشنکوف بردار کی گردن کو بازو کے مضبوط حصار میں لیتا ہوا سیدھا کھڑا ہو گیا اور گھٹنے کی بھرپور دو ضربیں اس کے پیٹ میں رسید کیں اور پھر ہوا میں اچھلتے ہوئے دائیں ٹانگ کا بھرپور وار اس کی گردن پہ کیا وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین بوس ہو گیا۔ اتنے میں ایک کلاشنکوف بردار نوجوان کی طرف عقبی طرف سے بڑھ چکا تھا اور کلاشنکوف سیدھی کر چکا تھا مگر وہ اس چیز سے لاعلم تھا کہ وہ ایک بجلی سے ٹکرانے کی حماقت کر چکا ہے نوجوان کی زوردار بیک کک اس زور سے اس کے پیٹ پہ پڑی کہ وہ باقاعدہ دو تین فٹ تک اچھلتا ہوا زمین پر سر کے بل گرا کلاشنکوف چھوٹ کر دور جا گری ان کا تیسرا ساتھی یہ منظر دیکھ کر خونخوار انداز میں آگے بڑھا وہ ڈار کو جیسے یکسر نظر انداز کر چکا تھا اسے یوں لگا جیسے اچانک کوئی توپ کا گولا اس کے پیٹ سے آر پار ہو گیا ہے۔ ڈار کے بائیں ہاتھ کا آہنی مکا اپنا کام دکھا چکا تھا وہ مکا بہت شدید نہیں تھا بس مدمقابل کو بے ہوش کرنے کے لئے کافی تھا۔ یہ سب کچھ ہونے میں پندرہ بیس سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے نوجوان کا ماتھا خون سے رنگین ہو رہا تھا۔ لڑکی نے دوپٹے کے پلو سے بھائی کا چہرہ صاف کیا ابھی تینوں کی آپس میں کوئی بات بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اچانک دور سے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی پھر زوردار آواز سے کسی نے انہیں للکارا۔ بہ زبان خاموشی جیسے تینوں ایک دوسرے کو اپنا رفیق مان چکے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور تیزی سے بس کی عقبی طرف ہو گئے اتنے میں فائرنگ شروع ہو چکی تھی گھوڑ سوار سات آٹھ سے ہرگز کم نہیں تھے۔ گولیاں ٹھک ٹھک کی آواز سے بس کی باڈی میں پیوست ہوتی جا رہی تھیں بس میں سوار لوگوں کی چیخ و پکار اور شیشے ٹوٹنے کے چھناکے خوفناک منظر پیش کر رہے تھے۔ بس کی دوسری طرف جدھر تینوں کھڑے تھے گہری کھائی تھی۔

موت ان سے تین فٹ کے فاصلے سے تانڈو تو ڑ برس رہی تھی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں جیسے اشارے ہوئے تینوں نے ایک دوسرے کے مضبوطی سے ہاتھ تھام کر ڈھلوان سے لڑھکنا شروع کر دیا شانہیں ان کے جسموں کو خراش خراش کر رہی تھیں۔ پتھر ان کے پیروں کو زخمی کر رہے تھے مگر وہ اندھا دھند لڑھکتے اور بھاگتے جا رہے تھے۔ چند سیکنڈ بعد ان کے آس پاس سائیں سائیں کی آوازوں کے ساتھ شعلے سے لپکنے لگے موت گولیوں کی صورت میں سسکاریاں بھرتی ہوئی ان کے ارد گرد رقص کر رہی تھی اسی لمحے تیزی سے بھاگتے ہوئے لڑکے کا ہاتھ چھوٹ گیا اور وہ دونوں سے بچھڑ گیا لڑکی کی دردناک آواز ابھری "بھیا....." "پنکی..... میری فکر مت کرو اپنی جان بچاؤ ..... مجھے کچھ نہیں ہو گا....." بس پچیس گز دور سے لڑکے کی آواز ابھری گولیاں مسلسل چل رہی تھیں ان کا تعاقب کیا جا رہا تھا رائفل بردار ان سے تھوڑے سے فاصلے سے ہی پیچھے بھاگے آرہے تھے۔ زندگی کی محبت بھی کیا چیز ہے انسان سے کیا کچھ نہیں کرواتی زندگی خوفناک اور اندھیرا جنگل عام حالت میں وہ لوگ وہاں پاؤں رکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے مگر زندگی کی محبت اور موت کا خوف انہیں تاریک اور مہیب جنگلات میں بھاگنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اور وہ دونوں مضبوطی سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ڈھلوانوں پر بھاگے چلے جا رہے تھے ان کے قدم جیسے خلاؤں میں پڑ رہے تھے ان کے دل جیسے کینٹیوں میں دھڑک رہے تھے ایک جگہ پاؤں پھسلا اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے وہ سینکڑوں فٹ تک نیچے لڑھکتے چلے گئے۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ جنگل کے اس حصے میں ڈھلوانی گار تھی گار سے ہی پنکی کا پاؤں پھسلا تھا اور پھر دونوں گار میں لڑھکتے چلے گئے تھے گار میں پڑے سنگریزوں نے دونوں کے جسموں کو چھلنی کر دیا تھا مگر ایک فائدہ ہوا تھا وہ دشمن کی رینج سے دور نکل آئے تھے دونوں کے جسم کیچڑ سے لتھڑ گئے تھے دونوں بری طرح ہانپ رہے تھے۔ ڈار سردی کی وجہ سے کانپ رہے تھے انہوں نے کٹی پھٹی شرٹ سے بمشکل خود کو ڈھانپ رکھا تھا۔

"ڈار آپ کی زندگی کو سخت خطرہ ہے" پنکی خلاف توقع اچانک بولی "بدی کی ماورائی طاقتیں آپ کے خلاف اکٹھی ہو رہی ہیں آپ اگر گرم چشمہ پہنچ کر "شاہ بلا" (بزرگ ہستی کا نام) کی کٹیا میں داخل ہونے کی کوشش کرتے تو جل کر بھسم ہو جاتے۔ ڈار دنگ رہ گئے وہ لڑکی ان کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی اور انہیں خبردار کر رہی تھی کہ بدی کی قوتیں ان کے خلاف اکٹھی ہو رہی تھیں۔ اس کی باتیں اس کی وضع قطع سے بالکل میل نہیں کھاتی تھیں "شاہ بلا اپنی کٹیا میں موجود نہیں وہ شگر کے پہاڑوں میں کوئی چلہ کاٹنے کی غرض سے گئے ہوئے ہیں ان کی غیر موجودگی میں بدی کی طاقتوں نے ان کی کٹیا کے ارد گرد ایک حصار قائم کر دیا ہے اگر آپ وہاں داخل ہونے کی کوشش کرتے تو سخت نقصان اٹھاتے۔ پنکی ہانپتے ہوئے بولی۔ پنکی کی گفتگو نے ڈار کی دھڑکنوں میں ہلچل مچا دی تھی انہیں کسی انجانے خطرے کی بو محسوس ہونے لگی پنکی بھائی کے بارے میں سخت پریشان تھی ڈار کو اس پر ترس آنے لگا اس کی ایسی حالت یقیناً ڈار کی وجہ سے ہی ہوئی تھی "پنکی..... فکر مت کرو تمہارا بھائی یقیناً خیریت سے ہو گا"

والدین سے براہ راست مشاورت اور رہنمائی کیلئے
پھول پیرنٹس کونسل
افتتاحی اجلاس 11 جولائی 99 پی سی ایچ ایس مون پبلک سکول راوی روڈ لاہور

پھول ایک قدم اور آگے

پھول پیرنٹس کونسل کا قیام

والدین سے براہ راست مشاورت اور راہنمائی

اہتمام۔ محمد اعظم بیگ۔ رپورٹ تسلیم کوثر

خصوصی تعاون۔ مون پبلک سکول راوی روڈ لاہور

پھول نے اپنی نت نئی روایات قائم کرنے میں ایک قدم اور آگے بڑھادیا ہے اور یہ ہے پھول پیرنٹس کونسل کا قیام۔ تاکہ والدین سے براہ راست مشاورت کی۔ اور رہنمائی لی جائے۔ ورنہ تو ان کو صرف گھر تک ہی محدود کر دیا گیا تھا۔ 11 جولائی کو لاہور کے پرل کانٹی نینٹل ہوٹل میں اس کونسل کا افتتاحی اجلاس منعقد ہوا۔ یہ نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر کے بچوں کے میگزینوں کی طرف سے اس سلسلے میں پہلا قدم اٹھایا گیا ہے۔

اغراض و مقاصد

☆..... پھول میگزین میں شائع ہونے والے میٹر کی بہتری' افادیت اور اثرات کا جائزہ ☆..... پھول کلب پاکستان اور پھول کہانی گھر کی سرگرمیوں کے لئے سالانہ ترجیحات کے لئے مشاورت ☆ دنیا بھر میں بچوں پہ ہونے والے کام کا جائزہ' ملکی حوالوں اور ملی ضرورتوں کے لئے اس سے استفادے کی صورتوں کا تعین ☆..... پھول بچوں کی حقیقی ضرورتوں پر غور اور ان کے لئے قابل عمل روستوں کی فراہمی ملک بھر میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا اور منفرد تجربہ ہے کہ جس میں قارئین کے والدین کو براہ راست مشاورت کے لئے شامل کیا جارہا ہے تاکہ ان کی زندگی کے قیمتی تجربات اور مشاہدات سے پھول کو مزید سنوارا جا سکے۔ یہ کوشش اس خواہش کی آئینہ دار ہے کہ باہم خیر سگالی اور خیر خواہی کے جذبات کے ساتھ نہ صرف پھول کے لئے نئے رجحانات کے تعین' بچوں کی تعلیم' تفریح اور تربیت کے لئے زیادہ موثر کردار کی گنجائش کی جستجو کی جائے بلکہ ملک میں بچوں کی سرگرمیوں کے سب سے بڑے نیٹ ورک پھول کلب پاکستان اور پھول کہانی گھر کے لئے نئے اہداف کی تلاش کی جائے۔ پھول پیرنٹس کونسل ماہنامہ پھول کے لئے والدین کی مشاورت اور رہنمائی کا وہ فورم ہوگا جو بچوں کے جدید رجحانات کے جائزے ملی اور قومی ضروریات کے باقاعدہ تجزیے کے بعد قابل عمل سفارشات مرتب کرے گا۔ کونسل کی چیئرمین شپ نسیم صاحب کو سونپ دی گئی جبکہ وائس چیئرمین محمد ریاض چودھری جنرل سیکرٹری کی ذمہ داریاں ڈاکٹر اکرام الحق کو تفویض کی گئیں۔ تقریب کی صدارت ایڈیٹر بھیا نے کی اور مہمان خصوصی تحریک پاکستان کے نامور کارکن خواجہ افتخار تھے۔ ڈاکٹر اکرام الحق نے کونسل کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ پھول ایک جمہوری رسالہ ہے اور تمام قارئین اس نظام میں عملی طور پر شریک ہیں۔ جناب وقار مصطفیٰ پھول سے اپنی پرانی وابستگی کا اظہار بڑے خوبصورت لفظوں میں کیا انہوں نے کہا کہ پھول درست علم اگلی نسل کے حوالے کر رہا ہے اور جس راہ پر ہمارے اسلاف چلے ہیں اس سے صحیح معنوں میں آگاہی فراہم کر رہا ہے اگر پھول اسی نہج پر چلتا رہا تو میرے بچے تو کیا سب بچے نیک اختر ہوں گے ایم اے۔ محیط خان (پرنسپل العروج گرائمر سکول) نے بھی کونسل کو موثر بنانے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ ریاض الرحیم (اسلامک ملاول سکول M.D) نے کونسل کو مزید کارآمد بنانے کے لئے اس کے وسائل کو بڑھانے اور مستحق ذہین بچوں کو مالی طور پر سپورٹ کرنے کی تجاویز پیش کیں۔ مسز فرزانہ افتخار (گیریژن اکیڈمی کینٹ) نے کونسل کے اراکین سے درخواست کی کہ وہ اس فورم کے ذریعے بچوں میں مطالعہ کتب کی عادت کو راسخ کریں مسز آمنہ صدیقی (پرنسپل نیو گریسنٹ سکول) نے کونسل کے ذریعے والدین بالخصوص ماؤں کو Educate کرنے کی اہمیت پر زور دیا کیونکہ مائیں ہی بچوں میں احساس ذمہ داری اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف پیدا کر سکتی ہیں۔ نسیم اختر صاحب (چیئرمین کونسل) نے اپنی بات کا آغاز سورۃ الفرقان سے کیا جس میں اولاد کو ماں باپ کے حق میں بہتر بنانے کی دعا تھی۔ انہوں نے کہا کہ بچے گنبد کی آواز ہوتے ہیں ہم جو کچھ ان سے کہتے ہیں وہی سنیں گے اور جو کچھ ان کے سامنے کرتے ہیں وہی دیکھیں گے اس لئے ہمیں پہلے اپنی تربیت کرنی ہوگی۔ اس مادیت پرستی کے دور میں جب سکول اور والدین دونوں بچوں کی تربیت سے ہاتھ اٹھا چکے ہیں پھول نے یہ ذمے داری اپنے کندھوں پر لے لی ہے اور اب اللہ اسے کامیاب کرے۔ بھیا جی اپنی گفتگو کا آغاز مختار مسعود صاحب کے ایک جملے سے کیا کہ "جہاں خواہش اور منصب اکٹھے ہو جائیں تو یہ خوش بختی کی علامت ہوتی ہے" یہ پھول کی خوش بختی ہے کہ محبت کرنے والے چھوٹے چھوٹے بیٹھے آپ لوگوں کی صورت میں یہاں موجود ہیں ہم پھول پیرنٹس کونسل سے کوئی توقع نہیں باندھیں گے کیونکہ توقع سے محبت کم ہوتی ہے ویسے بھی تعلق اور محبت کی کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ کچھ نہ کہا جائے تو زیادہ مٹھاس دیتی ہیں۔ خواجہ افتخار صاحب نے بڑے خوشگوار موڈ میں کہا کہ آج ان کا تقریر کا موڈ نہیں اس لئے ہلکی پھلکی بات کریں گے انہوں نے بھی بچے کی تربیت سے پہلے والدین کی تربیت کو مسلمہ حقیقت قرار دیا اور انہوں نے کونسل کے اغراض و مقاصد میں فرقہ پرستی اور ذات پات کی لعنت کے خلاف جہاد کو بھی شامل کرنے کو کہا (جسے عہدیداران نے بصد احترام و محبت اپنے منشور میں شامل کر لیا) خطابات کے بعد تمام اراکین کو تین گروہوں میں بانٹ دیا گیا انہیں پھول' پھول کہانی گھر اور پھول کلب کے موضوعات دے دیئے گئے اور ان موضوعات پر Hi-Tea کے دوران تھی چائے پینے کے ساتھ ساتھ گفتگو نے حاضرین کے مابین بے تکلفی پیدا کر دی اور اس کے نتائج بڑے مفید تھے جو تجاویز ان گروپس کی طرف سے پیش کی گئیں ان میں مسز صدیقی کے گروپ کی طرف سے پھول میں انگریزی صفحہ کے اجراء کی تجویز تھی۔ مسز ارم منظر نے کہانی گھر کے حوالے سے تجویز دی کہ اس کا دائرہ کار وسیع کر کے اس میں سائنسی ناولز' کہانی نویسی اور مصوری کے مقابلے بھی رکھے جائیں۔ پسماندہ علاقوں میں منعقد ہونے والے کہانی گھر کے پروگراموں کو زیادہ کوریج دی جائے تاکہ بچوں کی حوصلہ افزائی ہو۔ ہومیو ڈاکٹر نسیم اختر کی طرف سے کلینر کے لئے زیادہ سے زیادہ سٹڈی Tows ٹورز کروانے کی تجویز تھی۔ گروپ ڈسکشن کے ان نتائج سے پتا چلا کہ چائے صرف چائے ہی نہیں رہی بلکہ Working tea بن گئی اجلاس کے اختتام پر برائیڈ پبلک سکول کے مینجنگ ڈائریکٹر جناب ظفر اقبال نے کونسل کے آئندہ گروپ رام کیلئے اپنے لوارے میں خصوصی دعوت کا اعلان کیا جسے سب نے سراہا اجلاس کے شرکاء کے نام یہ ہیں۔ جناب پروفیسر ایوب منیر' جناب اکرم زبیر' جناب طالب حسین' جناب عبدالخالق' جناب عبداللہ بھٹی' جناب منظر وحید' مسز ارم' جناب وقار مصطفیٰ' جناب فاطمہ نسیم' جناب محمد سلیم' جناب ظفر اقبال' جناب ریاض الرحیم' جناب عبدالمحیط خاں' ڈاکٹر نعیم اختر' ڈاکٹر اکرام الحق' جناب نسیم اختر۔

پہلی تنخواہ

عرفات ظہور ملتان

استاد بہت عظیم ہوتا ہے اس استاد کی کہانی جس کا شاگرد اس سے زیادہ عظیم تھا

صبح جب میں بیدار ہوا تو ہڈیوں میں اتر جانے والی سرد ہوا نے میرا استقبال کیا۔ میں نے نیم گرم پانی سے منہ ہاتھ دھویا۔ ناشتہ کیا اور سائیکل اٹھا کر کالج روانہ ہو گیا۔ گھر کی چار دیواری میں تو اتنی سردی محسوس نہ ہوتی تھی لیکن باہر سڑک پر آتے ہی شدید سردی کا احساس ہوا چاروں طرف دھند کی سفید چادر لپٹی ہوئی تھی۔ سورج کی کرنیں زمین تک پہنچنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ دھند کے باعث چند گز کے فاصلے سے کچھ دکھائی نہ دیتا۔ اتنی سخت سردی میں میرے لئے سائیکل چلانا دوبھر ہو گیا۔ ہاتھ جیسے شل ہو رہے تھے۔ میں نے ہینڈل چھوڑ کر دونوں ہاتھ بغل میں دبائے تاکہ کچھ گرمی حاصل ہو اور سائیکل روانی سے چلاتا چلا گیا۔

سائیکل کو سٹینڈ پر کھڑا کر کے میں نے اپنی کتابیں سنبھالیں اور ٹھٹھرتا ہوا کلاس روم کی طرف بڑھ گیا۔ خیریت سے تمام پیریڈ اٹینڈ کئے اب آخری پیریڈ تھا سوشیالوجی (عمرانیات) کا جو پڑھنا ضروری تھا۔ مجھے یاد آیا کہ آج سر نے ٹیسٹ لینا ہے اور اس سردی میں لکھا تو درکنار ہاتھ قلم پکڑنے سے انکاری تھا میں نے پیریڈ اٹینڈ نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور لائبریری کا رخ کیا۔ اچانک میرے ذہن میں سوال اٹھا تم یہ پیریڈ کیوں مس کر رہے ہو۔ صرف ٹیسٹ سے بچنے کے لئے حالانکہ ٹیچر ٹیسٹ اس لئے لیتے ہیں تاکہ ہم کچھ یاد کریں۔ ہماری لکھنے کی مشق ہو کالج اور سکول کے ساتھ ساتھ ہمیں گھر پر پڑھنے کی بھی عادت ہو ہم امتحان کی تیاری کریں اور اچھے نمبروں سے پاس ہوں۔ میرے قدم خود بخود کلاس روم کی طرف بڑھنے لگے۔ چند ساعتوں بعد سر ضیاء الحق کمرہ میں داخل ہوئے۔ سر ضیا ہمیشہ ہمیں ساتھی یا دوست کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ استاد اور شاگرد کا رشتہ ایک دوست کا رشتہ ہے۔ جس طرح ایک بچہ برے دوستوں کی صحبت میں خراب ہو جاتا ہے اور اچھے دوستوں میں اس کی تربیت اچھی ہوتی ہے۔ اور اگر ایک بچے کا استاد اس کا دوست بھی ہو تو بچہ بہتر تربیت حاصل کرتا ہے کیونکہ ایک بچہ پانچ سال کی عمر تک تو اپنے والدین سے سیکھتا ہے اس کے بعد وہ دوستوں اور استاد سے سیکھتا ہے۔ سر ضیا نے کہا اس دھواں دار سردی میں تو ٹیسٹ ممکن نہیں اس لئے آج ہمہاتیں کریں گے اور تمام طلبا کے چہروں پر سرخی دوڑ گئی۔

سر ضیا نے کہا پتہ ہے آج صبح دھند اتنی گہری تھی کہ ائرپورٹ کے نزدیک دو جہاز آپس میں ٹکرا گئے "لو ہو" "ویری سیڈ" کمرے میں کئی آوازیں ابھریں "لیکن سر یہ کیسے ہوا" سر ضیا نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا "دراصل دونوں سائیکل پر سوار تھے" چند لمحوں تک تو کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا پھر اچانک جیسے کمرے میں قہقہوں کا طوفان آ گیا۔ سر ضیا نے خوبصورت انداز میں نشہ کرنے والے جہازوں کی بات کی تھی اور تمام لڑکوں نے اسے ہوائی جہاز سمجھا۔ موسم کی سرد مہری سے بچے کے لئے سر ضیا ماضی کے جھروکوں میں پہنچ گئے چونکہ ہم بھی سردی سے ٹھٹھر رہے تھے اس لئے وہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلے۔ سر ضیا نے اپنے کیریئر کے ابتدائی دنوں کا ایک واقعہ ہمیں سناتے ہوئے کہا "ایک روز میں پیریڈ پڑھا کر واپس سٹاف روم کی طرف جا رہا تھا راستے میں مجھے راشد علی کھڑا نظر آیا۔ راشد میری کلاس کا ہونہار، لائق اور ذہین طالب علم تھا وہ پریشان سا تھا۔ "کیا بات ہے راشد تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو" میں نے راشد علی کے قریب جا کر اس سے سوال کیا۔ راشد گھبرا سا گیا ایسی تو کوئی بات نہیں سر! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اس کی گھبراہٹ مجھ سے چھپی نہ رہ سکی۔ میں نے ذرا تحکمانہ لہجے

میں کہا "چلو بتاؤ کیا مسئلہ کیا ہے۔ راشد نے میرے استفسار پر تالیا "سر آج فیس جمع کرانے کی آخری تاریخ ہے میرے والدین میرے تعلیمی اخراجات کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے میں اپنی جیب خرچ سے یہ اخراجات پورے کرتا ہوں لیکن اب میرے پاس فیس کم ہے اگر آج فیس جمع نہ ہوئی تو میں امتحان سے رہ جاؤں گا" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "کتنے پیسے کم ہیں" راشد نے کہا "چار سو پچاس روپے" میری جیب میں اس وقت تقریباً پونے تین سو روپے تھے۔ میں نے ساتھی پروفیسروں سے لو ھار لے کر ساڑھے چار سو روپے پورے کئے اور راشد کو دیئے تاکہ وہ فیس جمع کرا سکے۔ راشد نے ممنون نظروں سے مجھے دیکھا اور روپے لے کر چلا گیا۔ دن گزرتے گئے۔ راشد نے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور کالج کو خیرباد کہہ دیا۔ میں اس واقعہ کو بالکل بھول گیا۔ اس کا خیال تک میرے ذہن سے محو ہو گیا۔ تقریباً چار پانچ برس بعد ایک روز مجھے ایک چھوٹا سا لفافہ موصول ہوا جو یو بی ایل سرگودھا برانچ کے ایک افسر کی طرف تھا۔ اس پارسل میں ساڑھے چار سو روپے کا چیک اور ایک خط تھا اس افسر کا نام راشد علی تھا۔ خط میں اس نے لکھا تھا "سر! آپ نے فیس کے لئے جو رقم مجھے دی تھی وہ مجھ پر قرض تھا۔ جو احسان آپ نے مجھ پر کیا اس کا بدلہ تو میں شاید نہیں دے سکتا۔ مجھے آج اپنی زندگی کی پہلی تنخواہ ملی ہے۔ آپ کی رقم لوٹا رہا ہوں قبول فرمائیں فقط آپ کا طالب علم راشد علی" اتنے میں پیریڈ کی گھنٹی بجی ہم ماضی کے جھروکوں سے واپس آئے اور خاموشی سے ایک ایک کر کے کمرے سے باہر نکلنے لگے۔ اس خود دار لڑکے کی شبیہہ میری آنکھوں کے سامنے تھی اور خوشی بھیں نے سوچا پہلی تنخواہ سے قرض اتارا جائے یا تحفہ بھجوایا جائے۔ دونوں کی خوشی کسی طور کم نہیں ہوئی۔ کیا کچھ سالوں بعد میں اپنے استاد کو کوئی ایسی ہی خوشی دے سکوں گا۔

ایک باہمت استاد سے گفتگو

اتر گئے تو سمندر بھی تاکر نکلے

رپورٹ = صائمہ اکرم، صادق آباد

زندگی میں امید و یاس ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔
جو شخص ناامیدی کے اندھیروں میں بھی پر امید رہتا ہے اور کوشش کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا صبح روشن اسکے لئے اجالوں کی گود کھول دیتی ہے جن لوگوں کا عزم بلند ہوتا ہے انکی اڑان لاانتہا ہوتی ہے۔ انکی کوشش کے نتیجے میں صحرا نہیں راستہ دے دیتے ہیں۔ سمندر ان کا راستہ نہیں روکتے اور بلند و بالا پہاڑ انکے قدموں تلے ریت کے کنکر نظر آتے ہیں۔ وہ جو شاعر نے کہا ہے۔

رکے جو لوگ تو اک آبجو بھی دریا تھی
اتر گئے تو سمندر بھی تاکر نکلے

ساتھیو! عزم و ہمت کے پیکر "استاد" سے ملتے ہیں جو گارنش پبلک سکول رحیم یار خاں کے پرنسپل ہیں اس نہایت شفیق اور محترم ہستی کے دونوں "بازو" نہیں ہیں اس کے باوجود نہایت کامیابی سے فروغ تعلیم کے لئے کوشاں ہیں۔ ذرا دیکھئے ہمارے سوالات کے آئینے میں۔ گارنش پبلک سکول کے پرنسپل مقصود احمد صاحب کو

☆..... سر آپ ایک استاد کی حیثیت سے بتائیں کہ تعلیم کیا ہے؟ ہم نے پہلا سوال کیا۔

☆..... بیٹا تعلیم اپنے آپ کو سنوارنے کا نام ہے علم بذات خود کچھ نہیں اصل چیز تو "عمل" ہے جب تک آپ علم کے تیل سے "عمل" کے "چراغ" روشن نہیں کریں گے اس وقت تک آپکا حاصل شدہ علم بے کار ہے۔

☆..... سر آپکے دونوں بازو کتنے عرصے سے نہیں ہیں اور کیا یہ آپ کے مشن میں رکاوٹ نہیں بنتے؟

☆..... بھرپور اعتماد کیساتھ جواب ملا "میرے دونوں بازو تیرہ سال سے نہیں ہیں۔ ایک حادثے میں میرے بازو مجھ سے کھو گئے لیکن الحمد اللہ میں نہ صرف اپنے سکول کا "پرنسپل" ہوں بلکہ خود بھی پڑھاتا ہوں۔ اپنے شہر کی "بزم فیض" کا نائب صدر ہوں اکثر ادبی پروگرامز میں شرکت کرتا ہوں بس انسان میں عزم اور حوصلہ ہونا چاہئے تو وہ ہر کام کر سکتا ہے۔ اور میں نے کبھی امید اور حوصلہ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

☆..... سر یہ جو کتاب کا علم ہے وہ اور ہے اور معاشرے کا "علم" اور ہے۔ آپ کو کبھی مشکل ہوئی؟

آپ نے بالکل ٹھیک کہا کتابوں میں دیا گیا علم اور معاشرے کا علم واقعی مختلف ہے بہت زیادہ افسوس کی بات ہے کہ ہم بچوں کو جو علم دیتے ہیں تو جب وہ معاشرے کے علم سے اس کا موازنہ کرتا ہے تو الجھن کا شکار ہو جاتا ہے معاشرہ بھی تو لوگوں سے مل کر بنتا ہے۔ اور کتابوں کا علم بھی اسی صورت رائج ہو سکتا ہے۔ جب معاشرے کا ہر شخص اس پر عمل پیرا ہو۔

☆..... ہمارے ہاں تعلیم کے گرتے ہوئے معیار کی اصل وجہ آپکے خیال میں کیا ہے؟

☆..... میرے خیال میں سب سے پہلے ہمارا تعلیمی نصاب اور دوسرے نمبر پر اپنی زبان میں تعلیم حاصل نہ کرنا۔ یونیسکو نے ایک کیلنڈر شائع کیا تھا اس میں مختلف ممالک میں تعلیمی پسماندگی کی سب سے بڑی وجہ اپنی زبان میں تعلیم حاصل نہ کرنا تھی۔

☆..... اچھا سر آپ یہ بتائیں کہ ہمارے ماہنامہ "پھول" کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

☆..... (مسکراتے ہوئے) جی ہاں اکثر دیکھا ہے بلکہ پڑھا بھی ہے بچوں کا ایک بہترین رسالہ ہے لیکن اس میں کوئی "اسلامی کالم" بھی ہونا چاہئے۔

☆..... حیثیت استاد آپ کیسے ہیں؟

☆..... یہ تو میرے سٹوڈنٹس کو زیادہ پتا ہو گا..... میں نے پانچ سال آرمی میں بھی کام کیا چرچ میں سکول کو اسٹڈی کیا وہاں کے سکولوں کی یہ خوبی تھی کہ ہر کلاس میں صرف بارہ بچے ہوتے تھے پھر کوئٹہ بھی گیا اس کے بعد ۹۳ء میں اپنے سکول کا آغاز کیا۔

☆..... میں نے سنا ہے کہ آپ کے بچے ماشاء اللہ خاصے ذہین ہیں؟ خاص طور پر بیٹیاں.....؟

☆..... مسکراتے ہوئے جی ماشاء اللہ میری ایک بیٹی نے گیارہ سال کی عمر میں میٹرک کر لیا تھا۔ اس نے ایک ایک سال میں دو کلاسز پڑھیں میری ایک بیٹی شاعرہ بھی ہیں اور "اسلامیہ یونیورسٹی" میں اس نے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں پوزیشن بھی لی ہے۔

زندگی میں ایسے ہی لوگ روشنی کا خوشی کا باعث بنتے ہیں جو مشکل میں گھبراتے ہیں اور سمندر جیسے گہرے مسائل اور رکاوٹوں کو بھی اپنے عزم سے عبور کر جاتے ہیں۔

واہ کیا بات ہے

مرتب : محمد عمر ساہی۔
سول لائن گجرات

السلام علیکم! پھول ساتھیوا اچھی تحریریں لکھنے اور منتخب کرنے کیلئے اچھی کتب کا مطالعہ ایسے ہی ضروری ہے جیسے سائیکل چلانے کیلئے سائیکل۔ آپ بھی فوراً سے پہلے اچھی کتابیں تلاش کریں' پڑھیں اور ہمیں اچھی اچھی چیزیں ارسال کریں۔ کہ ہم بھی پڑھ کر کہہ اٹھیں واہ کیا بات ہے۔

ہاتھ دھلانے والا کون تھا؟

ایک روز ابو معاویہ ضریر (نابینا) جو کہ بہت بڑے عالم تھے خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے' جب کھانا کھا چکے تو معمول کے مطابق ابو معاویہ کے ہاتھ دھلائے گئے۔ ابو معاویہ ہاتھ دھو چکے تو ہارون رشید نے پوچھا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ دھلانے والا کون شخص تھا؟ ابو معاویہ بولے کہ نہیں میں نہیں جانتا۔ ہارون رشید نے بتایا کہ محض تعظیم علم کے لئے خود میں نے آپ کے ہاتھ دھلائے ہیں جو فضیلت اللہ نے علم کی وجہ سے آپ کو دی ہے یہ اسکا پاس تھا۔

میں پانی کا کیا کرتا

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ایک شاگرد آپ کے گھر آپ کا مہمان بن کر آیا۔ رات کے وقت امام صاحب نے اس کے پاس ایک لوٹا پانی کا بھر کر رکھ دیا۔ جب صبح ہوئی تو امام صاحب نے دیکھا کہ لوٹا ویسے کا ویسا ہی بھرا پڑا ہے۔ اور پانی استعمال نہیں ہوا۔

حضرت امام صاحب نے اپنے شاگرد مہمان سے فرمایا کہ آپ نے پانی استعمال نہیں کیا تو شاگرد نے پوچھا حضرت اس پانی کو میں کیا کرتا تو آپ نے فرمایا کہ آپ وضو کرتے اور رات عبادت کرتے۔ اس مولا کا شکر کرتے جس نے زندگی کی نعمتوں سے نوازا۔ یہ تو بس ایک اشارہ تھا۔ علم اور فہم اکٹھے ہوں تو ہی ایسے اشارے سمجھ آتے ہیں۔

علم کے لئے متواضع ہونا سیکھو

ہارون الرشید ایک مرتبہ مدینہ منورہ حاضر ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ حضرت امام مالک یہاں موطا کا درس دیتے ہیں۔ ہارون الرشید نے امام مالک کو پیغام بھیجا کہ آپ موطا میرے پاس لا کر مجھے یہاں سنا جائیں۔ امام صاحب نے جواب میں فرمایا کہ ہارون الرشید کو کہہ دو کہ علم کسی کے پاس نہیں جاتا بلکہ طالب علم خود علم کے پاس آتا ہے۔ ہارون الرشید یہ سن کر خود امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت امام مالک نے سے اپنے پاس مسند پر بٹھالیا ہارون الرشید کی عرض کی کہ اب آپ موطا پڑھئے اور میں سنتا ہوں۔ حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے آج تک خود پڑھ کر کسی کو نہیں سنایا لوگ پڑھتے ہیں اور میں سنتا ہوں۔ لہٰذا آپ پڑھیں اور میں سنتا ہوں۔ ہارون الرشید نے کہا تو پھر ان لوگوں کو باہر نکال دیجئے تاکہ میں تنہائی میں پڑھوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب خواص کے لئے علم کو عوام سے روک لیا جائے تو خواص کو بھی کچھ نفع نہیں پہنچتا۔ چنانچہ ہارون الرشید نے موطا کو پڑھنا شروع کیا۔ جب ہارون الرشید پڑھنے لگا تو حضرت امام مالک نے فرمایا ہارون علم کے لئے تواضع کی ضرورت ہے اس لئے اس مسند سے اتر کر میرے سامنے متواضع ہو کر پڑھو چنانچہ ہارون الرشید مسند سے نیچے اتر آئے اور سامنے متواضع ہو کر بیٹھا اور پڑھنے لگا۔

خالد بن احمدؒ جو کہ بخارا کا حاکم تھا۔ اس نے حضرت امام بخاریؒ سے کہا کہ میرے بیٹوں کو میرے گھر پر آکر علم حدیث اور علم تاریخ پڑھایا کرو۔ آپ نے فرمایا "انہیں مدرسہ میں بھیج دیا کرو میں گھر پر آکر پڑھانے سے علم کی تحقیر نہیں کرنا چاہتا" اس پر حاکم نے کہا "اچھا جس وقت میرے بیٹے سبق پڑھیں اس وقت اور کوئی طالب علم مدرسہ میں نہ ہو کیونکہ میں عوام کے ساتھ اپنے لڑکوں کو بٹھا کر اپنی تحقیر نہیں کرنا چاہتا"

امام صاحب نے فرمایا علم اور خاص طور پر علم حدیث میراث رسول کریمؐ ہے اس کی اشاعت میں کوئی تخصیص کرنا نہیں چاہتا' حاکم نے ناراض ہو کر زور حکومت سے حصول فتویٰ کے بعد آپ کو شہر بدر کر دیا۔ امام بخاریؒ نے اس سزا کو قبول فرمایا۔ اور ماتھے پہ شکن ڈالے بنا شہر چھوڑ دیا۔

اللہ کے واسطے

حضرت مولانا حافظ محمد یعقوبؒ صاحب صدر مدرس دیوبند پرانے زمانے کے طریق مکاتب کے مطابق اپنے ایک شاگرد کو سبق یاد نہ کرنے پر مار رہے تھے۔ شاگرد نے کہا کہ اللہ کے واسطے مجھے نہ ماریں یہ سن کر حافظ صاحب نے فرمایا کہ میں اللہ کے لئے ہی تو مار رہا ہوں۔

۳۰ ہزار اشرفیاں آگئی ہیں

حضرت ربیعہ الرائے وہ بزرگ اور عالم دین تھے کہ جن کے شاگرد حضرت امام مالک اور حضرت امام حسن بصری تھے۔ آپ کے والد فوج میں ملازم تھے اور گھر کا خرچ بھیجتے رہتے تھے۔ یہ سلسلہ پورے ستائیس برس چلتا رہا۔ جب ستائیس برس بعد گھر واپس آئے تو راستے کی ایک مسجد میں ایک خوبصورت شخص کو درس دیتے دیکھا۔ ان کے دل میں تمنا ہوئی کہ کاش یہ درس دینے والا شخص میرا بیٹا ہوتا۔ گھر پہنچے تو اپنی بیوی سے پوچھا کہ وہ تیس ہزار اشرفیاں کہاں ہیں جو میں نے آپ کو بھجتا رہا ہوں۔ ان کی بیوی نے جواب دیا کہ وہ میں نے سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں۔ اتنے میں ان کے صاحب زادے حضرت ربیعہ الرائے گھر تشریف لے آئے تو بیوی نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دیکھو یہ آپ کی تیس ہزار اشرفیاں آگئی ہیں کیونکہ میں نے وہ تمام اشرفیاں آپ کے بیٹے کی تعلیم پر خرچ کر دیں تھیں۔ باپ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بیوی کو مبارک دی کہ اس نے اس کی دلی مراد پوری کر دی ہے۔

وظیفہ دگنا کر دیا

حاکم خراسان عبداللہ بن طاہر کے صاحب زادے طاہر اپنے باپ کی زندگی میں حج کو آئے تو اسحاق بن ابراہیم نے اپنے گھر پر مکہ کے تمام علماء کو مدعو کیا تاکہ طاہر ان سے مل لے اور ان سے کچھ پڑھے۔ اس دعوت کو تمام علماء نے قبول کر لیا مگر ابو عبیدہؒ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ علم کے پاس خود آنا چاہئے اسحاق اس جواب پر خفا ہو گیا اور عبداللہ بن طاہر کی طرف سے ابو عبیدہؒ کو جو دو ہزار درہم ماہانہ وظیفہ ملتا تھا اس کو بند کر دیا اور ابو عبیدہ کے جواب کی اطلاع عبداللہ ابن طاہر کو بھیج دی۔ عبداللہ ابن طاہر کو جب یہ اطلاع ملی تو اس نے اسحاق کو خط لکھا کہ ابو عبیدہ نے بالکل سچی بات کہی ہے لہٰذا آج سے میں ان کا وظیفہ دوگنا کرتا ہوں تم فوراً اس پر عمل کرو اور ان کا بقایا بھی ادا کرو۔ علم اور عالم کی تحقیر کرو گے تو کبھی خیر نہیں پاؤ۔

یہ بھلا کیا طریقہ ہوا

ایک دفعہ قاضی شریک کے پاس خلیفہ وقت کا لڑکا آیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ایک حدیث پاک پوچھی قاضی صاحب نے کوئی توجہ نہ کی اس نے پھر پوچھا انہوں نے پھر کوئی توجہ نہ دی تب اس کے کہا کہ آپ خلفا کی اولاد (شہزادوں) کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ قاضی شریک نے فرمایا ہاں! مگر علم اللہ کے نزدیک شہزادوں سے کہیں برتر ہے اور میں علم کو برباد نہیں کرتا۔ تم نے بات پوچھنی ہے تو طریقے اور سلیقے سے پوچھو۔ یہ

بھلا کیا طریقہ ہو جو تم نے اختیار کیا ہے۔

استاد کے چچے کی بھی تعظیم

حضرت امام بخاری اپنے حلقہ درس میں درس دے رہے تھے مگر اثنائے درس میں کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ جب اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میرے استاد کا لڑکا گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ کھیلتے کھیلتے جب وہ مسجد کے دروازے کے پاس آجاتا رہا ہے تو میں اس کے لئے بمقصد تعظیم کھڑا ہو جاتا ہوں۔

خلیفہ کی برہمی

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے لڑکے مامون کو علم وادب کی تعلیم کے لئے امام اصمعیؒ کے سپرد کر دیا تھا۔ ایک دن اتفاقاً ہارون الرشید وہاں جا پہنچا اور دیکھا کہ اصمعیؒ اپنے پاؤں دھو رہے ہیں اور شہزادہ پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ ہارون نے بہت برہمی سے فرمایا کہ آپ کو شہزادے کو یہ۔ کیوں نہیں حکم دیا کہ وہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوئے۔

لڑکا تو لڑکا ہی ہوتا ہے

حضرت امام شافعیؒ نے چودہ سال کی عمر ہی میں تمام علوم دینی سے فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا چنانچہ آپ کے درس میں مقامی طالبان کے علاوہ دور دور سے عمر رسیدہ علمائے کرام بھی آپ کی علمی قابلیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز آپ درس دے رہے تھے کہ دو چڑیاں لڑتی لڑتی آپ کے سامنے گریں۔ آپ نے فوراً اپنا عمامہ اتار کر ان پر پھینک دیا آپ کی اس بچگانہ حرکت سے کچھ معمر بزرگ اور علمائے کرام چیں بہ چیں ہو گئے آپ ان کے چہرے پر آثار ملال دیکھ کر مسکرا دیئے اور فرمایا کہ۔ لڑکا تو لڑکا ہی ہوتا ہے خواہ نبی ہی کا لڑکا کیوں نہ ہو۔

عالم ارواح

دو روحیں آسمان پر پرواز کر رہی تھیں۔ ایک بادل کے ٹکڑے پر سوار تھی دوسری کنارہ پکڑے چلی جا رہی تھی۔ ایک روح بار بار ٹھنڈی بھرتی۔ دوسری نے اس کی بے چینی دیکھ کر پوچھا

"کیا بات ہے کیوں پریشان ہو؟"

دوست! میں بہت پریشان ہوں۔ نیچے زمین پر میری بیوی بے حد بیمار پریشان ہے۔ اس کی حالت خاصی خطرناک ہے"

"ارے ولہ! اس میں کیا پریشانی ہے۔ وہ تو بہت جلد تمہارے پاس آجائے گی" پہلی نے یہ سن کر کہا "مجھے معلوم ہے سی لئے تو میں پریشان ہوں"

(مرسلہ: ثوبیہ خانم۔ بہاولپور)

"وجہ"

ایک آدمی نے آگے سے تو قمیض پتلون کے اندر کی ہوئی تھی لیکن پیچھے سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ کسی نے روک کر پوچھا "بھائی صاحب! یہ نیا فیشن ہے؟" وہ بولا "نہیں بھائی قمیض آگے سے اور پتلون پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے"

(مرسلہ: اسماء خان۔ فیصل آباد)

ایسے کو تیسا

ایک مرتبہ سر سید احمد خان ٹرین کے فرسٹ کلاس ڈبے میں سفر کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ چند انگریز نوجوان محو سفر تھے۔ جب ناشتے کا وقت آیا تو آپ نے اپنے لفافے سے پراٹھا اور انڈا نکالا۔ ناشتہ دیکھ کر آپ کے ساتھ بیٹھے انگریز نے بہت کوفت کا اظہار کیا۔ جب سر سید ہاتھ دھونے کیلئے اٹھے تو اس نے آپ کا ناشتہ چلتی ٹرین سے باہر پھینک دیا۔ جب آپ واپس آئے تو تمام صورتحال بھانپ گئے مگر خاموشی سے بیٹھے رہے۔ کچھ ہی دیر بعد اس انگریز کو رفع حاجت کیلئے اٹھنا پڑا۔ انگریز کے ساتھ پلا بھی تھا آپ نے اس کا پلا کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ کچھ دیر بعد انگریز اپنی جگہ پر واپس آیا تو پلے کو غائب پا کر اس نے آپ سے پوچھا "میرا پلا کدھر گیا؟" "آپ کا پلا میرے ناشتے کے پیچھے گیا ہے" سر سید نے جواب دیا۔

(مرسلہ: اختر نواز۔ سکنہ رولیا۔ گجرات)

نہا ہی ڈالیے

ذوالفقار علی بخاری (مرحوم) بڑے باصلاحیت انسان، بڑے حاضر جواب اور بذلہ سنج تھے۔ ایک مرتبہ یوسف دہلوی مرحوم جو برصغیر کے بڑے خوش نویس تھے بخاری صاحب کے طلب کرنے پر ریڈیو پاکستان تشریف لائے۔ یوسف مرحوم اپنا لباس اس وقت بدلتے تھے جب وہ دھلنے کے قابل نہ رہتا۔ ممکن ہے عید پر عید کو نہا بھی لیا کرتے ہوں۔ جب یوسف بھائی جانے لگے تو بخاری صاحب نے کہا "بھائی یوسف! آج جی کڑا کر کے نہا ہی ڈالیے۔ اللہ اور میل دیگا"

نصر اللہ خان کی تحریر "باتیں زیڈ اے بخاری کی" سے اقتباس"

(مرسلہ: جہانگیر الحسن شاہ۔ میلسی)

"فرض"

ایک دفعہ غروب آفتاب کے بعد قائداعظم گورنر جنرل ہاؤس میں گہری سوچ میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے لیفٹیننٹ احسن تھے جو بعد میں پاک بحریہ کے کمانڈر انچیف بنے۔ قائداعظم چلتے چلتے گیٹ کی طرف آگئے ابھی گیٹ سے کچھ فاصلے پر تھے کہ گیٹ پر متعین سپاہی نے پکارا "جوان رک جاؤ" قائداعظم سوچ میں اس قدر غرق تھے کہ آواز نہ سنی۔ لیفٹیننٹ کی جرات نہ تھی کہ متوجہ کرتا۔ قائداعظم آگے بڑھے تو سپاہی نے متنبہ کیا۔ جب ان کے قدم آخری حد کے قریب پہنچے تو سپاہی نے گرجدار آواز میں رائفل کا نشانہ لے کر کہا۔

"اب اس سے ایک قدم اور آگے بڑھے تو فائر کر دونگا"

قائد رک گئے تو لیفٹیننٹ نے سپاہی سے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ تم گورنر جنرل پاکستان سے مخاطب ہو" سپاہی نے برجستہ کہا "میں اپنے فرض کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ گورنر صاحب سے کہہ دیں کہ یا تو میرا فرض بدل دیں یا مجھے اس فرض سے سبکدوش کر دیں" یہ سن کر قائد آگے بڑھے اور اس سے بغلگیر ہو گئے۔

(مرسلہ: منیب الرحمن۔ شادمان کالونی گجرات)

باتیں بڑوں کی

وہ شخص کبھی خوشحال نہیں ہو سکتا جو گھر بیٹھے خوشحال ہونے کے خواب دیکھتا رہتا ہے

(حضرت لقمان)

(مرسلہ: اسماء شاہین۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ)

لوگ نجانے نفرت کیلئے کہاں سے وقت نکال لیتے ہیں جبکہ یہ زندگی پیار کیلئے بھی بہت چھوٹی ہے۔ (ایمرسن)

(مرسلہ: اعجاز حسین ناروال)

دوست ہزار بھی کم ہیں اور دشمن ایک بھی بہت۔ (نصیر الدین طوسی)

(مرسلہ: راحیلہ عباس)

حسن سیرت

سلطان محمود غزنوی بدصورت آدمی تھا۔ دنیا کے اس عظیم فاتح نے ایک دن آئینے میں اپنی شکل غور سے دیکھی تو اسے بہت رنج ہوا۔ دوسرے روز اس نے وزیر سے کہا

"سنا تھا کہ بادشاہوں کا چہرہ دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں لیکن ہمیں دیکھ کر لوگوں کو کوفت ہوتی ہو گی" وزیر نے کہا ظل الٰہی! آپ کی صورت دیکھنے والے چند ہیں مگر سیرت دیکھنے والے بہت ہیں۔ انسان کی سیرت اچھی ہو تو اس کی صورت پر کسی کی نظر نہیں جاتی۔

(مرسلہ: محمد عامر مغل۔ ڈسکہ)

جوؤں سے نجات

لومڑی کے جسم میں جوئیں پڑ جائیں تو وہ ان سے پیچھا چھڑانے کیلئے ایک عجیب و غریب ترکیب استعمال کرتی ہے۔ وہ ان جھاڑیوں میں جاتی ہے۔ جن کے پاس سے بھیڑیں گزرتی ہیں اور ان کی شاخوں میں ان بھیڑوں کی اون پھنس جاتی ہے۔ وہ یہ اون جمع کر لیتی ہے پھر اسے منہ میں دبا کر کسی چشمے یا تالاب میں گھس جاتی ہے۔ اس کا جسم پانی کے اندر اور منہ باہر ہوتا ہے جس میں اون ہوتی ہے۔ جوئیں گھبرا کر اس کے منہ کی طرف آتی ہیں اور اون میں جمع ہو جاتی ہیں۔ لومڑی اون کو پانی میں پھینک کر باہر آجاتی ہے اور اس کا جسم جوؤں سے پاک ہو جاتا ہے۔

(مرسلہ: طیب جمیل۔ سرگودھا)

عالم اور جاہل

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے حضرت منصور عمارہ سے پوچھا کہ مخلوق میں سب سے زیادہ عالم اور جاہل کون ہیں؟

حضرت منصورؒ نے برجستہ جواب دیا۔ فرمایا: "سب سے زیادہ عالم وہ ہے جو باوجود اطاعت کے ڈرتا ہے۔" اور سب سے زیادہ جاہل وہ ہے جو گناہ کئے جاتا ہے اور خدا خوفی کو قریب بھی نہیں آنے دیتا۔

بے عزتی کا خوف

حصہ ثناء اللہ۔ لاہور

یہ ان دونوں کی بات ہے جب ہم چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے ہماری کلاس انچارج بہت اچھی خاتون تھیں اور ان کی ایک بات ایسی ہے کہ جو ہمیں ابھی تک نہیں بھولی حالانکہ اس بات کو ہوئے ہوئے پانچ سال گزر گئے ہیں بات نے زندگی میں ایک بہت بڑی تبدیلی پیدا کی اور سوچنے کا ڈھنگ بدل دیا۔

چھٹیوں سے پہلے ہماری کلاس میں بہت چوریاں ہونے لگی جس سے پوری کلاس اور ہماری استانی جی بہت پریشان تھیں کلاس میں چوریاں اس قدر بڑھ گئیں کہ کیا بتاؤں روزانہ کسی کی کوئی کتاب، کاپی، پیسے یا جیومیٹری بکس گمنا ایک عام سی بات تھی اب دیکھیے نہ تو کبھی کسی کا نام نہیں لگا سکتا تھا کہ اس نے میری چوری کی ہے جب تک اس نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو انہیں دنوں ہماری سہیلی کی ایک بک چوری ہو گئی اس نے ہماری کلاس انچارج کو شکایت کی ہماری کلاس ٹیچر نے پوری کلاس کو لیکچر دیا کہ جس کے پاس کتاب ہے تو وہ واپس کر دے میں اسے کچھ نہ کہوں گی لیکن اس بات کا کوئی رزلٹ نہ نکلا۔

ایک دن ہمارے سکول میں میجک شو کا انتظام کیا گیا مقررہ دن میجک شو ہو گیا وہ سب بچوں کے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ پکا جادوگر ہے حالانکہ یہ تو سارا ہاتھوں کا کھیل ہوتا ہے جب دوسری تمام ٹیچرز کو بھی اس بات کا علم ہوا کہ چھٹی کلاس میں بہت چوریاں ہو رہی ہیں تو انہوں نے ہماری کلاس انچارج سے بات کی پھر ایک مس ہماری کلاس آئیں اور انہوں نے کہا۔

دیکھو جو! تم میں سے جو چوری کرتا ہے وہ خود ہی آکر بتا دے ورنہ وہ جو اس دن جادوگر آیا تھا ہم اس سے پوچھ لیں گے کہ کون اس کلاس میں چوریاں کرتا ہے اور اس نے جس لڑکی کا نام بتلایا اسے میں نے پورے سکول کے سامنے مارنا بھی ہے۔ اور سکول سے نکال بھی دینا ہے یہ الفاظ کہہ کر ابھی مس کمرے سے باہر ہی نکلی تھی کہ ہماری دوست کی پنسل گر گئی اور وہ پنسل اٹھانے کے لئے جھکی تو اسے اپنی گم شدہ کتاب گری ہوئی نظر آئی تو اس نے فوراً اٹھالی وہ بہت خوش ہوئی کیونکہ اسے بالکل اس بات کا علم نہ تھا کہ اس کے کتاب اسے واپس ملے گی جب اسے کتاب ملی تو اس نے فوراً ہماری کلاس ٹیچر کو ساری بات بتائی۔ تو ہماری کلاس ٹیچر نے کہا۔ دیکھو جو! کتنی حیرت کی بات ہے کہ آپ ایک جادوگر سے تو ڈر گئے لیکن خدا سے نہیں ڈرتے آپ نے چوری کرتے ہوئے یہ تو نہیں سوچا کہ خدا تمہیں سزا دے گا یا خدا ہم سے ناراض ہو جائے گا اور یہ بھی نہیں سوچا کہ حضور ﷺ نے چوری کرنے سے منع کیا ہے لیکن آپ ایک معمولی سے جادوگر سے ڈر گئے کہ وہ پکڑے گا تو بے عزتی ہو گی کاش آپ کو خدا کے سامنے بھی اپنی بے عزتی کا احساس رہے۔ یہ کہہ کر مس چلی گئیں۔

ہمیں ابھی تک نہیں پتہ نہ وہ کون ہے جس نے یہ چوریاں کی تھیں لیکن ہمیں یہ ضرور پتہ ہے کہ جس نے بھی وہ چوریاں کی تھیں اسے مس کی بات کا بہت اثر ہوا۔ اسی وجہ سے اب ہماری کلاس میں پھر کوئی چوری نہیں ہوئی۔

یہی تھا راز

محمد عمر ساہی۔ سول لائن گجرات

"وہ تمام لڑکے کھڑے ہو جائیں جنہوں نے گھر کا کام نہیں کیا" سر قدیر نے کلاس میں آکر گرجدار آواز میں کہا۔ جواب میں کوئی لڑکا کھڑا نہ ہوا۔ کیا اس کا مطلب یہی ہے کہ آج تمام لڑکے گھر کا کام کر کے لائے ہیں؟ سر نے دوبارہ پوچھا "سر میں نے آج کام نہیں کیا" عامر نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ عامر جماعت کا بہترین طالب علم تھا اور مانیٹر بھی تھا۔ کسی کو بھی اس بات کی توقع نہیں تھی کہ عامر گھر کا کام نہیں کرے گا اور وہ بھی سر قدیر جیسے سخت گیر اور ڈنڈے مار استاد کا دیا ہوا کام۔ سب لڑکے اسی بات کا انتظار کر رہے تھے کہ کب استاد صاحب کرسی سے اٹھیں اور ڈنڈا اٹھا کر عامر پر جھپٹ پڑیں۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ اس کے برعکس سر قدیر بولے "چلو کوئی بات نہیں بیٹا۔ اپنا کام کل مکمل کر کے مجھے دکھا دینا" پیریڈ ختم ہوا تو لڑکے من چاہی گپیں ہانکنے لگے۔

"بھئی اگر تمہاری جگہ کوئی اور لڑکا ہوتا تو اس کی ہڈیوں کا تو آج سرمہ بن جانا تھا۔ شکر کرو تم بچ گئے ہو" قمر نے گویا مبارک باد دیتے ہوئے عامر سے کہا۔ "نہ صرف یہ اساتذہ کی عزت کرتا ہے بلکہ تمام ٹیچر بھی اسکی عزت کرتے ہیں"۔ وقاص نے بھی لقمہ دیا۔ میں یہ باتیں بڑے انہماک سے سن رہا تھا۔ میرا ذہن اس بات پر اٹکا ہوا تھا کہ اساتذہ عامر کو اس قدر کیوں ترجیح دیتے ہیں اور کبھی کسی نے ڈانٹا تک بھی نہیں۔ آخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ عامر ٹیچرز کے چھوٹے موٹے کام خوب بھاگ بھاگ کر کرتا ہے بس اسی لئے وہ اسے پسند کرتے ہیں۔ میں نے ذہن میں اس معاملے میں عامر سے سبقت لے جانے پر منصوبہ بندی شروع کر دی۔ اگلے روز مجھے ایک موقع مل ہی گیا۔ ریاضی کے استاد صاحب کمرہ جماعت میں داخل ہوئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ انہوں نے آتے ہی پانی مانگا۔ اس سے پہلے کہ عامر یا کوئی اور لڑکا اٹھتا میں جلدی کی سی تیزی سے اٹھا اور سر کو ٹھنڈا یخ پانی لا کر پیش کیا۔ سر نے مسکرا کر دیکھا اور میرا شکریہ ادا کیا۔ میں دل ہی دل میں خوش ہوا کہ اب میں استاد صاحب کی نظروں میں آچکا ہوں۔ اب میرے ساتھ بھی یہ رعایت برتیں گے۔ اسی خوش فہمی میں، میں نے ریاضی کے دو سوال غلط حل کر دیئے۔ ساری خوش فہمی ہرن ہو گئی۔ میرے منصوبے کے بادل میرے ہاتھوں پر ڈنڈوں کی صورت میں برسے۔ میری یہ چال تو بالکل ناکام ہو گئی تھی۔ خالی ذہن کو منصوبوں کی کوئی کمی نہیں ہوتی مجھے ایک نیا خیال سوجھا۔ اگلے روز صبح ہی صبح میں گھر کے لان میں پہنچ گیا اور گلاب کا گلدستہ بنا کر اپنے کلاس انچارج کو پیش کیا۔ بہت بہت شکریہ مگر مسئلہ یہ ہے کہ مجھے پھولوں سے الرجی ہے۔ میں یہ گلدستہ نہیں لے سکتا۔ سر نے مرے اعتماد سے کہا۔ ایسے تو دال نہیں گلے گی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ افسردہ سے موڈ میں، میں گھر واپس آیا۔ بستہ اسٹڈی روم میں رکھا۔ میز پر نظر پڑی تو سامنے ایک خط پڑا تھا۔ اٹھایا اور پڑھا۔ میں نے یہ پڑھ کر خوشی سے دیوانہ ہو گیا کہ وہ خط دادو جان کا تھا اور وہ اگلے ہی روز آرہے تھے۔ میں نے اپنا مسئلہ ان کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگلے روز دادو جان آگئے۔ رات کے وقت میں ان کے پاس، سونے کے کمرے میں چلا گیا اور ساری بات تفصیل سے بیان کی۔ نہ صرف تمہاری سوچ بلکہ تمہارا طریقہ بھی غلط ہے۔ دادو جان نے میری بات سن کر کہا۔

دیکھو بیٹا ایک طالبعلم سکول میں پڑھنے کے لئے جاتا ہے اور اس کی زندگی کا یہی مقصد ہے اب جو طالبعلم اپنا فرض صحیح طریقے سے سرانجام دے گا استاد تو اسے ہی چاہیں گے۔ نہ کہ وہ طالبعلم اساتذہ کی نظروں میں آئے گا جو گلدستے پیش کرتا ہے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟ دادو جان نے پوچھا۔ جواب میں میں نے جی ہاں کہا تو وہ دوبارہ بولے۔ جس طرح اللہ نے ہمیں زمین پر بھیجا اور ہمارے ذمے بہت سے فرائض سونپے۔ اب اللہ میاں تو صرف اس شخص کو ہی پسند کریں گے جو انکے فرائض میں غفلت نہیں کرتا بلکہ دل و جان سے فرائض پورے کرتا ہے۔ اور پھر یہ تو ہر مخلوق کی فطرت ہے حتیٰ کہ جانور بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ ان کا مالک انہیں مکمل خوراک اور چارہ دیتا ہے یا نہیں اس لئے اساتذہ کی نظروں میں آنے کے لئے اور ان سے حقیقی عزت کروانے کے لئے تمہیں بہت محنت سے پڑھنا ہوگا۔ جسے تمہارے ٹیچر پسند کریں گے اور محسوس بھی کریں گے۔ یہ سن کر میں اپنے اسٹڈی روم کی جانب چل دیا کیونکہ میں نے دادا ابو سے عزت کروانے کا راز پا لیا تھا اور مجھے اس پر عمل کر کے دکھانا تھا۔

ماسٹر نہ مجاورے

ماسٹر سے گرا ہیڈ ماسٹر میں انکا
ماسٹر کی مار ہی بھلی
ماسٹر کیا جانے گرمیوں کی چھٹیاں
کیا ماسٹر کیا ماسٹر کی سائیکل
پڑھے نہ لکھے نام ماسٹر فاضل
ڈوبتے ماسٹر کو ڈوبتے کا سہارا

نور محمد جمالی۔ حکم اوستہ محمد کالج ضلع جعفر آباد

گزارہ نہیں ہوتا

ہمارے ٹیچر مشتاق نامی لڑکے سے بے حد بیزار تھے مشتاق کا کمال یہ تھا کہ اسے جو بھی مضمون لکھنے کو کہتے وہ کسی نہ کسی طرح اس مضمون میں میرا یسرین دوست ضرور فٹ کر لیتا کیونکہ یہ وہ واحد مضمون تھا جو اسے فر فر یاد تھا مثلاً اگر اسے کہا جاتا کہ ریلوے اسٹیشن پر مضمون لکھو تو وہ کچھ یوں شروع ہوتا میں اور میرے ماں باپ چچو کی ملیاں جانے کیلئے ریلوے اسٹیشن گئے وہاں گاڑی کھڑی تھی اور گاڑی میں میرا یسرین دوست غلام رسول بیٹھا ہوا تھا غلام رسول میرا کلاس فیلو ہے اس کے تین بہن بھائی ہیں اس کا باپ محکمہ پولیس اور غلام رسول ہے غلام رسول بہت اچھا لڑکا ہے۔ اگر اسے میرا پسندیدہ استاد پر مضمون لکھنے کو کہا جاتا تو وہ کچھ یوں شروع ہوتا ماسٹر افتخار میرے بے حد پسندیدہ استاد ہیں ایک روز میں ان کے گھر گیا وہاں میرا یسرین دوست غلام رسول بیٹھا ہوا تھا غلام رسول میرا کلاس فیلو ہے اس کے تین بہن بھائی ہیں اس کا باپ محکمہ پولیس اور غلام رسول وغیرہ وغیرہ ظاہر جب بھی ایک کرکٹ میچ یا ایک پکنک کی باری آتی تو وہاں بھی غلام رسول موجود ہوتا ایک ماسٹر صاحب نے تنگ آکر کہا دیکھو مشتاق یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہر جگہ تمہارا یسرین دوست غلام رسول موجود ہو آج تم ہوائی جہاز پر مضمون لکھو اور یاد رکھنا کہ غلام رسول ہوائی جہاز میں موجود نہیں ہے دوسرے روز مشتاق ہوائی جہاز کا سفر جو مضمون لکھ کر لایا وہ کچھ اس طرح کا تھا میں اپنے ماں باپ کے ساتھ ایئر پورٹ پر گیا وہاں جہاز کھڑا تھا ہم اس میں بیٹھ گئے جہاز میں غلام رسول نہیں تھا پھر جہاز اڑنے لگا تو میں نے کھڑکی سے نیچے جھانکا تو میں نے دیکھا کہ زمین پر میرا یسرین دوست غلام رسول جا رہا ہے غلام رسول میرا کلاس فیلو ہے اس کے تین بہن بھائی ہیں اس کا باپ محکمہ پولیس اور غلام رسول۔ غلام رسول۔ ماسٹر صاحب نے یہ مضمون پڑھ کر مولا بخش پکڑ لیا اور مشتاق غریب کا جلوس نکال دیا۔

مستنصر حسین تارڑ کی کتاب گزارہ نہیں ہوتا سے اقتباس

انتخاب عابد قادری منڈی وارثن

سرخادم

ماریہ رحمن۔ شورکوٹ کینٹ

گاڑی جونہی ایف جی پبلک سکول کے سامنے رکی نیچے اتر کر سکول کی طرف چل پڑے۔ عائشہ اور ربعہ بھی گاڑی سے اتریں اور تیز چل پڑیں۔ جب وہ سکول کے گیٹ تک پہنچیں تو پیچھے سر خادم سائیکل پر آرہے تھے۔ دونوں نے سر کو سلام کیا۔ وعلیکم سلام بیٹا! کیسی ہو دونوں نے جواب دیا، سر ٹھیک ہیں عائشہ بیٹے ماریہ کا کیا حال ہے۔ آج نظر نہیں آرہی سر اسکی طبیعت ٹھیک نہیں تھی آپ کو سلام کہہ رہی تھی۔ میری طرف سے اسے سلام دینا۔ سر خادم نے کہا اور آفس کی طرف چل پڑے۔ چھٹی کے بعد عائشہ نے گھر آتے ہی سر کا سلام ماریہ کو دیا۔ ماریہ اور عائشہ دونوں بہنیں ہیں دونوں ایک ہی کلاس میں پڑھتی ہیں۔ سر خادم بہت اچھے استاد ہیں۔ ششم اور ہفتم دونوں جماعتوں کے انچارج رہے۔ وہ جب بھی کلاس میں آتے تو سب سے پہلے بچوں کا حال پوچھتے ہیں۔ جب کوئی پڑھ نہ آئے تو پوچھتے ہیں اسے کیا ہوا ہے اور اگر وہ بیمار ہو تو اس کیلئے بہت دعا مانگتے ہیں دوسرے دن جب ماریہ سکول گئی ماریہ عائشہ اور ربعہ جب بس سے اتریں تو سر خادم سائیکل پر آرہے تھے۔ انہوں نے جونہی ماریہ کو دیکھا تو سائیکل سے اتر پڑے ماریہ نے سر کو سلام کیا سر نے جواب دیا اور کہنے لگے ارے یہ تو ماریہ بیٹا آیا ہے۔ ٹھیک ہو بیٹا اب چل لیتی ہو سر ماریہ سے پوچھنے لگے۔ ماریہ کا سانس پھول جاتا تھا اس لئے وہ اور اس کی باجی تھوڑا ستانے کیلئے رک جاتی تھیں۔ باجی یہ بیگ اٹھا کر چلنے لگی تو سر نے کہا نہیں بیٹا آپ نے اٹھائیں اپنے بھانجے کو آواز دیکر بیگ پکڑایا اور ماریہ کو سائیکل پر بٹھا کر کلاس روم کے سامنے اتارا ایسے شفیق استاد بہت کم ملتے ہیں لیکن اللہ میاں کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسے محبت کرنے والے اور محنت اور خلوص سے پڑھانے والے استاد ہمیں ملے ہیں اس لئے ہمارے سکول کے طلبہ اپنے استادوں کا بہت ادب کرتے ہیں ذرا بھی کوئی سریا میڈم بیمار ہو تو ان کیلئے دعا مانگتے ہیں۔

مجھے یہ باتیں بہت شدت سے یاد آتی ہیں

عائشہ خان آفریدی ملتان سے

یہ بات بھی بالکل سچ ہے کہ ہر سٹوڈنٹ کا کوئی نہ کوئی فیورٹ ٹیچر ضرور ہوتا ہے ہاں ایسا میرے ساتھ بھی ہے۔ مجھے بھی ایک ٹیچر بہت پسند ہے بلکہ بہت زیادہ سمپل سی رہنے والی یہ ٹیچر، بہت ہی خوبصورت انداز کی حامل ہیں انکے پڑھانے، سمجھانے ٹیسٹ لینے کا انداز مجھے بہت عزیز ہے اور میرے دل کو بھاتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ ان کی تمام باتوں کے ساتھ ساتھ انکا نام بھی یہاں لکھنا ضروری ہے کیونکہ ہمیشہ اچھے انسانوں کو اور انکے ناموں کو یاد رکھا جاتا ہے۔ میری ٹیچر کا نام سیدہ نوشین بخاری ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ان چار سالوں میں کسی دن میں نے یا کسی بھی لڑکی نے ہوم ورک نہ کیا یا دیر نہ کیا تو ٹیچر نے اس کی وجہ ضرور پوچھی۔ ریزن تو ہر اچھی ٹیچر یا اچھے استاد ضرور پوچھتے ہیں مگر ایسے کوئی نہ پوچھتا ہوگا جیسے ہماری ٹیچر پوچھتی ہیں۔ ان چار سالوں میں میں نے اپنی ٹیچر کے بہت سے لیکچرز سنے کچھ واقعات سنے یہ سب کچھ مجھے ابھی تک یاد ہے اور انشاء اللہ ساری زندگی رہے گا ان میں سے کچھ بالکل بہت کچھ میں آپ کو ضرور بتاؤں گی۔ حال ہی میں مس نوشین بخاری نے ہم سے ایک سوال پوچھا آپ میں سے نماز کون کون پڑھتا ہے؟ ویسے تو سب نے ہاتھ کھڑے کئے مگر کچھ نے کہا ہم یہ نماز پڑھتے ہیں اور یہ نہیں وغیرہ وغیرہ اس پر ٹیچر نے کہا کہ کیا آپ کو گھر سے محبت ہے۔ اگر ہے تو اللہ میاں سے کہیں زیادہ ہوگی۔ پلیز اسی کی خاطر کہ آپ کو اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے نماز پڑھیے۔ جیسے ہی آذان سنیں فوراً کھڑے ہو جائیں اس طرح سے نماز پڑھنے کی عادت بنے گی۔ تو آج سے اپنے آپ سے وعدہ کریں آپ نماز ضرور پڑھیں گے۔ نہ صرف نماز پڑھیں بلکہ قرآن کی تلاوت بھی کریں اور یہ بات دل میں رکھیں کہ آپ کو شیطان کو شکست دینی ہے۔ شیطان کو ناراض کرنا ہے اور اللہ جی کو خوش کرنا ہے۔

سمیرا اور مہوش کی لڑائی

ایک دن ہماری کلاس میں سمیرا اکرام اور مہوش پاشا کی لڑائی ہو گئی جس پر ان کے منہ سے کچھ سخت الفاظ نکلے۔ اس پر ٹیچر نے انہیں سمجھایا۔ اور ایک مثال بھی دی۔ وہ یہ ہے اپنے منہ سے آپ کبھی بھی سخت الفاظ نہ نکالیں کیونکہ میرے ساتھ بھی ایسا ہو چکا ہے ہمارے ایک انکل ہیں جو اپنی بیٹیوں کی شادی جلد کر دیتے ہیں۔ میں ابھی میٹرک میں تھی۔ وہ ہمارے گھر آئے اور مجھ سے مذاق میں کہا کہ تم میٹرک کر لو تمہارے ابو سے بات کرتا ہوں کہ اس کی شادی جلد از جلد کر دیں۔ مجھے ان کی اس بات پہ غصہ آگیا اور میں نے ان سے کہا کہ آپ کے ہاں تو یہ رواج ہوگا مگر ہمارے ہاں نہیں ہے۔ دیر سے شادی کرتے ہیں اس وقت ایسی کوئی بھی بات نہ تھی۔ کیونکہ میرے ابو کہتے تھے کہ یہ میرا بیٹا ہے جب یہ پڑھ لے گا تو میں پھر اس کی شادی کروں گا۔ ہمارے معاشرے میں عموماً ایسا ہوتا ہے لوگ بیٹیوں کی شادی جلد کر دیتے ہیں اور بیٹوں کی دیر سے مگر میرے ذہن میں یہ تھا کہ میں ابو کا بیٹا ہوں اور ابھی میری اتنی جلدی شادی نہیں ہوگی۔ جی میں ایف اے میں آئی تو میری منگنی ہو گئی اور کچھ دنوں بعد میرا نکاح ہو گیا۔ وہ دن اور آج کا دن ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی۔ اسی لئے کہتی ہوں کہ اپنے منہ سے سخت الفاظ مت نکالا کریں اللہ جی کسی بھی بات سے پکڑ سکتا ہے۔ چاہے وہ بات چھوٹی ہو یا بڑی یوں ایک اور بات بتاؤں انہیں چیخوں سے سخت نفرت تھی بتانے لگیں کہ میں نے زندگی میں کبھی بھی چیخ نہ نکالی ایک دن ہمارے گھر کوئی آئیں ان کے منہ سے زور سے چیخ نکلی میری اس بات پر ان سے ذرا سخت کلامی ہوئی مگر دوسرے دن میں اپنی دوست سے فون پر بات کر رہی تھی کہ ایک دم اچانک ریسور میرے ہاتھ سے گر گیا اور میری اتنی زور سے منہ سے چیخ نکلی وہ میری زندگی کی پہلی چیخ تھی۔ اسی لئے کہتی ہوں اور سمجھاتی ہوں آپ لوگوں کو آرام سے اور سوچ سمجھ کر بات کرنا چاہئے کیونکہ میرے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ کسی بھی دن منہ سے خدانخواستہ کوئی سخت لفظ نکل آئے تو اللہ میاں فوراً پکڑ لیتے ہیں۔ ساتھیو! یہ تو تھیں میری ٹیچر کی چند بہت ہی خوبصورت باتیں۔ جب بھی کوئی کام کرنے لگو۔ کوئی بات کرنے لگو نماز پڑھنے لگو۔ یا چادر پہننے لگو ہی سب باتیں مجھے بہت شدت سے یاد آتی ہیں۔ اور میرے دل پر گہرا اثر چھوڑتی جاتی ہیں۔ تو خوشی یہ ہوگی کہ میری تحریر چھپ جائے اور میری ٹیچر پڑھ کر ایڈیٹر بھیا اور سارے پھول ساتھی اس کو پڑھ کر مجھے بہت ساری دعائیں دیں۔

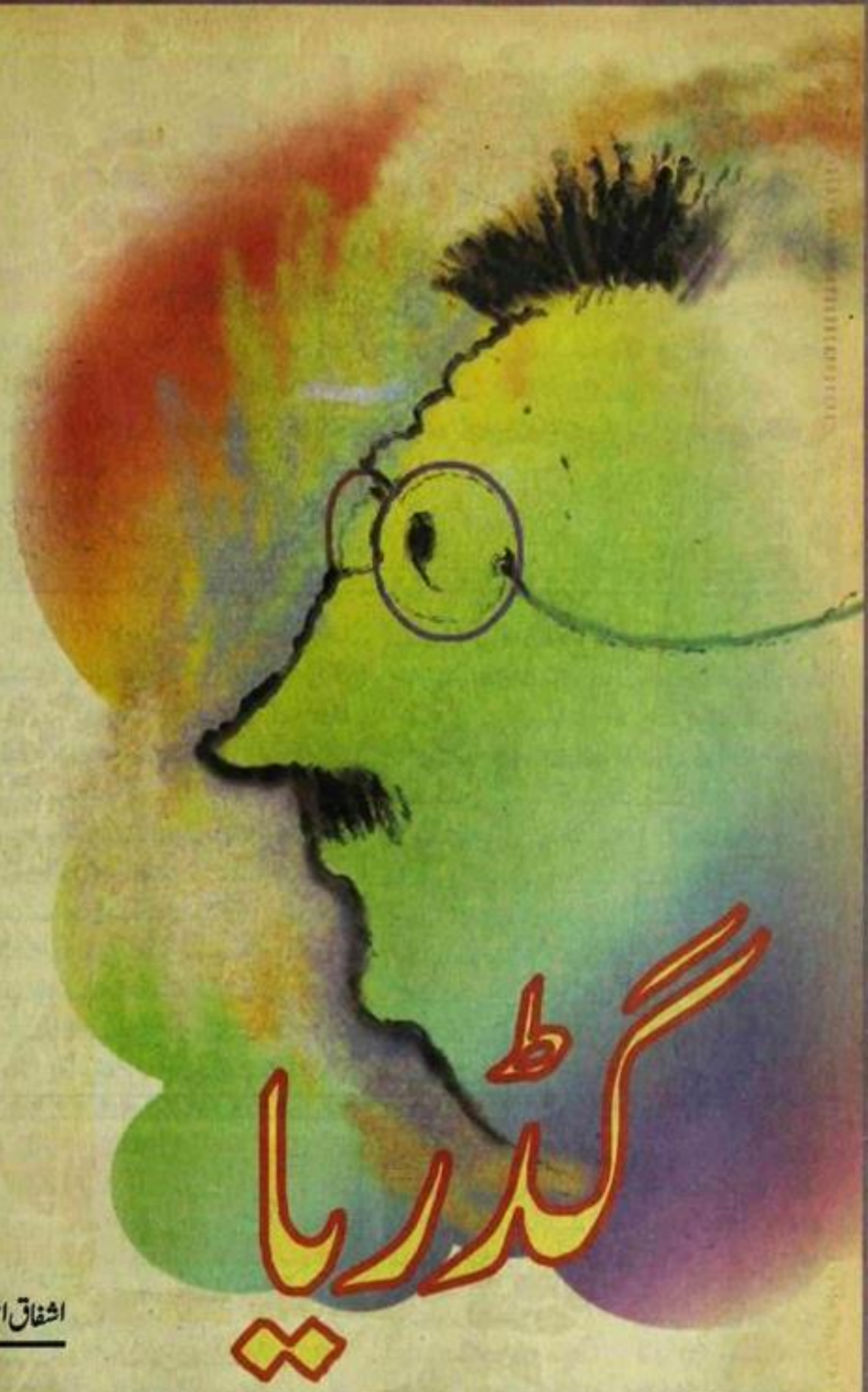

گڈریا

اشفاق احمد

اشفاق احمد کے اجلے پھولوں میں سے ایک خوشبودار پھول کا انتخاب ایک گڈریئے کی کہانی ہے ایک ان پڑھ کی کہ میں نے محسوس کیا کہ وہ ان پڑھ نہ تھا۔

انتخاب ماریہ مجید۔۔۔ پہلا حصہ

یہ سردیوں کی ایک یخ بستہ اور طویل رات کی بات ہے۔ میں اپنے گرم بستر میں سر ڈھانپے گہری نیند سو رہا تھا کہ کسی نے جھنجھوڑ کر مجھے جگا دیا۔ "کون ہے؟" میں نے چیخ کر پوچھا اور اس کے جواب میں ایک بڑا سا ہاتھ میرے سر سے ٹکرایا اور گھپ اندھیرے سے آواز آئی۔ "تھانے والوں نے رانو کو گرفتار کر لیا۔" "کیا؟" میں نے لرزتے ہاتھ کو پرے دھکیلنا چاہا۔ "کیا ہے؟" اور تاریکی کا بھوت بولا۔ "تھانے والوں نے رانو کو گرفتار کر لیا..... اس کا فارسی میں ترجمہ کرو"۔

"داؤ جی کے چچے۔" میں نے روہانسے ہو کر کہا۔ "آدھی آدھی رات تنگ کرتے ہیں..... دفع ہو جاؤ..... میں نہیں آپ کے گھر رہتا۔ میں نہیں پڑھتا..... داؤ جی کے چچے.....!" اور میں رونے لگا۔ داؤ جی نے چمکار کر کہا۔ "اگر پڑھے گا نہیں تو پاس کیسے ہو گا؟ پاس نہیں ہو گا تو ذرا آدمی نہ بن سکے گا پھر لوگ تیرے داؤ کو کیسے جانیں گے؟" "اللہ کرے سب مر جائیں۔ آپ بھی آپ کو جاننے والے بھی..... اور میں بھی..... میں بھی..... میں بھی"۔ اپنی جولانا مرگی پر میں ایسا رویا کہ دو ہی لمحوں میں کھسکھی بندھ گئی۔ داؤ جی بڑے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرے جاتے تھے اور کہہ رہے تھے "بس اب چپ کر۔ شاباش..... میرا اچھا لعل۔ اس وقت یہ ترجمہ کر دے پھر نہیں جگاؤں گا۔"

آنسوؤں کا تار ٹوٹتا جا رہا تھا۔ میں نے جل کر کہا۔ "آج حرامزادے رانو کو پکڑ کر لے گئے کل کسی اور کو پکڑ لیں گے۔ آپ کا ترجمہ تو....." "نہیں نہیں۔" انہوں نے بات کاٹ کر کہا۔ "میرا تیرا وعدہ رہا آج کے بعد رات کو جگا کر کچھ نہ پوچھوں گا..... شاباش اب سو جا" تھانے والوں نے رانو کو گرفتار کر لیا۔" میں نے روٹھ کر کہا۔ "مجھے نہیں آتا۔" "فوراً نہیں کہہ دیتا ہے۔" انہوں نے سر سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "کوشش تو کر"۔ "نہیں کرتا۔" میں نے جل کر جواب دیا۔

اس پر وہ ذرا ہنسے اور بولے۔ "کارکنان گزمہ خانہ رانو را توقیف کردند..... کارکنان گزمہ خانہ' تھانے والے' بھولنا نہیں نیا لفظ ہے' نئی ترکیب ہے دس مرتبہ کہو۔" مجھے پتہ تھا کہ یہ ملا ٹلنے والی نہیں ناچار گزمہ خانہ والوں کا پہاڑہ شروع کر دیا۔ جب دس مرتبہ کہہ چکا تو داؤ جی نے مری لجاجت سے کہا اب سارا فقرہ پانچ مرتبہ کہو۔ جب بچکانہ مصیبت بھی ختم ہوئی تو انہوں نے مجھے آرام سے بستر میں لٹاتے ہوئے اور رضائی اوڑھاتے ہوئے کہا۔ "بھولنا نہیں! صبح اٹھتے ہی پوچھوں گا۔"

پھر وہ جدھر سے آئے تھے ادھر لوٹ گئے۔ شام کو جب میں ملا جی سے سیپارے کا سبق لے کر لوٹتا تو خراسیوں والی گلی سے ہو کر اپنے گھر جایا کرتا۔ اس گلی میں طرح طرح کے لوگ بستے تھے مگر میں صرف موٹے ماشکی سے واقف تھا جس کو ہم سب "کدو کریلا ڈھائی آنے" کہتے تھے۔ ماشکی کے گھر کے ساتھ بکریوں کا ایک باڑہ تھا جس کے تین طرف کچے مکانوں کی دیواریں اور سامنے کے رخ آڑی ترچھی لکڑیوں اور خاردار جھاڑیوں کا اونچا اونچا جنگلا تھا۔ اس کے بعد ایک چوکور میدان آتا' پھر لنگڑے کمہار کی کوٹھڑی اور اس کے ساتھ گیرو رنگی کھڑکیوں اور پیتل کی کیلوں والے دروازے کا ایک چھوٹا سا پکا مکان۔ اس کے بعد گلی میں ذرا سا خلا پیدا ہوتا اور قدرے تنگ ہو جاتی۔ پھر جوں جوں اس کی لمبائی بڑھتی توں توں اس کے دونوں بازو بھی ایک دوسرے کے قریب آتے جاتے۔ شاید وہ ہمارے قصبے میں سب سے لمبی گلی تھی اور حد سے زیادہ سنسان! اس میں اکیلے چلتے ہوئے مجھے ہمیشہ یوں لگتا تھا جیسے میں بندوق کی نالی میں چلا جا رہا ہوں اور جونہی میں اس کے دہانے سے باہر نکلوں گا زور سے "ٹھائیں" ہو گا اور میں مر جاؤں گا۔ مگر شام کے وقت کوئی نہ کوئی راہگیر اس گلی میں ضرور مل جاتا اور میری جان بچ جاتی۔ ان آنے جانے والوں میں کبھی کبھار ایک سفید مونچھوں والا لمبا سا آدمی بھی ہوتا جس کی شکل بارہ ماہ والے ملکھی سے بہت ملتی تھی۔ سر پر ململ کی بڑی سی پگڑی۔ ذرا سی خمیدہ کمر پر خاکی رنگ کا ڈھیلا اور لمبا کوٹ' گھٹنوں تک پاجامہ اور پاؤں میں فلیٹ بوٹ۔ اکثر اس کے ساتھ میری ہی عمر کا ایک لڑکا بھی ہوتا جس نے عین اسی طرح کے کپڑے پہنے ہوتے اور وہ آدمی سر جھائے اور اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے آہستہ آہستہ اس سے باتیں کیا کرتا۔ جب وہ میرے

برابر آتے تو لڑکا میری طرف دیکھتا اور میں اس کی طرف اور پھر ایک ثانیہ مجھے یا عمر گزوں کو ذرا ذرا موڑتے ہم اپنی اپنی راہ چلے جاتے۔

ایک دن جب میں اور میرا بھائی مچھیاں کے جوہڑ سے مچھلیاں پکڑنے کی ناکام کوشش کے بعد قصبہ کو واپس آرہے تھے تو نہر کے پل پر یہی آدمی اپنی پگڑی گود میں ڈالے بیٹھا تھا اور اس کی سفید چٹیا مرغی کے پر کی طرح اس کے سر سے چپکی ہوئی تھی۔ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے میرے بھائی نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر زور سے کہا۔ "داؤجی سلام"۔ اور داؤجی نے سر ہلا کر جواب دیا۔ "جیتے رہو"۔ یہ جان کر کہ میرا بھائی اس سے واقف ہے میں بے حد خوش ہوا اور تھوڑی دیر بعد اپنی منحنی آواز میں چلایا۔ داؤجی سلام"۔

"جیتے رہو! انہوں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا۔ اور میرے بھائی نے پٹاخ سے مجھے زناٹے کا ایک تھپڑ دیا۔ "شیخی خورے، کتے۔" وہ چیخا۔ "جب میں نے سلام کر دیا تو تیری کیا ضرورت رہ گئی تھی؟ ہر بات میں اپنی ٹانگ پھنساتا ہے کمینہ..... بھلا کون ہے وہ؟" "داؤجی"۔ میرے بھائی نے تنک کر پوچھا۔ "وہ جو مچھے ہیں وہ داؤجی۔" میں نے آنسو پی کر کہا۔

"بکواس نہ کر۔" میرا بھائی چڑ گیا اور آنکھیں نکال کر بولا۔ "ہر بات میں میری نقل کرتا ہے کتا..... شیخی خورا۔" پھر میں نہیں بولا اور خاموشی کے ساتھ راہ چلتا رہا۔ دراصل مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ داؤجی سے تعارف ہو گیا۔ اس کا رنج نہ تھا کہ بھائی نے مجھے تھپڑ کیوں مارا۔ وہ تو اس کی عادت ہی تھی۔ مرا تھا اس لئے ہر بات میں اپنی شیخی بگھارتا تھا۔ داؤجی سے علیک سلیک تو ہو ہی گئی تھی۔ اس لئے میں کوشش کر کے گلی سے اس وقت گزرنے لگا جب وہ آجا رہے ہوں۔ انہیں سلام کر کے بڑا مزہ آتا تھا اور جواب پا کر اس سے بھی زیادہ۔ وہ جیتے رہو ایسی محبت سے کہتے کہ زندگی دو چند سی ہو جاتی اور آدمی زمین سے ذرا اوپر اٹھ کر ہوا میں چلنے لگتا..... سلام کا یہ سلسلہ کوئی سال بھر یونہی چلتا رہا اور اس اثناء میں مجھے اسی قدر معلوم ہو سکا کہ داؤجی گیرو رنگی کھڑکیوں والے مکان میں رہتے ہیں اور چھوٹا لڑکا ان کا بیٹا ہے۔ میں نے اپنے بھائی سے ان کے متعلق کچھ اور بھی پوچھنا چاہا مگر وہ بڑا سخت آدمی تھا اور میری چھوٹی سے چھوٹی بات پر چڑ جاتا تھا۔ میرے ہر سوال کے جواب میں اس کے پاس گھڑے گھڑائے دو فقرے ہوتے تھے۔ "تجھے کیا" اور "بکواس نہ کر"۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ میرے تجسس کا یہ سلسلہ زیادہ دیر تک نہ چلا۔ اسلامیہ پرائمری سکول سے چوتھی پاس کر کے میں ایم بی ہائی سکول کی پانچویں جماعت میں داخل ہوا تو داؤجی کا لڑکا میرا ہم جماعت نکلا۔ اس کی مدد سے اور اپنے بھائی کا احسان اٹھائے بغیر میں یہ جان گیا کہ داؤجی کھتری تھے اور قصبہ کی منصفی میں عرضی نویسی کا کام کرتے تھے۔ لڑکے کا نام امی چند تھا اور وہ جماعت میں سب سے ہشیار تھا۔ اس کی پگڑی کلاس بھر میں سب سے بڑی تھی اور چہرہ بلی کی طرح چھوٹا۔ چند لڑکے اسے میاؤں کہتے تھے اور باقی نیولا کہہ کر پکارتے تھے۔ مگر میں داؤجی کی وجہ سے اس کو اس کے اصلی نام ہی سے پکارتا تھا اس لئے وہ میرا دوست بن گیا اور ہم نے ایک دوسرے کو نشانیاں دے کر پکے یار بنے رہنے کا وعدہ کر لیا۔ گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہونے میں کوئی ایک ہفتہ ہو گا جب میں امی چند کے ساتھ پہلی مرتبہ اس کے گھر گیا۔ وہ گرمیوں کی ایک جھلسا دینے والی دوپہر تھی۔ لیکن شیخ چلی کی کہانیاں حاصل کرنے کا شوق مجھ پر بھوت بن کر سوار تھا اور میں بھوک اور دھوپ دونوں سے بے پروا ہو کر سکول سے سیدھا اس کے ساتھ چل دیا۔ امی چند کا گھر چھوٹا سا تھا لیکن بہت ہی صاف ستھرا اور روشن پیتل کی کیلوں والے دروازے کے بعد ذرا سی ڈیوڑھی تھی آگے مستطیل صحن، سامنے سرخ رنگ کا برآمدہ اور اس کے پیچھے اتنا ہی بڑا ایک کمرہ، صحن میں ایک طرف انار کا پیڑ، عقیق کے چند پودے اور دھنیا کی ایک چھوٹی سی کیاری تھی۔ دوسری طرف چوڑی سیڑھی کا ایک زینہ جس کی محراب تلے مختصر سی رسوئی تھی۔ گیرو رنگی کھڑکیاں ڈیوڑھی سے ملحقہ بھٹک میں کھلتی تھیں اور بھٹک کا دروازہ نیلے رنگ کا تھا۔ جب ہم ڈیوڑھی میں داخل ہوئے تو امی چند نے چلا کر "بے بے نمستے!" کہا اور مجھے صحن کے بیچوں بیچ چھوڑ کر بھٹک میں گھس گیا۔ برآمدے میں بوریا بچھائے بے بے مشین چلا رہی تھی اور اس کے پاس ہی ایک لڑکی بڑی سی قینچی سے کپڑے قطع کر رہی تھی۔ بے بے نے منہ ہی منہ میں کچھ جواب دیا اور ویسے ہی مشین چلاتی رہی۔ لڑکی نے نگاہیں اٹھا کر میری طرف دیکھا اور گردن موڑ کر کہا۔ "بے بے شاید ڈاکٹر صاحب کا لڑکا ہے"۔ مشین رک گئی۔ "ہاں ہاں"۔ بے بے نے مسکرا کر کہا اور ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنی طرف بلایا۔ میں اپنے جزدان کی رسی مروڑتا اور ٹیڑھے ٹیڑھے پاؤں دھرتا برآمدے کے ستون کے ساتھ آلگا۔ "کیا نام ہے تمہارا؟" بے بے نے چہکار کر پوچھا اور میں نے نگاہیں جھکا کر آہستہ سے اپنا نام بتایا۔

"آفتاب سے بہت شکل ملتی ہے"۔ اس لڑکی نے پھٹی زمین پر رکھ کر کہا۔ "ہے نا بے بے"۔ "آفتاب کیا"؟ اندر سے آواز آئی۔ "آفتاب کیا ماں؟" "آفتاب کا بھائی ہے داؤجی"۔ لڑکی نے رکتے ہوئے کہا۔ "امی چند کے ساتھ آیا ہے"۔ اندر سے داؤجی برآمد ہوئے۔ انہوں نے گھٹنوں تک اپنا پاجامہ چڑھا رکھا اور کرتا اتارا ہوا تھا۔ مگر سر پر پگڑی بدستور تھی۔ پانی کی ایک ہلکی سی بالٹی اٹھائے وہ برآمدے میں آگئے اور میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "ہاں بہت شکل ملتی ہے اور یہ گولو مولو سا ہے"۔ پھر بالٹی فرش پر رکھ کے انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور پاس ہی کاٹھ کا ایک سٹول کھینچ کر اس پر بیٹھ گئے۔ زمین سے پاؤں اوپر اٹھا کر انہوں نے آہستہ سے انہیں جھاڑا اور پھر بالٹی میں ڈال دیئے۔ "آفتاب کا خط آتا ہے؟" انہوں نے بالٹی سے پانی کے چلو بھر بھر کر ٹانگوں پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"آتا ہے جی"۔ میں نے ہولے سے کہا۔ "پرسوں آیا تھا"۔ "کیا لکھتا ہے؟" "پتہ نہیں جی بابا جی کو پتہ ہے"۔ "اچھا"۔ انہوں نے سر ہلا کر کہا۔ "تو بابا جی سے پوچھا کرنا!..... جو پوچھتا نہیں اسے کسی بھی بات کا علم نہیں ہوتا"۔ میں چپ رہا۔

تھوڑی دیر انہوں نے ویسے ہی چلو ڈالتے پوچھا۔ "کون سا سیپارہ پڑھ رہے ہو؟" "چوتھا" میں نے وثوق سے جواب دیا۔ "کیا نام ہے تیسرے سیپارے کا؟" انہوں نے پوچھا۔ "جی پتہ نہیں"۔ میری آواز پھر ڈوب گئی۔ "تلک الرسل"۔ انہوں نے پانی سے ہاتھ باہر نکال کر کہا۔ پھر تھوڑی دیر وہ ہاتھ جھٹکتے اور ہوا میں لہراتے رہے۔ بے بے مشین چلاتی رہی، وہ لڑکی نعمت خانے سے روٹی نکال کر برآمدے کی چوکی پر لگانے لگی اور میں جزدان کی ڈوری کھولتا لپیٹتا رہا۔ امی چند ابھی تک بھٹک کے اندر ہی تھا اور میں ستون کے ساتھ ساتھ جھینپ کی عمیق گہرائیوں میں اترتا جا رہا تھا۔ معاً داؤجی نے نگاہیں میری طرف پھیر کر کہا۔ "سورۃ فاتحہ سناؤ" "مجھے نہیں آتی جی"۔ میں نے شرمندہ ہو کر کہا۔ انہوں نے حیرانی سے میری طرف دیکھ اور پوچھا۔ "الحمد للہ بھی نہیں جانتے" "الحمد للہ تو جانتا ہوں جی۔" میں نے جلدی سے کہا۔ وہ ذرا مسکرائے اور گویا اپنے آپ سے کہنے لگے۔ "ایک ہی بات ہے! ایک ہی بات ہے!!" پھر انہوں نے سر کے اشارے سے کہا۔ "سناؤ" جب میں سنانے لگا تو انہوں نے اپنا پاجامہ گھٹنوں سے نیچے کر لیا اور پگڑی کا شملہ چوڑا کر کے گندھوں پر ڈال لیا اور جب میں نے والا الضالین کہا تو میرے ساتھ ہی انہوں نے بھی آمین کہا۔ مجھے خیال ہوا کہ وہ ابھی اٹھ کر مجھے کچھ انعام دیں گے کیونکہ پہلی مرتبہ جب میں نے اپنے نانا جی کو الحمد سنائی تھی تو انہوں نے بھی ایسے ہی آمین کیا تھا اور ساتھ ہی ایک روپیہ مجھے انعام بھی دیا تھا مگر داؤجی اسی طرح رہے بلکہ اور بھی پتھر ہو گئے۔ اتنے میں امی چند کتاب تلاش کر کے لے آیا اور جب میں چلنے لگا تو میں نے عادت کے خلاف آہستہ سے کہا "داؤجی سلام" اور انہوں نے ویسے ہی ڈوبے ڈوبے ہولے سے جواب دیا۔ "جیتے رہو"؟ بے بے نے مشین روک کر کہا۔ "کبھی کبھی امی چند کے ساتھ کھیلنے آجایا کر....." "ہاں ہاں آجایا کر۔" داؤجی چونک کر بولے۔ "آفتاب بھی آیا کرتا تھا"؟ پھر انہوں نے بالٹی پر جھکتے ہوئے کہا۔ "ہمارا آفتاب تو ہم سے بہت دور ہو گیا"۔ اور فارسی کا شعر پڑھنے لگے۔ یہ داؤجی سے میری باقاعدہ پہلی ملاقات تھی اور اس ملاقات سے میں یہ نتائج اخذ کر کے چلا کہ داؤجی بڑے کنجوس ہیں۔ حد سے زیادہ چپ سے ہیں اور کچھ سرے سے ہیں۔ اسی دن شام کو میں نے اپنی اماں کو بتایا کہ میں داؤجی کے گھر گیا تھا اور وہ آفتاب بھائی کو بہت یاد کر رہے تھے۔ اماں نے قدرے تلخی سے کہا۔ "تو مجھ سے پوچھ تو لیتا۔ بے شک آفتاب ان سے پڑھتا رہا ہے اور ان کی بہت عزت کرتا ہے مگر تیرے بابا جی ان

میرے لئے میرے باپ سے بڑھ کر میرا استاد ہے۔ میرا باپ مجھے آسمان سے زمین تک لیکر آیا اور میرا استاد مجھے زمین سے آسمان تک لیکر گیا۔ (سکندر اعظم)

سے بولتے نہیں ہیں۔ کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا سو اب تک ناراضی چلی آتی ہے۔ اگر انہیں پتہ چل گیا کہ تو ان کے ہاں گیا تھا وہ خفا ہوں گے۔" پھر اماں نے ذرا ہمدردی سے کہا۔ "اپنے ابا سے اس کا ذکر نہ کرنا۔"

میں ابا جی سے بھلا اس کا ذکر کیوں کرتا مگر سچی بات تو یہ ہے کہ میں داؤ جی کے ہاں جاتا رہا اور خوب خوب ان سے معتبری کی باتیں کرتا رہا۔ وہ چٹائی بچھائے کوئی کتاب پڑھ رہے ہوتے۔ میں آہستہ سے ان کے پیچھے جا کر کھڑا ہو جاتا اور وہ کتاب بند کر کے کہتے "گولو آگیا۔" پھر میری طرف مڑتے اور ہنس کر کہتے۔ "کوئی گپ سنا"۔ اور میں اپنی بساط اور سمجھ کے مطابق ڈھونڈ ڈھانڈ کے کوئی بات سناتا تو وہ خوب ہنستے۔ بس یونہی میرے لئے ہنستے' حالانکہ مجھے اب محسوس ہوتا ہے کہ وہ کچھ ایسی دلچسپ باتیں بھی نہ ہوتی تھیں۔ پھر وہ اپنے رجسٹر سے کوئی کاغذ نکال کر کہتے' لے ایک سوال نکال۔ اس بات سے میری جان جاتی تھی لیکن ان کا وعدہ مدار سیلا ہوتا کہ ایک سوال اور پندرہ منٹ باتیں۔ اس کے بعد ایک اور سوال اور پھر پندرہ منٹ باتیں' چنانچہ میں مان جاتا اور کاغذ لے کر بیٹھ جاتا لیکن ان کے خود ساختہ سوال کچھ ایسے الجھیلے ہوتے کہ اگلی باتوں اور اگلے سوالوں کا وقت بھی نکل جاتا۔ اگر خوش قسمتی سے سوال جلد حل ہو جاتا تو وہ چٹائی کو ہاتھ لگا کر پوچھتے۔ "یہ کیا ہے؟" "چٹائی" میں منہ پھاڑ کر جواب دیتا۔ "اوں ہوں" وہ سر ہلا کر کہتے "فارسی میں بتاؤ"۔ تو میں تنگ کر جواب دیتا۔ "داؤ جی ہمیں کوئی فارسی پڑھائی جاتی ہے"۔ اس پر وہ چمکار کر کہتے۔ "میں پڑھاتا ہوں گولو میں جو سکھاتا ہوں..... سنو! فارسی میں بوریا' عربی میں حصیر"۔ میں شرارت سے ہاتھ جوڑ کر کہتا۔ "محسوجی محسو' فارسی بھی اور عربی بھی۔ میں نہیں پڑھتا جی معاف کرو۔" مگر وہ سنی ان سنی ایک کر کے کہے جاتے فارسی بوریا عربی حصیر۔ اور پھر کوئی چاہے اپنے کانوں میں سیسہ بھر لیتا داؤ جی کے الفاظ گھستے چلے جاتے..... امی چند کتابوں کا کیڑا تھا۔ سارا دن بیٹھک میں بیٹھا لکھتا پڑھتا رہتا۔ داؤ جی اس کے لوقات میں مخل نہ ہوتے تھے لیکن ان کے داؤ امی چند پر بھی برابر ہوتے رہتے۔ وہ اپنی نشست سے اٹھ کر گڑھے سے پانی پینے آیا۔ داؤ جی نے کتاب سے نگاہیں اٹھا کر پوچھا۔ "بھاؤ کا ناؤن کیا ہے؟"

اس نے گلاس منہ کے ساتھ لگائے لگائے "ڈیڈ" کہا اور پھر گلاس گھڑونچی تلے پھینک کر اپنے کمرے میں آگیا۔ داؤ جی پھر پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ گھر میں ان کو اپنی امی سے مرا پیار تھا۔ ہم سب اسے بی بی کہہ کر پکارتے تھے۔ اکیلے داؤ جی نے اس کا نام قمر قرار رکھا ہوا تھا۔ اکثر بیٹھے بیٹھے ہانک لگا کر کہتے "قمرو بھایہ قینچی تجھ سے کب چھوٹے گی؟" اور وہ اس کے جواب میں مسکرا کر خاموش ہو جاتی۔ بے بے کو اس نام سے مری چڑ تھی وہ چیخ کر جواب دیتی تو نے اس کا نام قمر قمر رکھ کر اس کے بھاگ میں کرتے لکھ دیئے ہیں۔ منہ اچھا نہ ہو تو شبد تو اچھے نکالنے چاہئیں"۔ اور داؤ جی ایک لمبی سانس لے کر کہتے "جاہل اس کا مطلب کیا جانیں"۔ اس پر بے بے کا غصہ چمک اٹھتا اور اس کے منہ میں جو آتا کہتی چلی جاتی۔ پہلے کوسنے پھر بد دعائیں اور آخر میں گالیوں پر اتر آتی۔ بی بی روکتی تو داؤ جی کہتے۔ "ہوائیں چلنے کو ہوتی ہیں بھلا اور گالیاں برسنے کو۔ تم انہیں روکو مت' انہیں ٹوکو مت"۔ پھر وہ اپنی کتابیں سمیٹتے اور اپنا محبوب حصیر اٹھا کر چپکے سے سیڑھیاں چڑھ جاتے۔ نویں جماعت کے شروع ہی میں مجھے ایک بری عادت پڑ گئی اور اس بری عادت نے عجیب گل کھلائے۔ حکیم علی احمد مرحوم ہمارے قصبہ کے ایک ہی حکیم تھے۔ علاج معالجے سے تو ان کو کچھ ایسی دلچسپی نہ تھی لیکن باتیں بڑی مزے دار سناتے تھے۔ اولیاؤں کے تذکرے۔ جنوں بھوتوں کی کہانیاں اور حضرت سلیمان اور ملکہ سبا کی گھریلو زندگی کی داستانیں ان کے تیر بہدف ٹوٹکے تھے۔ ان کے تنگ و تاریک مطب میں معجون کے چند ڈبوں' شربت کی دس پندرہ بوتلوں اور دو آتشی شیشیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ دواؤں کے علاوہ وہ اپنی طلسماتی تقریر اور حضرت سلیمانؑ کے خاص صدری تعویذوں سے مریض کا علاج کیا کرتے۔ انہی باتوں کے لئے دور دراز گاؤں کے مریض ان کے پاس کھچے چلے آتے اور فیض یاب ہو کر جاتے۔ ہفتہ دو ہفتہ کی صحبت میں میرا ان کے ساتھ ایک معاہدہ ہو گیا۔ میں اپنے ہسپتال سے ان کے لئے خالی بوتلیں اور شیشیاں چرا کے لاتا اور اس کے بدلے میں وہ مجھے داستان امیر حمزہ کو جلدیں پڑھنے کے لئے دیا کرتے۔ یہ کتابیں کچھ ایسی دلچسپ تھیں کہ میں رات رات بھر اپنے بستر میں دبک کر انہیں پڑھا کرتا اور صبح دیر تک سویا رہتا۔ اماں میرے اس رویہ سے سخت نالاں تھیں' ابا جی کو میرے صحت برباد ہونے کا خطرہ لاحق تھا۔ لیکن میں نے ان کو بتا دیا تھا کہ چاہے جان چلی جائے اب کے دسویں میں وظیفہ ضرور حاصل کروں گا۔ رات طلسم ہوشربا کے ایوانوں میں بسر ہوتی اور دن کلاس میں بنچ پر کھڑے ہو کر۔ سہ ماہی امتحان میں فیل ہوتے ہوتے بچا۔ ششماہی میں بیمار پڑ گیا اور سالانہ امتحان کے موقعہ پر حکیم جی کی مدد سے ماسٹروں سے مل ملا کر پاس ہو گیا۔ دسویں میں صندلی نامہ' فسانہ آزاد اور الف لیلہ ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ فسانہ آزاد اور صندلی نامہ گھر پر رکھے تھے لیکن الف لیلہ سکول کے ڈیسک میں رہتی۔ آخری بنچ پر میں جغرافیہ کی کتاب تلے سندباد جہازی کے ساتھ ساتھ چلتا اور اس طرح دنیا کی سیر کرتا۔ بائیس مئی کا واقعہ ہے کہ صبح دس بجے یونیورسٹی سے نتیجہ کی کتاب ایم بی ہائی سکول پہنچی۔ امی چند نہ صرف سکول میں بلکہ ضلع بھر میں نمبر اول آیا تھا۔ چھ لڑکے فیل تھے اور بائیس پاس۔ حکیم جی کا جادو یونیورسٹی پر نہ چل سکا اور پنجاب کی جامہ دانش گاہ نے میرا نام بھی ان چھ لڑکوں میں شامل کر دیا۔ اسی شام قبلہ گاہی نے بید سے میری پٹائی کی اور گھر سے باہر نکال دیا۔ میں ہسپتال کے رہٹ کی گدی پر بیٹھا اور رات گئے تک سوچتا رہا کہ اب کیا کرنا چاہئے اور کدھر جانا چاہئے۔ خدا کا ملک تنگ نہیں تھا اور میں عمرو عیار کے ہتھکنڈوں اور سندباد جہازی کے تمام طریقوں سے واقف تھا مگر پھر بھی کوئی راہ سجھائی دیتی تھی۔ کوئی دو تین گھنٹے مسلسل اسی طرح ساکت و جامد اس گدی پر بیٹھا زیست کرنے کی راہیں سوچتا رہا۔ اتنے میں اماں سفید چادر اوڑھے مجھے ڈھونڈتی ادھر آگئیں اور ابا جی سے معافی لے دینے کا وعدہ کر کے مجھے پھر گھر لے گئیں۔ مجھے معافی وافی سے کوئی دلچسپی نہ تھی مجھے تو بس ایک رات اور ان کے یہاں گزارنی تھی اور صبح سویرے اپنے سفر پر روانہ ہونا تھا چنانچہ میں آرام سے ان کے ساتھ جا کر حسب معمول اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ اگلے دن میرے فیل ہونے والے ساتھیوں میں سے خوشیا' کوڈو اور دیسو یب یب مسجد کے پچھواڑے نال کے پاس مجھے مل گئے۔ وہ لاہور جا کر برنس کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ دیسو یب یب نے مجھے بتایا کہ لاہور میں بہت برنس ہے کیونکہ اس کے بھلا جی اکثر اپنے دوست فتح چند کے ٹھیکوں کا ذکر کیا کرتے تھے جس نے سال کے اندر اندر دو کاریں خرید لی تھیں۔ میں نے ان سے برنس کی نوعیت کے بارے میں پوچھا تو یب یب نے کہا لاہور میں ہر طرح کا برنس مل جاتا ہے۔ بس ایک دفتر ہونا چاہئے اور اس کے سامنے بڑا سا سائن بورڈ۔ سائن بورڈ کو دیکھ کر لوگ خود ہی برنس دے جاتے ہیں۔ اس وقت برنس سے مراد وہ کرنسی کے نوٹ لے رہا تھا! میں نے ایک مرتبہ وضاحت چاہی تو کوڈو چمک کر بولا۔ "یار دیسو سب کچھ جانتا ہے۔ یہ بتا تو تیار ہے یا نہیں؟"

پھر اس نے پلٹ کر دیسو سے پوچھا۔ "انارکلی میں دفتر بنائیں گے نا؟" دیسو نے ذرا سوچ کر کہا۔ "انارکلی میں یا شاہ عالمی کے باہر دونوں ہی جگہیں ایک سی ہیں۔" میں نے کہا۔ "انارکلی زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہی زیادہ مشہور جگہ ہے اور اخباروں میں جتنے بھی اشتہار نکلتے ہیں ان میں انارکلی لاہور لکھا ہوتا ہے"۔

چنانچہ یہ طے پایا کہ اگلے دن دو بجے کی گاڑی سے ہم لاہور روانہ ہو جائیں گے! گھر پہنچ کر میں سفر کی تیاری کرنے لگا۔ بوٹ پالش کر رہا تھا کہ نوکر نے آکر شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "چلو جی ڈاکٹر صاحب بلاتے ہیں"۔ "کہاں ہیں؟" میں نے برش زمین پر رکھ دیا اور کھڑا ہو گیا۔ "ہسپتال میں۔" وہ بدستور مسکرا رہا تھا کیونکہ میری پٹائی کے روز حاضرین میں وہ بھی شامل تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھا۔ پھر آہستہ سے جالی والا دروازہ کھول کر ابا جی کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں ان کے علاوہ داؤ جی بھی بیٹھے تھے۔ میں نے سہمے سہمے داؤ جی کو سلام کیا اور اس کے جواب میں بڑی دیر کے بعد جیتے رہو کی مانوس دعا سنی۔ "ان کو پہچانتے ہو؟" ابا جی نے سختی سے پوچھا۔ "بے شک!" میں نے ایک مہذب سیلز مین کی طرح کہا۔ "بے شک کے بچے' حرامزادے' میں تیری یہ سب

..... ""نہ نہ ڈاکٹر صاحب"۔ داؤجی نے ہاتھ لوپر اٹھا کر کہا۔ "یہ تو سب ہی اچھا پوچھ ہے اس کو تو....."

اور ڈاکٹر صاحب نے بات کاٹ کر تلخی سے کہا۔ "آپ نہیں جانتے منشی جی اس کمینے نے میری عزت خاک میں ملا دی۔" ""آپ فکر نہ کریں۔" داؤجی نے سر بھکائے ہوئے کہا۔ "یہ ہمارے آفتاب سے بھی ذہین ہے اور ایک دن....." "اب کے ڈاکٹر صاحب کو غصہ آگیا اور انہوں نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔ "کیسی بات کرتے ہو منشی جی! یہ آفتاب کے جوتے کی برابری نہیں کر سکتا۔" "کر لے گا' کر لے گا..... ڈاکٹر صاحب۔" داؤجی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ خاطر جمع رکھیں۔" پھر وہ اپنی کرسی سے اٹھے اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔ "میں سیر کو چلتا ہوں تم بھی میرے ساتھ آؤ راستے میں باتیں کریں گے۔" باجی اسی طرح کرسی پر بیٹھے غصے کے عالم میں اپنا جسٹر الٹ پلٹ کرتے اور بڑبڑاتے رہے۔ میں نے آہستہ آہستہ چل کر جالی والا دروازہ کھولا تو داؤجی نے پیچھے مڑ کر کہا۔ "ڈاکٹر صاحب کھول نہ جایئے گا ابھی بھجوا دیجئے گا۔" باجی نے ویسے ہی چیزیں پٹختے "اچھا" کہا اور داؤجی خدا حافظ کہہ کر میرے ساتھ ہی کمرے سے باہر نکل آئے۔ داؤجی مجھے ادھر ادھر گھماتے اور مختلف درختوں کے نام فارسی میں بتاتے نہر کے اسی پل پر لے گئے جہاں پہلے پہل میرا ان سے تعارف ہوا تھا۔ اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ کر انہوں نے پگڑی اتار کر گود میں ڈال لی' سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور کہا۔ "آج سے میں تمہیں پڑھاؤں گا اور اگر جماعت میں اول نہ لا سکا تو فرسٹ ڈویژن ضرور دلوا دوں گا۔ میرے ہر لڑکے میں خداوند تعالیٰ کی مدد شامل ہوتی ہے اور اس ہستی نے مجھے اپنی رحمت سے کبھی مایوس نہیں کیا....."

"مجھ سے پڑھائی نہ ہو گی۔" میں نے گستاخی سے بات کاٹی۔ "تو اور کیا ہو گا گولو؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔ میں نے کہا۔ "میں برنس کروں گا' روپیہ کماؤں گا اور اپنی کار لے کر یہاں آؤں گا پھر دیکھنا....." "اب کے داؤجی نے میری بات کاٹی اور بڑی محبت سے کہا۔ "خدا ایک چھوڑ تجھے دس کاریں دے لیکن ایک ان پڑھ کی کار میں نہ بیٹھوں گا نہ ڈاکٹر صاحب"۔ میں نے جل کر کہا "مجھے کسی کی پروا نہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے گھر راضی رہیں میں اپنے یہاں خوش۔"

انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "میری بھی پروا نہیں؟" میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ دکھی سے ہو گئے اور بار بار پوچھنے لگے۔ "میری بھی پروا نہیں؟ اور گولو میری بھی پروا نہیں؟" مجھے ان کے لہجہ پر ترس آنے لگا اور میں نے آہستہ سے کہا۔ "آپ کی تو ہے مگر....." مگر انہوں نے میری بات نہ سنی اور کہنے لگے۔ "اگر اپنے حضرت کے سامنے میرے منہ سے ایسی بات نکل جاتی؟ اگر میں یہ کفر کا کلمہ کہہ جاتا (تو..... تو....."

انہوں نے فوراً پگڑی اٹھا کر سر پر رکھ لی اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے۔ "میں حضور کے دربار کا ایک ادنیٰ کتا۔ میں حضرت مولانا کی خاک سے بدتر۔ مردہ ہو کر آقا سے یہ کہتا لعنت کا طوق نہ پہنتا؟" پھر انہوں نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے اور سر بالکل گود میں جھکا کر بولے۔ "میں ذات کا گڈریا۔ میرا باپ منڈاسی کا گوالا۔ میں جہالت کا فرزند۔ میرا خاندان ابوجہل کا خانوادہ اور آقا کی ایک نظر کرم' حضرت کا ایک اشارہ۔ حضور نے مجھ کو منشی چنت رام بنا دیا۔ لوگ کہتے ہیں منشی جی' میں کہتا ہوں رحمتہ اللہ علیہ کا کفش بردار..... لوگ سمجھتے ہیں....." داؤجی کبھی ہاتھ جوڑتے' کبھی سر جھکاتے کبھی انگلیاں چوم کر آنکھوں کو لگاتے اور بیچ بیچ میں فارسی کے شعر پڑھتے جاتے۔ میں کچھ پریشان سا پشیمان سا ان کا زانو چھو کر آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا داؤ جی! داؤجی؟ اور داؤجی "میرے آقا' حضرت مولانا میرے مرشد" کا وظیفہ کئے جاتے۔ جب جذب کا یہ عالم دور ہوا تو نگاہیں اوپر اٹھا کر بولے۔ "کیا اچھا موسم ہے۔ دن بھر گرمی پڑتی ہے تو خوشگوار شاموں کا نزول ہوتا ہے۔" پھر وہ پل کی دیوار سے اٹھے اور بولے۔ "چلو اب چلیں بازار سے تھوڑا سا سودا خریدنا ہے"۔ میں جیسا سرکش و بدمزاج سن کر ان کے ساتھ آیا تھا اس سے کہیں زیادہ منفعل و خجل ان کے ساتھ لوٹا' کھسے پنساری یعنی دیسو یب یب کے باپ کی دکان سے انہوں نے گھریلو ضرورت کی چند چیزیں خریدیں اور لفافے گود میں اٹھا کر چل دیئے۔ میں بار بار ان سے لفافے لینے کی کوشش کرتا مگر ہمت نہ پڑتی۔ ایک عجیب سی شرم ایک انوکھی سی ہچکچاہٹ مانع تھی اور اسی تامل اور جھجک میں ڈوبتا ابھرتا میں ان کے گھر پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر یہ بھید کھلا کہ اب میں انہی کے ہاں سویا کروں گا اور وہیں پڑھا کروں گا کیونکہ میرا بستر مجھ سے بھی پہلے وہاں پہنچا ہوا تھا اور اس کے پاس ہی ہمارے یہاں سے پونچھی ہوئی ایک ہری کین لالٹین بھی رکھی تھی۔ برنس مین مالور پاں پاں کرتی پیکارڈ اڑائے پھرنا میرے مقدر میں نہ تھا۔ گو میرے ساتھیوں کی روانگی کے تیسرے ہی روز بعد کے والدین بھی انہیں لاہور سے پکڑ لائے لیکن اگر میں ان کے ساتھ ہوتا تو شاید اس وقت انارکلی میں ہمارا دفتر پتہ نہیں ترقی کے کون سے شاندار سال میں داخل ہو چکا ہوتا! داؤجی نے میری زندگی اجیرن کر دی مجھے تباہ کر دیا مجھ پر جینا حرام کر دیا۔ سارا دن سکول کی بکواس میں گزرتا اور رات گرمیوں کی مختصر سی رات' ان کے سوالات کا جواب دینے میں۔ کوٹھے پر ان کی کھاٹ میرے بستر کے ساتھ لگی ہے اور مونگ رسول اور مرالہ کی نہروں کی باتیں پوچھ رہے ہیں۔ میں نے ٹھیک بتا دیا ہے۔ وہ پھر اسی سوال کو دہرا رہے ہیں۔ میں نے پھر ٹھیک بتا دیا ہے اور انہوں نے پھر انہی نہروں کو آگے لا کھڑا کیا ہے۔ میں جل جاتا اور جھڑک کر کہتا۔ "مجھے پتہ نہیں میں نہیں بتاتا" تو وہ خاموش ہو جاتے اور دم سادھ لیتے۔ میں آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرتا تو وہ شرمندگی کنکر بن کر پلکوں میں اترتی جاتی۔ میں آہستہ سے کہتا۔ "داؤجی" "ہوں!" ایک گھمبیر سی آواز آتی "داؤجی کچھ اور پوچھو" داؤجی نے کہا "بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے۔ اس کی ترکیب نحوی کرو" میں نے سعادت مندی کے ساتھ کہا۔ "جی یہ تو بہت لمبا فقرہ ہے صبح لکھ کر بتا دوں گا کوئی اور پوچھے"

انہوں نے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائے کہا "میرا گولو بہت اچھا ہے" میں نے ذرا سوچ کر کہنا شروع کیا۔ "بہت اچھا صف' ہے حرف ربط مل کر مامسند" اور داؤجی اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گئے۔ ہاتھ اٹھا کر بولے "جان پدر کیوں تجھے پہلے بھی کہا ہے مسند الیہ پہلے بتلایا کر" خ میں نے ترکیب نحوی سے جان چھڑانے کیلئے پوچھا۔ "آپ مجھے جان پدر کیوں کہتے ہیں۔ جان داؤ کیوں نہیں کہتے؟" ""شاباش" وہ خوش ہو کر کہنے لگے "ایسی باتیں پوچھنے کی ہوتی ہیں۔ جان لفظ فارسی کا ہے اور داؤ ہاشا کا۔ ان کے درمیان فارسی اضافت نہیں لگ سکتی۔ جو لوگ دن بدن لکھتے یا بولتے ہیں سخت غلطی کرتے ہیں اور روز بروز کھویا دن پر دن اسی طرح سے" اور جب میں سوچتا کہ یہ ترکیب نحوی سے بھی خطرناک معاملے میں الجھ گیا ہوں تو جمائی لے کر پیار سے کہتا "داؤجی اب نیند آرہی ہے!" "اور وہ ترکیب نجومی؟" وہ جھٹ سے پوچھتے۔

اس کے بعد میں چاہے لاکھ بہانے کرتا ادھر ادھر کی ہزار باتیں کرتا مگر وہ اپنی کھاٹ پر ایسے ہی بیٹھے رہتے بلکہ اگر ذرا سی دیر ہو جاتی تو کرسی پر رکھی ہوئی پگڑی اٹھا کر سر پر دھر لیتے چنانچہ کچھ بھی ہوتا ان کے ہر سوال کا خاطر خواہ جواب دینا پڑتا۔ اسی چند کا لچ چلایا تو اس کی بدولت مجھے مل گئی اور داؤجی کے دل میں اس کی محبت پر بھی قبضہ کر لیا۔ اب مجھے داؤجی بہت اچھے لگنے لگے تھے لیکن ان کی جو باتیں مجھے اس وقت بری لگتی تھیں وہ اب بھی بری لگتی ہیں بلکہ اب پہلے سے کسی قدر زیادہ' شاید اس لئے کہ اب میں نفسیات کا ایک ہونہار طالب علم ہوں اور داؤجی پرانے ملائی مکتب کے پروردہ تھے۔ سب سے بری عادت ان کی اٹھتے بیٹھتے سوال پوچھتے رہنے کی تھی اور دوسری کھیل کود سے منع کرنے کی۔ وہ تو بس یہ چاہتے تھے کہ آدمی پڑھتا رہے پڑھتا رہے اور جب اس مدقوق کی موت کا دن قریب آئے تو کتابوں کے ڈھیر پر جان دے دے۔ صحت جسمانی قائم رکھنے کیلئے ان کے پاس بس ایک ہی نسخہ تھا' لمبی سیر! اور وہ بھی صبح کی۔ تقریباً روز سورج نکلنے سے کوئی دو گھنٹے پیشتر وہ مجھے مسہری میں جگانے آتے اور میرا کندھا ہلا کر کہتے "اٹھ گولو مونا ہو گیا اٹھا" دنیا جہان کے والدین صبح جگانے کیلئے یہ کہا کرتے ہیں کہ اٹھو بیٹا صبح ہوئی یا سورج نکل آیا مگر وہ "مونا ہو گیا" کہہ کر میری تذلیل کیا کرتے میں منمناتا تو چمکار کر کہتے۔ "بھدا ہو جائے گا بیٹا تو گھوڑے پر ضلع کا دورہ کیسے کیا کرے گا" اور میں گرم گرم بستر سے ہاتھ جوڑ کر کہتا۔ "داؤجی

خدا کیلئے مجھے صبح نہ جگانا چاہے مجھے قتل کر دو۔ مجھے جان سے مار دو" یہ فقرہ ان کی سب سے بڑی کمزوری تھی وہ فوراً میرے سر پر لحاف ڈال دیتے اور باہر نکل جاتے۔

بے بے کو ان دادی سے اللہ واسطے کا بیر تھا اور دادی ان سے بہت ڈرتے تھے وہ سارا دن محلے والیوں کے کپڑے سیا کرتیں اور دادی کو کوسنے دیئے جاتیں۔ ان کی اس زبان درازی پر مجھے بہت غصہ آتا تھا مگر پانی میں رہ کر مگرمچھ سے بیر نہ ہو سکتا تھا۔ کبھی کبھار جب وہ ناگفتنی گالیوں پر اتر آتیں تو دادی میرے پاس سمٹ میں آجاتے اور کانوں پر ہاتھ رکھ کر کرسی پہ بیٹھ جاتے۔ تھوڑی دیر بعد کہتے۔ غیبت کرنا بڑا گناہ ہے۔ لیکن میرا خدا مجھے معاف کرے۔ تیری بے بے بیمار ہے اور اس کی سرائے میں میں میری قرۃ العین اور تھوڑ تھوڑا تو بھی۔ ہم تینوں بڑے عاجز مسافر ہیں۔" اور واقعی بے بے بیمار سی تھی۔ اس کا رنگ سخت کالا تھا اور دانت بے حد سفید' ماتھا محراب دار اور آنکھیں چنیاں سی۔ چلتی تو ایسی گربہ پائی کے ساتھ جیسے (خدا مجھے بھی معاف کرے) کٹنی کنسوئیاں لیتی پھرتی ہیں۔ چاری بی بی کو ایسی ایسی بری باتیں کہتی کہ وہ دنوں دن رو رو کر ہلکان ہوا کرتی۔ ایک امی چند کے ساتھ اس کی بھی بنتی تھی۔ شاید اس وجہ سے کہ دونوں ہم شکل تھے یا شاید اس وجہ سے کہ اس کو بی بی کی طرح اپنے دادی سے پیار نہ تھا۔ یوں تو بی بی چاری بہت اچھی لگتی تھی مگر اس سے میری کبھی نہ بنی تھی۔ میں کوٹھے پہ بیٹھا سوال نکال رہا ہوں۔ دادی نیچے بیٹھے ہیں اور بی بی اوپر رساتی سے ایندھن لینے آئی تو ذرا رک کر مجھے دیکھا پھر منڈیر سے جھانک کر بولی۔ "دادی پڑھ نہیں رہا ہے تنکوں کی چارپائیاں بنا رہا ہے" میں غسل چڑے کی طرح منہ چڑا کر کہتا "تجھے کیا' نہیں پڑھتا' تو کیوں مر مر کرتی ہے۔ آئی بڑی تھانیدارنی" اور دادی نیچے سے ہانک لگا کر کہتے "نہ نہ گولو مولو بچوں سے نہیں جھگڑا کرتے۔" اور میں زور سے چلاتا "پڑھ رہا ہوں جی جھوٹ بولتی ہے" دادی آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آجاتے اور کاپیوں کے نیچے نیم پوشیدہ چارپائی دیکھ کر کہتے "قربان ہوا تو اس کو چڑ لینا کر۔ یہ جن بڑی مشکل سے قابو کیا ہے۔ گر ایک بار پھر بپھر گیا تو مشکل سے سنبھلے گا" بی بی کہتی "کاپی اٹھا کر دیکھ لو دادی اس کے نیچے ہے وہ چارپائی جس سے کھیل رہا تھا" میں قہر آلود نگاہوں سے بی بی کو دیکھتا اور وہ لکڑیاں اٹھا کر نیچے اتر جاتی۔ پھر دادی سمجھاتے کہ "بی بی یہ سب کچھ تیرے فائدے کیلئے کہتی ہے۔ ورنہ اسے کیا پڑی ہے کہ مجھے بتاتی پھرے۔ تو فیل ہو یا پاس اس کی بلا سے مگر وہ تیری بھلائی چاہتی ہے تیری بہتری چاہتی ہے" اور مجھے دادی کی یہ بات ہرگز سمجھ نہ آتی تھی۔ میری شکائتیں کرنے والی میری بھلائی کیونکر چاہ سکتی تھی؟

ان دنوں معمول یہ تھا کہ صبح دس بجے سے پہلے دادی کے ہاں سے چل دیتا گھر جا کر ناشتہ کرتا اور پھر سکول پہنچ جاتا۔ آدھی چھٹی پر میرا کھانا سکول بھیج دیا جاتا اور شام کو سکول بند ہونے پر گھر آ کے اپنی لالٹین تیل سے بھرتا اور دادی کے یہاں آجاتا۔ پھر رات کا کھانا بھی مجھے دادی کے گھر پر ہی بھجوا دیا جاتا۔ جن ایام میں منصفی بند ہوتی دادی سکول کی گراؤنڈ میں آ کر بیٹھ جاتے اور میرا انتظار کرنے لگتے۔ وہاں بے گھر تک سوالات کی بوچھاڑ رہتی۔ سکول میں جو کچھ پڑھا گیا ہوتا اس کی تفصیل پوچھتے۔ پھر مجھے میرے گھر تک چھوڑ کر خود سیر کو چلے جاتے۔ ہمارے قصبہ میں منصفی کا کام مہینے میں دس دن دادی باقاعدہ کچہری میں گزارتے تھے۔ ایک آدھ عرضی آجاتی تھی تو دو چار روپے کما لیتے ورنہ فارغ اوقات میں وہاں بھی مطالعہ کا سلسلہ جاری رکھتے۔ بے بے کا کام اچھا تھا اس کی کتر بیونت اور محلے والیوں سے جوڑ توڑ اچھے مالی نتائج پیدا کرتی تھی۔ چونکہ چند سالوں سے گھر کا سر خرچ اس کی سلائی سے چلتا تھا اس لئے وہ دادی پر اور بھی حاوی ہو گئی تھی۔ ایک دن خلاف معمول دادی کو لینے میں منصفی چلا گیا۔ اس دن کچہری بند ہو گئی تھی اور دادی نانبائی کے چھپر تلے ایک بنچ پر بیٹھے گڑ کی چائے پی رہے تھے۔ میں نے ہولے سے جا کر ان کا سر اٹھا لیا اور ان کے گلے میں میں بانہہ ڈال کر کہا "چلیے آج میں آپ کو لینے آیا ہوں" انہوں نے میری طرف دیکھے بغیر چائے کے بڑے بڑے گھونٹ بھرے۔ ایک آنہ جیب سے نکال کر نانبائی کے حوالے کیا اور چپ چاپ میرے ساتھ چل دیئے۔ میں نے شرارت سے ناچ کر کہا "گھر چلیے۔ بے بے کو بتاؤنگا کہ آپ چوری چوری یہاں چائے پیتے ہیں" دادی جیسے شرمندگی ٹالنے کو مسکرائے اور بولے۔ "اس کی چائے بہت اچھی ہوتی ہے اور گڑ کی چائے سے تھکن بھی دور ہو جاتی ہے۔ پھر یہ ایک آنہ میں گلاس بھر کے دیتا ہے۔ تم اپنی اپنی بے بے سے نہ کہنا خواہ مخواہ ہنگامہ کھڑا کر دے گی۔ زیادتی پر اتر آئے گی۔" پھر انہوں نے کچھ خوفزدہ ہو کر کچھ مایوس ہو کر کہا۔ "اس کی تو فطرت ہی ایسی ہے" اس دن مجھے دادی پر بڑا رحم آیا۔ میرا جی ان کیلئے بہت کچھ کرنے کو چاہنے لگا مگر اس وقت میں نے بے بے سے نہ کہنے کا وعدہ کر کے ہی ان کیلئے بہت کچھ کیا۔ جب اس واقعہ کا ذکر میں نے اماں سے کیا تو وہ بھی میرے ہاتھ اور کبھی نوکر کی معرفت دادی کے ہاں دودھ' پھل اور چینی وغیرہ بھیجنے لگیں مگر اس رسد سے دادی کو کبھی بھی کچھ نصیب نہ ہوا۔ ہاں بے بے کی نگاہوں میں میری قدر بڑھ گئی اور اس نے کسی حد تک مجھ سے رعایتی برتاؤ کرنا شروع کر دیا۔ مجھے یاد ہے ایک صبح میں دودھ سے بھرا لوٹا ان کے یہاں لے کر آیا تھا اور بے بے گھر پر نہ تھی وہ اپنی بیٹھوں کے ساتھ بیلا سادن کے جوہڑ میں اشنان کرنے گئی تھی اور گھر میں صرف دادی اور بی بی تھے۔ دودھ دیکھ کر دادی نے کہا "چلو آج چائے پئیں۔ میں دکان سے گڑ لے کر آتا ہوں۔ تم پانی چولہے پر رکھو"۔ بی بی نے جلدی جلدی چولہا سلگایا۔ میں پتیلی میں پانی ڈال کر لایا اور پھر ہم دونوں وہیں چوکے پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے دادی گڑ لے کر آگئے تو انہوں نے کہا "تم دونوں اپنے اپنے کام پر بیٹھو چائے میں بناتا ہوں" چنانچہ بی بی مشین چلانے لگی اور میں ڈائرکٹ ان ڈائرکٹ کی مشقیں لکھنے لگا۔ دادی چولہا بھی جھونکے جاتے تھے اور عادت کے مطابق مجھے بھی اونچے اونچے تاتے جاتے تھے "گیلو نے کہا زمین سورج کے گرد گھومتی ہے گیلو نے دریافت کیا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے یہ نہ لکھ دینا کہ سورج کے گرد گھومتی تھی" پانی ابل رہا تھا۔ دادی خوش ہو رہے تھے اسی خوشی میں جھوم جھوم کر وہ اپنا تازہ ملیا ہوا گیت گا رہے تھے "گولو گولو! گیلو کی بات مت بھولنا، گیلو کی بات مت بھولنا" انہوں نے چائے کی پتی کھولتے ہوئے پانی میں ڈال دی۔ برتن ابھی تک چولہے پر ہی تھا اور دادی ایک چھوٹے سے چمچ کی طرح پانی کی گل بل گل بل کے ساتھ گولو گیلو کئے جا رہے تھے۔ میں ہنس رہا تھا اور اپنا کام کئے جا رہا تھا۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں مرے ہی خوش تھے گویا سارے محلے بلکہ سارے قصبہ کی خوشیاں بڑے بڑے رنگین پروں والی پریوں کی طرح ہمارے گھر میں اتر آئی ہوں۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور بے بے اندر داخل ہوئی۔ دادی نے دروازہ کھلنے کی آواز پر پیچھے مڑ کر دیکھا اور ان کا رنگ فق ہو گیا۔ چمکتی ہوئی پتیلی سے گرم گرم بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اس کے اندر چائے کے چھوٹے چھوٹے چھلاوے ایک دوسرے کے پیچھے شور مچاتے پھرتے تھے اور ممنوعہ کھیل رچانے والا بڈھا موقع پر پکڑا گیا تھا۔ بے بے نے آگے بڑھ کر چولہے کی طرف دیکھا اور دادی نے چوکے سے اٹھتے ہوئے معذرت بھرے لہجہ میں کہا "چائے ہے!"

دانا استاد

شیخ سعدی لکھتے ہیں کہ ایک عجمی غلام ایک کشتی میں بیٹھا کہیں جا رہا تھا۔ اس سے دوسرے لوگ بھی اس کشتی میں سوار تھے غلام نے اس سے پہلے کبھی دریا کی صورت نہیں دیکھی تھی بیچ درمیان میں پہنچ کر کشتی سے موجیں ٹکرائیں وہ چلانے اور واویلا مچانے لگا لوگوں نے اسے خاموش کرانے کی بہت کوشش کی وہ چپ نہ ہوا اسی کشتی میں ایک دانا استاد بھی بیٹھا ہوا تھا اس نے لوگوں سے کہا میں اس کو چپ کرا سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے مسافر کو دریا میں پھکوا دیا جب اس نے دو چار غوطے کھائے تو اس نے ملاحوں سے کہا کہ اب اسے کشتی میں گھسیٹ لاؤ ایک ملاح اسے کشتی کے قریب گھسیٹ لایا وہ کشتی کا کنارہ پکڑ کر اس میں سوار ہو گیا اور آرام سے چپ چاپ ایک کونے میں جا بیٹھا لوگوں نے دانا سے راز پوچھا تو اس نے بتایا یہ شخص اس سے پہلے نہ ڈوبنے کی تکلیف کو جانتا تھا نہ اس کشتی کو سلامتی کا ذریعہ مانتا تھا اب یہ دونوں باتوں سے واقف ہو گیا ہے۔

اسماء خان فیصل آباد

حماد الرحمان کورایہ

سوالنامہ

1۔ وہ سبق جو میں بطور استاد کبھی نہ سکھا سکا، کبھی نہ بتا سکا 2۔ استاد کے استاد جناب ..... میرے بہترین استاد تھے، ان کی نمایاں خوبی یہ تھی؟ 3۔ حیثیت استاد میری سب سے بڑی کمزوری؟ 4۔ میری نظر میں استاد اور طلباء کے درمیان دوری کا سبب یہ ہے

پروفیسر محمد انور خان ایم اے، ایل ایل بی ڈپٹی ڈائریکٹر کالجز گوجرانوالہ ڈویژن

1۔ بطور استاد طلباء کی ہر قسم کی تربیت کی ہے، میرے شاگرد خود گواہ ہیں۔

2۔ پروفیسر صفدر علی رانا میرے بہترین استاد تھے، ان کی نمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ نہایت ہی محنتی اور مشفق ٹیچر تھے۔

3۔ اگر استاد باقاعدگی اور محنت سے طلباء کو پڑھائے تو دوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پروفیسر سلیم منصور خالد گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور

1۔ زندگی ایک سنجیدہ ذمہ داری ہے، جو لمحہ بہ لمحہ یوں پگھل رہی ہے جیسے دھوپ میں برف۔

2۔ پروفیسر عبدالحمید صدیقی، کہ جو ایمان میں اعلیٰ، علم و فضل میں یکتا، طبیعت کی مٹھاس میں منفرد اور انکساری و ہمدردی میں بے مثل تھے۔

3۔ اپنے طالب علموں کے خوابوں اور دلچسپیوں تک رسائی پانے کی کوشش اور بڑے بھائی کی سی باوقار بے تکلفی پروان چڑھانے کی خواہش۔

4۔ استاد پڑھانا نہیں چاہتا، شاگرد پڑھنا نہیں چاہتا۔ ویسے بھی اب طالب علم ٹھیکیدار بن چکا ہے۔ استاد اس کا لوئی سا ملازم، میرا مطلب یہ ہے کہ جب تک طالب علم پرائیویٹ ٹیوشن میں تنخواہ دیتا ہے تو در حقیقت استاد، شاگرد کا رشتہ کٹ کر رہ جاتا ہے، اگر وہی استاد یہ سب کچھ کلاس روم میں بتا دے تو پھر یہ دوری باپ بیٹے کے تعلق میں ڈھل سکتی ہے۔

پروفیسر حافظ محمد ارشد..... ایم اے پرنسپل : نیشنل سائنس کالج سابق پرنسپل : گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ

1۔ بہت کچھ تشنہ رہ گیا۔

2۔ پروفیسر عبدالحمید صدیقی بڑی منظم ترتیب سے پڑھاتے تھے۔

3۔ کمزوریوں کی اتنی طویل فہرست ہے جو مرتب نہیں ہو سکتی۔

4۔ تاجرانہ رویہ۔

پروفیسر غلام رسول عدیم..... ایم اے گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ

1۔ "علم برائے حصول زر"

2۔ پروفیسر صوفی محبوب الٰہی، وہ علم کا زرخار تھے اور ایک ایک نقطے کی وضاحت میں مختلف زبانوں کے ادیبوں، شاعروں اور مفکروں کے حوالے دیتے۔

3۔ مدت سے میری مطالعے کی زبانیں بالعموم انگریزی و عربی رہی ہیں جبکہ پڑھاتا اردو زبان میں رہا ہوں۔ اس حوالے سے میری سب سے بڑی کمزوری پڑھاتے وقت لفظی اشکال رہا ہے۔ اگرچہ میری کوشش یہی رہی ہے کہ زبان تدریسی سہل تر ہو، تاہم بے اختیار عربی فارسی الفاظ کا در آ جانا طلبہ کے لئے دقت کا باعث رہا ہے۔

4۔ جب استاد محض زر طلبی پر اتر آئے اور طلبہ وقت نوٹ کر کے حساب لگائیں کہ استاد صاحب کے اتنا وقت دینے پر اتنے پیسے بنتے ہیں تو فاصلے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

پروفیسر الطاف حسین چاہت..... ایم اے گورنمنٹ اسلامیہ کالج

1۔ بفضل تعالیٰ ایسا کوئی سبق نہیں جس کا سکھانا بتانا ضروری تھا اور میں نے نہیں سکھایا پڑھایا۔

2۔ میرے سب اساتذہ کرام بہترین تھے اور نمایاں خوبیوں کے مالک

3۔ کہ میں اپنے طلباء کی تعلیمی و اخلاقی کمزوریوں کی نشاندہی کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

4۔ اساتذہ طلباء کو اپنے قریب ہی آنے نہیں دیتے انہیں دور رکھنے کو ڈسپلن اور اپنا دبدبہ سمجھتے ہیں۔

فرخ آفتاب احمد چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کاسٹ اینڈ مینجمنٹ اکاؤنٹنٹ ڈائریکٹر : کالج آف اکاؤنٹنٹ

1۔ اخلاقیات اور تعمیر کردار کا۔

2۔ محمد مقبول، بیحد جلدی صحیح کیلکولیشن کرتے اور ریلیونٹ پوائنٹس پڑھاتے تھے۔

3۔ کورس اور اہم پوائنٹس بہت مختصر عرصہ میں کور کرلیتا ہوں

4۔ استاد کی قابلیت، شفقت، پیار، دوستانہ مزاج کی عدم موجودگی۔

میاں احمد فرحان گوجرانوالہ کالج آف کامرس

1۔ الحمدللہ اخلاقی، سماجی، سیاسی اور معاشی قدروں کے بارے میں بتاتا رہتا ہوں، کوئی ایسا سبق جو میں نے حاصل کیا ہو وہ اپنے طالب علموں تک ضرور پہنچاتا ہوں۔

2۔ صفدر حسین صفدر، ایڈوانس اکاؤنٹنگ پڑھانے میں ماہر تھے۔

3۔ اپنے طلباء کو دوستانہ ماحول میں پڑھاتا ہوں۔

4۔ اساتذہ کی نااہلی

اعجاز حسین رسول نگری محمد علی جناح لاء کالج

1۔ ابھی بہت تشنگی ہے۔

2۔ نصر اللہ خان باجوہ، بے لوث، پر خلوص، انتہائی محنتی اور نیک سیرت

3۔ ڈسپلن کے متعلق بے لچک پالیسی ہے۔

4۔ محنت سے دل چرانا اور خلوص کی کمی ہے۔

راؤ قاسم علی شہزاد با قر پبلک سکول

1۔ میں اپنے طلباء کو بتاتا ہوں کہ فروعی اختلافات دراصل اسی طرح ہیں کہ جس طرح پروفیشنل مارکیٹ کمپیٹیشن میں ہر شخص اپنی پراڈکٹ تھوڑے سے فرق کے ساتھ بیچ رہا ہوتا ہے بالکل اسی طرح ہم سب ایک ہیں اور ہماری بنیاد ایک ہے۔

2۔ پروفیسر ملک شعیب، اسلامیات اتنی بہترین پڑھائی کہ مجھے اب تک ہر لائن ازبر ہے۔

3۔ میں نے ہمیشہ آدھا سچ بیان کیا۔

4۔ استاد مادیت پرست ہے۔

خاور راجہ پرنسپل :۔ شائن کڈز کیمپس

1۔ ڈپلومیسی، جھوٹ، فراڈ،

2۔ محترمہ روح افزاء، انہیں شاگردوں سے دلی لگاؤ تھا۔

3۔ محبت اور محنت سے پڑھانا۔

4۔ نہ استاد لگاؤ رکھتے ہیں نہ طلباء عزت کرتے ہیں۔

محترمہ سیدہ سجاد پرنسپل : سٹی کڈز کیمپس

1۔ کوئی بھی انسان (سوائے پیغمبروں کے) مکمل نہیں۔

2۔ مس افشاں، اچھا لباس اور خوبصورت انداز گفتگو ۔

3۔ نظم وضبط 4۔ خود غرضی

الحاج سجاد مسعود چشتی سٹی پبلک سکولز

1۔ انسان کا علم محدود ہے اسی لئے کوئی نہ کوئی کمی ضرور رہ جاتی ہے۔

2۔ صوفی جمال اللہ۔ پڑھانے کا انداز بیحد زبردست تھا۔

3۔ پابندی وقت 4۔ لالچ

یوجین جان پرنسپل : آئزر ہائی سکول

1۔ بہت کچھ رہ گیا ہے۔

2۔ پروفیسر سلیم غوری، سادہ اور عام فہم انداز میں پڑھاتے۔

3۔ جب تک طلباء کی تسلی نہ ہو جائے اس وقت تک وہ ٹاپک چھوڑتا نہیں۔ 4۔ استاد دوستانہ ماحول میں نہیں پڑھاتے۔

سلیم یونس چیمہ چیئرمین : انجلز سکول آف سائنسز

1۔ قانون مکافات کا سبق

2۔ پروفیسر نصیر، طلباء کے ساتھ دلی شفقت اور محبت تھی۔

3۔ طالب علم ہے، جہاں مل جائے پڑھانا شروع کر دیتا ہوں۔ 4۔ اخلاقی اقدار کی کمی ہے۔

غلام احمد خان پرنسپل : الکبیر یونیورسل سکول وکالج

1۔ جھوٹ

2۔ شادی خان، وہ انگریزی کی ڈکشنری کہلاتے تھے۔

3۔ ناخنوں سے محبت 4۔ بے رلہ روی اور اخلاقیات کی کمی۔

عثمان رشید

پرنسپل : ملت آئیڈیل ہائی سکول

1۔ علم کے پیالے کو اپنے ہونٹوں سے لگالو، علم کا جو گھونٹ بھی تمہارے حلق سے اترے گا تمہارے دل ودماغ کو روشن کرتا چلا جائے گا۔

2۔ عبدالرشید وہ خوش طبع تھے۔

3۔ قول وفعل میں تضاد

4۔ نااہل اساتذہ کا سیاسی بنیادوں پر تقرر اور اساتذہ کا تعلیم کو تجارت بنالینا۔

محمد سلیم پرنسپل وین گارڈ سکول سسٹم

1۔ "سب انسان برابر ہیں بڑا وہ ہے جسے علم کی نعمت حاصل ہو جو اخلاق کی دولت سے مالا مال ہو، علم انسان کو بڑا بناتا ہے۔ جبکہ اخلاق انسان کو مقبول بناتا ہے"۔ 2۔ پروفیسر محمد اقبال، تدریس کے شعبہ میں مکمل اہلیت اور قابلیت۔ اساتذہ کو اپنے مضمون پر مکمل دسترس ہی نہیں ہوتی۔ جس بناء پر طلباء استاد سے بھاگتے ہیں۔

ندیم احمد چیئرمین : احمد کامرس اکیڈمی

1۔ روزنامہ اخبار کا مطالعہ کرنے کا سبق جو کہ انسانی تعلیم کا اہم جزو ہے۔

2۔ عبدالرشید، تنقید برائے اصلاح کرتے اور انگریزی گرائمر بہترین پڑھاتے تھے۔

3۔ والدین (شاگردوں کے) سے پہلی ملاقات میں گھبراجاتا ہوں۔

4۔ استاد، طالب علم اور والدین، تکون، کی مانند ہیں جب تک تکون کے درمیان تعاون رہے گا کام بہتر رہے گا کسی ایک کے تعاون کے تعبیر دوری ہو جائے گی۔

چودھری نجم الثاقب ڈائریکٹر ٹریننگ فواد کالج آف کامرس اینڈ کمپیوٹر گلبرگ لاہور 1۔ "علم ایک ایسا سمندر ہے۔ جس میں چھلانگ لگانے اور غوطہ کھانے کے بعد ہی اس کی وسعت اور اسکی ہوائی اور گہرائی کا سچا اور صحیح انداز ہوتا ہے۔ جو لوگ کنارے پر کھڑے ہوں انکو عمل کے موتی تلاش کرنے والے کی مشکل کا انداز ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہمت کا اور نہ لگن کا"۔

2۔ بشیر کمبوہ، انتہائی محنتی استاد تھے۔ 3۔ ڈسپلن

ضیاء المصطفیٰ سلہریا انچارج بزم ادب محکمہ تعلیم گوجرانوالہ

1۔ "اپنی تمام تر کاوشوں کے باوجود نونہالان قوم کو اپنی نظریاتی اساس کے حقیقی تقاضوں سے آشنا کرنے سے محروم رہا ہوں، خواہش ہے کہ ہر چیز میں نظریاتی پختگی پیدا ہو۔"

2۔ پروفیسر محمد احمد شاد، انہوں نے طلباء کے اخلاق وکردار میں اعلیٰ ترین خوبیاں پیدا کر کے انہیں شاہین اقبال بنانے میں اپنا موثر کردار ادا کیا۔ 3۔ اساتذہ تنظیموں اور سماجی سرگرمیوں میں زیادہ حصہ لیتا ہوں جس سے طلباء کو مناسب وقت نہیں دے پاتا۔ 4۔ تعلیمی اداروں کے غیر سماجی کردار، والدین کی عدم دلچسپی اور معاشی خلیج وہ اسباب ہیں جو اساتذہ اور طلباء میں دوری پیدا کر رہے ہیں۔

سید احمد حسین زید گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول گوجرانوالہ

1۔ ان شاہین بچوں کو کبھی بھی پستیوں کو منزل قرار دینے کا سبق نہیں دیا 2۔ محمد اسحاق بٹ، ان کی طرح کی حلیمی، انکساری، خلوص اور راست گوئی کم ہی دیکھنے میں ملی ہے۔ 3۔ لیکچر کے دوران دیگر ساتھی اساتذہ کو ان کی مداخلت پر ٹوک نہیں سکتا جس سے سبق کا تسلسل اور انسماک ختم ہو جاتا ہے۔ 4۔ اساتذہ کو معاشی فکروں سے آزاد کر دیا جائے تو یہ فاصلہ ختم ہو سکتا ہے۔

محمد سہیل کلیم فاروقی سٹی پبلک سکولز

1۔ بس وہی سبق جو میرے استاد مجھے کبھی "نہ" سکھا سکے، کبھی نہ بتا سکے۔ 2۔ جناب گلزار احمد مغل، شاگردوں کی چھپی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ان کی منفرد خوبی تھی۔ 3۔ میں شاگردوں کے بہانوں کا بڑی جلد یقین کر لیتا ہوں۔ 4۔ "ڈنڈا"

پروفیسر رخسانہ نیئر پرنسپل : گورنمنٹ سٹی گرلز کالج 1۔ فیصلہ کرنے کی طالب، طالبات کو چاہئے کہ فیصلہ کرنے کی فوری صلاحیت پیدا کریں۔ 2۔ پروفیسر فضل ماجد خان (P-U) انہوں نے اپنے شاگردوں کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار اور منظر عام پر لانے کا کام بہت خوبصورتی سے نبھایا۔ 3۔ مجھے "سپیشل چوں" پر بہت ترس آتا ہے، اسی لئے میں انہیں غیر معمولی رعایت دے دیتی ہوں جس کا وہ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ 4۔ استاد پڑھانے کے لئے مخلص نہیں اور وہ صرف اپنی ذات تک محدود رہتے ہیں۔ یہی وجہ استاد اور طلباء کے درمیان دوری کا سبب بنتی ہے۔

استاد ظالم ہوں یار حم دل ہمیشہ احترام اور محبت کے لائق ہی ہوتا ہے۔ (قول اختری)

میں نے پھول کو استاد جانا

اور مجھے اپنے استاد کی یہ خوبی اچھی لگی

ساتھیو! بچپن میں ایک مرتبہ مجھ سے کسی نے استاد کی تعریف پوچھی تھی اور کہا تھا استاد کی تعریف کرو۔ جواباً میں نے اپنی پسندیدہ ٹیچر کی شان میں قصیدے پڑھ ڈالے۔ بھئی بچپن تو بچپن ہوتا ہے ہاں۔ اب ہنسی آتی ہے کہ پوچھنے والے نے تو استاد کی "تعریف" پوچھی تھی۔ کل میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ یعنی استاد کی "تعریف"۔ اچانک ایک بات ذہن میں آئی۔ ساتھیو! اگر کبھی یونہی سر راہ کسی بازار، سڑک یا گلی میں سے گزرتے ہوئے آپ کی نظر کسی ایسے شخص پر پڑ جائے جو زمین پر گرا ہوا کیلے کا چھلکا اٹھا کر ایک سائیڈ پر پھینک دے یا قریبی ڈسٹ بن میں ڈال دے۔ تو یقیناً ایک تحریک آپ کے دل میں بھی پیدا ہو گی۔ اچھے کام کی تحریک۔ آپ ضرور سوچو گے کہ کبھی آپ کو بھی اسی طرح کوئی کیلے کا چھلکا سڑک پر پڑا ہوا مل گیا تو آپ بھی اسے ایک سائیڈ پر کر دو گے۔ تو سوچئے اچھے کام کی تلقین گو زبان سے نہیں مگر اپنے کام سے کرنے والا وہ شخص آپ کا استاد قرار نہیں پایا۔؟ تو استاد کی تعریف میرے ذہن رسا کے مطابق یوں بنی "اچھے پیارے کام کی طرف مائل کرنے والی چیز یا شخص استاد کہلاتے ہیں"۔ (جیب کترے بھی تو اپنے "گرو" کو استاد ہی کہتے ہیں ناں)۔ مگر نبی کریم نے اسی شخص کو روحانی باپ اور حضرت علیؓ نے اسی شخص کو آقا قرار دیا جس نے اچھائی کا درس دیا۔ تو یوں پھول بھی ہمارا استاد ہوا۔ جو نہ صرف ہمیں نیکی کی طرف مائل کرتا ہے بلکہ نت نئی معلومات سے بھی نوازتا ہے۔

اب ذرا پھول کے شاگردوں کے پھول کے متعلق خیالات سنئے۔

☆:۔ میرا استاد مجھ پر مولا بخش کا استعمال بالکل نہیں کرتا۔ (زنیرہ ذوالنون کلاس دوئم)

☆:۔ کچھ استاد پڑھاتے ہوئے پیار اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ مگر پھول استاد پیار کرتے ہوئے پڑھاتا ہے۔ (محمد عثمان رحمن گیریژن پبلک سکول)

☆:۔ میرے تمام ٹیچر اپنے اپنے مخصوص سبجیکٹس کے ماہر ہیں۔ جبکہ پھول استاد آل راؤنڈر ہے۔ یہ مجھے ہر قسم کی معلومات دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ہوم اکنامکس کی تعلیم بھی میں نے ٹیسٹ ٹائم سے حاصل کی۔ اپنے استاد ہی کی بدولت میں امور خانہ داری میں ماہر ہوئی۔ (حافظہ مدثر کوثر ایم ایس سی باٹنی پارٹ ا)

☆:۔ میرے استاد نے مجھے وقت سے پہلے باشعور کر دیا۔ (محمد فہیم طاہر کلاس 6th)

☆:۔ استاد۔۔۔ یہ لفظ ذہن میں آتے ہی ایک ایسے معتبر حوالے کا احساس ہوتا جو معصوم اور بڑے بچوں کی ذہنی، جسمانی نشوونما کر کے ان کی کردار سازی کرتا ہے۔ ان کی زندگی کے سانچے کو بہترین تراش خراش کے بعد اسے معاشرے میں ذمہ دار انسان کے طور پر سامنے لاتا ہے۔ ماہنامہ "پھول" میں یہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں اور میرے خیال میں اس سے اچھا استاد اور کوئی نہیں۔

(عابدہ بردار ایم اے پنجابی سال دوئم)

☆:۔ میرا استاد مجھے ہر ماہ قرآن پاک کے ایک سپارے کی تعلیم دیتا ہے۔ (محمد علی کلاس 6th)

☆:۔ میرا استاد ہمیں دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں بھی سناتا ہے۔ (محمد نعیم طاہر کلاس 6th)

☆:۔ پھول استاد ہمیں تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ ہمیں فریش کرنے کیلئے چٹ پٹے اور مزیدار لطائف بھی سناتا ہے۔ (طیبہ یاسمین ایم اے اردو پارٹ ا)

☆:۔ میرا استاد واقعی پھول ہے۔ (محمد طلحہ کلاس پریپ)

☆:۔ پھول استاد دنیاوی زندگی کے ساتھ ساتھ اخروی زندگی کی تیاری کا بھی درس دیتا ہے۔ (عبدالغفور تھرڈ ائر)

☆:۔ یہ استاد بچوں کو دلچسپی فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ انکی ذہنی، اخلاقی اور روحانی تربیت بھی کرتا ہے۔ (شازیہ ایم اے اردو پارٹ ا)

☆:۔ میرا استاد بچوں کی شخصیت کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ (حامد سعید ایف ایس سی سال دوئم)

☆:۔ پھول استاد اپنے مقبول عام سلسلے نو پرابلم کے ذریعہ ہمارے مسائل بھی حل کرتا ہے۔ (احمد خان ایف ایس سی سال دوئم)

☆:۔ پھول استاد زندگی کے ہر موضوع پر معلومات فراہم کرتا ہے۔ (صومیہ ارم ایف ایس سی سال دوئم)

☆:۔ میرا یہ شفیق استاد زندگی کے تمام مسائل میں ہماری راہنمائی کرتا ہے اور پھول استاد صرف استاد ہی نہیں ایک بے تکلف دوست بھی ہے۔

(عفیفہ بردار، ایف ایس سی سال دوئم)

☆:۔ پھول استاد تمام استادوں سے منفرد ہے۔

(فہد بشیر۔ ایف ایس سی سال دوئم)

☆:۔ پھول استاد ہر ماہ خوب بن سنور کر آتا ہے۔

(جعفر علی لودھی ایف ایس سی سال دوئم)

☆:۔ میرے شاعرانہ ذوق کی تسکین کیلئے شعر محل موجود ہے۔ (ساجدہ ذکیہ)

☆:۔ میرا پھول استاد واقعی پھول بھی ہے اور استاد بھی۔ کیونکہ یہ مجھے جو بھی بات سمجھاتا ہے وہ حقیقت کے اس قدر قریب ہوتی ہے کہ میرے ذہن ہی میں نہیں دل میں بھی سما جاتی ہے۔ اس نے میری شخصیت کو ایسے نکھارا جیسے پھول بارش سے دھلنے کے بعد ہو جاتا ہے۔

(فرحان جاوید ایف ایس سی سال دوئم)

استاد کو حقیر نہ جانو

جناب رسالت مآب نے فرمایا جو شخص اپنے استاد کو حقیر جانے اللہ تعالیٰ اس کو ان بلاؤں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وہ شخص جو کچھ علم حاصل کرے گا بھول جائے اس کی عمر کم ہو گی اس کا رزق جاتا رہے گا اس کے چہرے سے نیکی اور سعادت کی رونق دور ہو جائے گی شیطان کے مکر و فریب میں ہمیشہ مبتلا رہے معرفت الٰہی کیلئے اس کا دل حاضر نہ ہو گا دنیا سے بغیر ایمان کے اٹھے گا فاسقوں کے زمرے میں اس کا حشر ہو گا

سمیرا قیوم ملکپورہ ایبٹ آباد

یہ استاد مولا بخش کا استعمال نہیں کرتا

میں نے اپنے پسندیدہ استاد کی شان میں

قصیدے پڑھ ڈالے

یہ استاد ہر ماہ خوب بن سنور کر آتا ہے

جس نے علم حاصل کیا اس نے علم کی میراث سے حصہ پایا۔ (حدیث)

”توں بڑا استاد ایں“

استاد نمبر کیلئے خصوصی پھول سروے سروے: ملک آصف شنز اور اے وِنڈ

استاد! ماں باپ کے بعد وہ مقدس رشتہ جو ازل سے انسان کے ساتھ قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا وہ ماں باپ تو صرف پالنے اور بڑا کرنے کی ذمہ داری پوری کرتے ہیں جبکہ استاد اسے جینے کا ڈھنگ سکھاتا ہے۔ اسے اچھے برے میں تمیز سکھاتا ہے اور اسے اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ معاشرے میں ایک اچھے انسان کا مقام بنا سکے۔ اسے معاشرتی برائیوں سے آگاہ کرنا اور بچانا استاد کا ہی کام ہے۔ کسی شخص کا اچھا یا برا بننے میں استاد کا ہی عمل دخل ہوتا ہے۔

استاد استاد ہی ہوتا ہے چاہے وہ آپ کو سکول و کالج میں علم کی روشنی سے روشناس کرائے یا آپ کو کوئی ہنر سکھائے۔ بس کچھ استاد اپنے طرز عمل سے اور خوش اخلاقی کی وجہ سے فیورٹ استاد کا مقام حاصل کر لیتے ہیں اور کچھ استاد مولا بخش کے آزادانہ استعمال اور اپنے پڑھانے کے بلکہ جبراً پڑھانے کے طریقہ کار سے ناپسند قرار دیئے جاتے ہیں۔ استاد خواہ جیسا بھی ہو چاہے آپ کو نہ بھی پڑھاتا ہو اس کی عزت کرنا ہمارا فرض ہے کیونکہ استاد کو روحانی باپ کا درجہ بھی دیا گیا ہے۔

ایڈیٹر بھیا نے سروے کے لئے موضوع دیا۔ ”آجکل حقیقی معنوں میں استاد وہی ہے جو؟“

بس موضوع ملنا ہی تھا کہ ہم لنگوٹ کس کے نکل پڑے۔ سروے کرنے اور ہر قسم کے استاد سے یہ سوال پوچھ ڈالا۔ سچ مانئے بڑا مزا آیا اور بڑے مزے مزے جوابات اور تاثرات سننے کو ملتے رہے۔ ہمارے سکول کے زمانے میں ایک استاد صاحب تھے ماشاء اللہ اب بھی ہیں مگر ریٹائرڈ ہیں۔ وہ بہت زندہ دل استاد ہیں یہی سوال لیکر میں ان کے پاس گیا ان کا شروع سے لیکر اب تک ایک تکیہ کلام ہے

”یار تو بڑا استاد ایں“ میرا سوال سن کر مسکرائے اور بولے،
”یار آصف توں اجے وی ٹیں بدلیا بڑا استاد ایں“

وقت بڑا استاد ہے

خیر ہم اپنا سا منہ لیکر رہ گئے اور بڑھے دوسرے لوگوں کی طرف ان میں بھی رنگ رنگ کے استاد نظر آئے۔ بس میں سوار ہوئے تو تھوڑی ہی دیر بعد دو جیب کترے پکڑ لئے گئے۔ پتہ چلا ان میں سے ایک استاد ہے اور ایک شاگرد ہے۔ اور دونوں پکڑے بھی شاگرد کے اناڑی پن کی وجہ سے گئے۔ اب استاد شاگرد پر برس رہا تھا کیونکہ استاد تو جیب کاٹنے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر شاگرد کی قسمت عین موقع پر پکڑا گیا جب لوگوں نے مارنا شروع کیا تو استاد کو مدد کے لئے پکارا لوگوں نے استاد کو بھی دھر لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ انہیں پولیس کے حوالے کرتے۔ میں نے فوراً موقع کا فائدہ اٹھایا اور یہی سوال مار کھاتے ہوئے استاد سے کیا۔ وہ بولا چھوڑیں باؤجی وقت بہت بڑا استاد ہے۔ وہ آہستہ آہستہ انسان کو سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ اب یہی دیکھ لیں اگر یہ تھوڑی سی سمجھ سے کام لیتا تو نہ خود پکڑا جاتا اور نہ مجھے پکڑواتا۔ خیر ابھی نیا ہے کل تک پولیس اسٹیشن سے چھوٹ ہی جائیں گے۔ پھر اسے ایسے ایسے استادی طریقے سکھاؤں گا کہ مجھے بھی پیچھے چھوڑ دے گا۔

روپیہ سب کا استاد ہے

یہی سوال ہم نے ایک صدا لگاتے ہوئے فقیر سے کیا۔ تو اس نے ۵ روپے لیکر جواب دیا کہ روپیہ سب کا استاد ہے۔ اگر کسی کے پاس آجائے تو اسے سب کچھ سکھا دیتا ہے اور جس کے پاس نہ ہو وہ بالکل ناکارہ پرزے کی طرح ہو جاتا ہے۔

اب کچھ باتیں اساتذہ اور شاگردوں سے

استاد ایسا ہونا چاہئے جو انسان کو اس کے مقصد حیات سے روشناس کرائے۔ (مرلو علی شاد پرنسپل انٹرنیشنل سکول رائے ونڈ) امام غزالی کہتے ہیں جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اچھے استاد کا منصب یہی پہچان کروانا ہے۔

قول و فعل میں تضاد نہ ہو.....

آصفہ زاہد (طالبہ) 10th

استاد کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو بلکہ جو دوسروں کو کرنے کی تلقین کرے خود بھی اس پر عمل کرتا ہو۔ اس کے لہجے میں شائستگی اور زبان میں مٹھاس ہو اس کی نظر میں علم کی تحصیل پیسے کمانے کے لئے نہیں بلکہ علم بڑھانے کا جذبہ ہو۔

چائے اور سگریٹ کم پیئے.....

ذیشان طفیل (طالبعلم) 7th

میرے خیال میں استاد اچھا وہی ہے جو طالب علموں کو دل لگا کر پڑھائے۔ چائے اور سگریٹ کم پیئے۔ مضامین کو اچھی طرح سے سمجھا سکے اور زبردستی ٹیوشن پڑھنے پر مجبور نہ کرے۔

رٹا سسٹم کو فروغ نہ دے ..... کامران طفیل (طالب علم) 10th

میری نظر میں استاد ایسا ہونا چاہئے جو سکول میں پوری توجہ دے پڑھانے کا انداز ایسا ہو کہ پہلا ہی لیکچر سب کچھ سمجھا دے اور نہ یہ ہو کہ بار بار پڑھانے اور سمجھانے پر بھی کچھ نہ پلے پڑے۔

طلبہ کی نفسیات سمجھتا ہو..... عابد علی تبسم (ٹیچر) لکھووال

حقیقی معنوں میں استاد وہ ہے جو طلبا کی نفسیات کو پہچانتا ہو ان کے مزاج، موڈ اور طبعی رجحان و ذہنی میلان سے خوب واقف ہو۔ اپنے مضمون پر کامل مہارت رکھتا ہو۔ علم بانٹنے میں بخل سے کام نہ لے۔ علم کو مال و زر سے مشروط نہ کرے اور ان سب سے اہم کہ طلبا کا تعلق انکے خالق و مالک اور بادشاہوں کے بادشاہ سے ایسا جوڑ دے کہ اس تعلق میں رائی کے دانے جتنا بھی فرق نہ آئے۔

محمد تبسم نذیر سالک پرنسپل دی عالم سائنس اکیڈمی رائے ونڈ

آج کل حقیقی معنوں میں استاد وہ ہے جو طلبا کے اخلاقی روحانی اور معاشرتی اقدار کی دیکھ بھال کرے۔

(صائمہ تبسم)..... طالبہ 4th year

حقیقی معنوں میں استاد وہ ہے جو طلبہ کے اخلاقی معیار کی تعمیر کرے۔

سائرہ مبارک..... (طالبہ) 4th year

حقیقی معنوں میں استاد وہ ہے جو طلبہ کی ذہنی اور اخلاقی نشوونما بہتر طریقے سے کرے۔

ہم نے یہ سوال زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اشخاص سے کیا ہے۔ ان کا نچوڑ آپ کے سامنے ملک فیک کی شکل میں پیش کر دیا ہے۔ پسندیدگی کے سٹرا سے پیجئے اور مزے لیجئے۔

زندہ تصنیف

حضرت علامہ اقبال اپنے استاد مولوی میر حسن سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے ایک مرتبہ وہ سیالکوٹ میں رحیم عطار کی دکان پر کھڑے حقہ پی رہے تھے کہ چابک مولوی صاحب ادھر آ نکلے علامہ صاحب نے حقہ وہیں چھوڑا اور بھاگ کر ان کے پیچھے ہو لئے اس وقت وہ زردوزی کے کام کی سلیم شاہی جوتی پہنے ہوئے تھے بھاگ دوڑ میں ایک جوتی پاؤں سے نکل گئی علامہ نے اس کی پروا نہ کی اور اسی طرح سر جھکائے مولوی صاحب کے پیچھے پیچھے رہے۔ مولوی صاحب کو ان کے گھر کے دروازے تک چھوڑ کر واپس آئے مولوی صاحب سے علامہ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ 1923 میں علامہ کو سر کا خطاب ملنے لگا تو گورنر پنجاب نے شمس العلماء کے خطاب کیلئے کوئی نام مانگا علامہ نے فوراً مولوی صاحب کا نام پیش کر دیا گورنر نے پوچھا مولوی صاحب کی کوئی تصنیف ہے علامہ نے بے ساختگی سے جواب دیا ان کی سب سے بڑی زندہ تصنیف میں تو ہوں جنہیں گھر بلا کر سر کا خطاب دیا جا رہا ہے احترام استاد کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔ اسماء نان فیصل آباد

اتنے الزام میں تو فوراً کرکٹ چھوڑ دیتا

پھول فورم میں اسد کی پڑھی لکھی باتیں

ہے ناں کہ اچھا ہو کر ایکٹر ایسا ولن بنے کہ لوگ حقیقت میں اس سے ویسا سمجھنے لگیں اور ہمارے ہاں ایکٹر اکثر نیگیٹو کریکٹر کو پسند نہیں کرتے اور خاص طور پر وہ لوگ جو شکل سے بھی ولن نہ لگتے ہوں جس طرح کہ پھول فورم کے مہمان "اسد"۔

اسد کا خیال ہے کہ نیگیٹو اور ولنز والے کرداروں سے ایکٹر کا لوگوں پر اچھا تاثر نہیں پڑتا مگر ساتھ ہی ان کا یہ بھی خیال ہے کہ انسان ہر طرح کے لوگوں سے سیکھتا ہے برے لوگوں سے بھی اور اچھے لوگوں سے بھی اور اچھائی ایک ایسی خوبی ہے جو اگر ظاہر نہ بھی کی جائے تو پھر بھی خود بخود نظر آجاتی ہے اور سیدھی دل کو جا کر لگتی ہے۔ یہ خوبی اچھے استاد اور اچھے دوستوں کے ساتھ سے آتی ہے۔ فورم میں پھول ساتھیوں نے انہیں خوب گھیرا۔ خوب کھٹے میٹھے سوال کئے مگر اسد نے بہت عمدگی سے جواب دیئے۔ اور ایک اچھا تاثر چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ تبھی تو بھیا نے کہا تھا شو بزنس کی دنیا سے کبھی کوئی پڑھا لکھا چہرہ آئے تو خوشگوار سی حیرت بھی ساتھ آتی ہے۔

ڈاکٹری سے توبہ

میرے والد صاحب انجینئر ہیں اور وہ بڑے بڑے ڈیم بناتے ہیں۔ اسی لئے پہلے ہم کچھ عرصہ تک منگلا ڈیم پر رہے اور پھر تربیلا ڈیم پر چونکہ والد صاحب کا کام ہی ایسا تھا جس کے تحت کافی شہر گھومنے اور وہاں رہنے کا اتفاق ہوا۔ کچھ عرصہ پنڈی، پھر کراچی اور پھر لاہور میں شفٹ ہو گئے۔ میٹرک لاہور کے کریسنٹ ماڈل سکول سے کیا پھر ایف ایس سی، ایف سی کالج سے کی اور علامہ اقبال میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لے لیا کالج میں چار پانچ ماہ پڑھنے کے بعد ہی اندازہ ہو گیا کہ میرا رجحان اس طرف نہیں ہے۔ بس پھر کیا تھا میڈیکل چھوڑا، بی ایس سی کی اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی شماریات میں کر لی۔ میرے بھائیوں کا مار بلو کا بزنس

رپورٹ: آمنہ اعظم

میڈیکل کالج میں پڑھائی کے چوتھے ماہ ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ میرا شعبہ نہیں ہو سکتا

میڈیکل کالج چھوڑ کر شماریات میں ایم ایس سی کر لی

شوبز کی دنیا بڑی عجیب ہے کبھی تو ایک عام سے شریف آدمی کو پکڑ کر خوفناک، ہیبت ناک اور ظالم سا ولن بنا دیا جاتا ہے اور کبھی پھر اسی بھلے آدمی کو خوبصورت، نیک اور حسینیس سا ہیرو بنا دیا جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو دونوں کام ہی آسان ہیں مگر میرا ذاتی خیال ہے کہ نیگیٹو کریکٹر میں جہاں ایکٹنگ کا مارجن زیادہ ہوتا ہے وہاں ایکٹر کی صلاحیتوں کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ ایکٹر پہلے سے تھوڑا بہت اچھا تو ہوتا ہی ہے تو پھر اچھے کو مزید اچھا کر کے پیش کرنا تو آسان ہے مگر بات تو تب

ہے لہٰذا پڑھائی مکمل کرنے کے بعد میں نے انہیں ہی جوائن کر لیا۔

پاکستانی فلم..... نہ بھئی ناں

ایک دن ایک صاحب دکان پر ہی میرے پاس تشریف لائے اور کہا کہ میرے ایک جاننے والے ایک فلم بنا رہے ہیں کیا آپ اس میں کام کرینگے۔ میں نے فوراً کہہ دیا کہ پاکستانی فلم میں نہیں نہیں میں ہرگز کام نہیں کرونگا۔ کچھ دنوں کے بعد وہی صاحب جو فلم بنا رہے تھے ان کا نام احمد کمال پاشا تھا وہ آگئے۔ احمد صاحب حقیقت میں بڑے اچھے، پڑھے لکھے، ڈیسنٹ اور

میں نے فوراً کہا پاکستانی فلم۔ نہیں نہیں

سچ یہ ہے کہ میں نے کبھی دل سے فلموں میں کام نہیں کیا

Well Spoken ہیں انہوں نے مجھے بڑا امپریس کیا اور یوں میں ان کی فلم میں کام کرنے لگا۔ اس فلم کا نام زہر قاتل تھا اور اس میں مجھے سلطان راہی کی جگہ کاسٹ کیا گیا۔ خیر میں فلم کر رہا تھا تو اسی دوران نذر شباب نے مجھے اپنی فلم "قیامت کے بعد" میں کاسٹ کر لیا۔

لیکن میں سچ بتاؤں کہ میں نے کبھی بھی دل سے فلموں میں کام نہیں کیا شاید یہی وجہ ہے کہ میں فلموں میں میرا گراف کبھی بھی اچھا نہیں گیا۔ بس مجھے تو

پہچانے جانے کا شوق تھا۔ فن کی خدمت کا کوئی شوق نہیں تھا ویسے بھی ہمارے ہاں فن ہے کہاں یا کون ایسا ہے جو فن کی خدمت کر رہا ہے۔ یہاں تو بس اب فن FUM ہی بن کر رہ گیا ہے۔ فلم کرنے کے دوران میری عابد علی سے کئی دفعہ ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھے اپنی سیریل دشت میں کام کرنے کی آفر دی اور یوں دشت میری ٹی وی پر پہلی انٹری تھی۔ جو ہٹ رہی۔

اچھے ایکٹر کیلئے کیا ضروری ہے

..... ایکٹر کیلئے نہ تو زیادہ پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے اور خوبصورت ہونا تو بالکل ہی ضروری نہیں۔ البتہ اسکا مشاہدہ تیز اور گہرا ضرور ہونا چاہئے اور خاص طور پر اپنے کریکٹر کے بارے میں اس کا مطالعہ ضرور ہونا چاہئے۔

چھوڑو پرے

انسان لوگوں سے اور اپنے تجربات سے جو کچھ سیکھتا ہے وہ کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں بہت چھوٹا سا تھا تو ایک دفعہ میری ٹی وی کے ایک مشہور ایکٹر سے ملاقات ہوئی میں بڑے جوش اور خوشی سے ملنے گیا مگر وہ مجھے بڑے غصے میں ملا حالانکہ میرا خیال تھا کہ ٹی وی پر کام کرنے والے ہمارے گھر کے فرد کی طرح ہوتے ہیں اور مجھے امید تھی کہ وہ مجھے بڑے پیار سے ملیں گے۔ ہو سکتا ہے اس میں ان کا قصور نہ ہو ان کی عادت ہی یہی ہو مگر بہر حال مجھے یہ بات اس وقت بہت بری لگی اور تب میں نے ان سے یہ بات سیکھی کہ جب بھی کسی سے ملو بڑے اچھے طریقے سے ملو عین ممکن ہے ملنے والا بڑے اعتماد، امید سے اور خوشی سے ملنے آیا ہو۔ میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتا ہوں اور خاص طور پر بچوں سے تو میں اس طرح ملتا ہوں کہ میں انہیں 6، 7 سال سے جانتا ہوں اور میں ان کا کوئی چاچا یا ماما لگتا ہوں۔

انسان اگر کسی دوسرے کو کوئی خوشی نہیں دے سکتا تو کم از کم اسے دکھ تو نہ دیں اور کم از کم لوگ مجھ سے مل کر یہ تو نہ کہیں کہ

"یار کیا آدمی سے مل کر آئے ہیں چھوڑو پرے"

فلاپ ایکٹر

..... ایکٹر کبھی فلاپ نہیں ہوتا اگر میں فلم میں فلاپ ہو چکا تھا تو پھر میں ٹی وی پر نہیں چل سکتا تھا۔

مجھے تو فن کی خدمت کا کبھی شوق نہیں رہا

ایکٹر کیلئے پڑھا لکھا ہونا بالکل ضروری نہیں

ایک ایکٹر نے وہی سب کچھ کرنا ہوتا ہے جو Direc-tor کہتا ہے یا جیسا سکرپٹ ہوتا ہے۔ ایکٹر تو وہ فلاپ ہوتا ہے جسے پبلک Accept نہیں کرتی۔ لیکن مجھے تو لوگوں نے Accpet کیا ہے تبھی تو میں ٹی وی پر کام کر رہا ہوں۔

کرکٹ اتنے الزام..... میں تو فوراً چھوڑ دیتا

..... پہلی بات تو یہ ہے کہ نہ تو مجھے کرکٹ کھیلنے کا شوق ہے اور نہ ہی دیکھنے کا۔ یہاں تک کہ گھر میں بھائی اور ابو اتنے شوق سے میچ دیکھ رہے ہوتے اور خوشی سے کرسی سے دو دو تین فٹ اچھل رہے ہوتے ہیں مگر میں وہاں کرسی پر بیٹھا ہوا میچ دیکھ بھی رہا ہوتا ہوں تو کچھ اور سوچ رہا ہوتا ہوں اور جہاں تک پاکستان کی پرفارمنس کا تعلق ہے تو میرا ذاتی خیال ہے کہ کوئی بھی اتنا بے غیرت اور خود غرض نہیں ہوتا کہ اگر ان کی بدولت ملک کو اتنا بڑا اعزاز اور مقام مل رہا ہو مگر وہ چند روپوں کی خاطر اپنے آپ کو بیچ دیں۔ یہ سراسر پاکستانی ٹیم پر الزامات ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور ویسے اگر میں کرکٹ کھیل رہا ہوتا تو جس ٹیم پر اتنے الزامات لگ رہے ہوں میں تو اسے فوراً چھوڑ دیتا۔

واہ کیا سبق ہے جو میرے بہترین استاد نے مجھ کو دیا

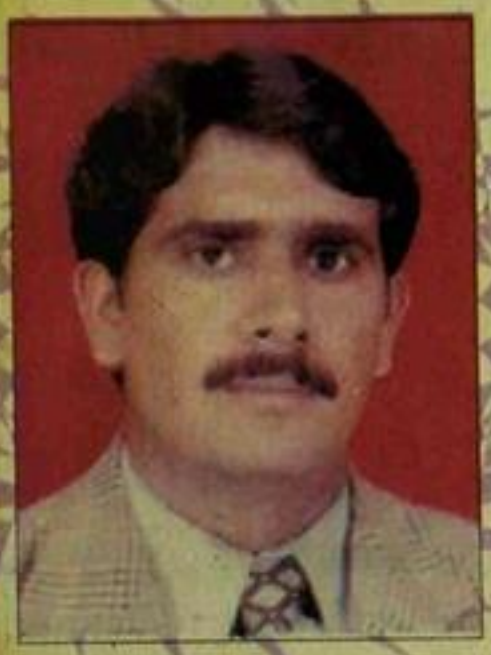

رپورٹ = صائمہ اکرم، صادق آباد

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ علم معزز لوگوں میں وجہ عزت ہوتا ہے اور جاہلوں میں وہی علم توہین کا باعث بنتا ہے۔ جس طرح پانی کا قطرہ سانپ کے منہ میں چلا جائے تو زہر بن جاتا ہے اور صدف میں داخل ہو جائے تو موتی بن جاتا ہے گویا انسان اپنے رویئے اور کردار سے چاہے تو علم کو نور کا سمندر بنالے خواہ غرور و تکبر بنا کر "بوجھل" بنالے

☆ میرے زمانہ طالب علمی میں میرے ایک شفیق سے استاد "محترم" صاحب نے مجھے ایک مرتبہ کہا تھا۔ "بیٹا اگر تم کسی کو سکھ نہیں دے سکتے تو پھر زندگی میں کسی کو دکھ بھی مت دینا" ان کا یہ سبق ہمیشہ مجھے یاد رہا اور مشعل بن کر مجھے راستہ دیکھاتا رہا۔ (عرفان اقبال گورنمنٹ کمرشل کالج صادق آباد)

☆ مجھے ہمیشہ زندگی میں بہترین اساتذہ ملے ہیں آج جبکہ میں خود بھی ایک استاد ہوں میری ایک ٹیچر مس "پروین" نے مجھے ایک مرتبہ کہا تھا۔ "اپنی زندگی میں جتنے دل ہم راضی کریں اتنے ہی ہماری قبر میں چراغ جلیں گے۔ ہماری نیکیاں ہمارے مزار روشن کرتی ہیں سخی کی سخاوت اسکی اپنی قبر کا دیا ہے۔ (ناہید یعقوب، اپجی سن کیڈٹ سکول صادق آباد)

☆ میرے آئیڈیل ٹیچر چودھری محمد شریف سابق ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ماڈل ہائی سکول تھے انکی اصول پرستی باقاعدگی، نظم و ضبط، انکی خوش گفتاری، اٹل لہجہ، حتمی فیصلے، طلبہ سے محبت ہر پہلو قابل ستائش تھا۔ (علی احمد انچارج شعبہ لوبر ہنما ماڈل سکول صادق آباد)

☆ ہماری ایک ٹیچر مسز صفیہ نے ایک بار کہا تھا کامیابی اور ناکامی اتنی اہم نہیں جتنا کہ انتخاب مقصد نیک مقصد کے سفر میں ناکام ہونے والا رے مقصد میں کامیاب ہونے والے سے بدرجہا بہتر ہے۔ (شازیہ اصغر بسم اللہ پبلک سکول صادق آباد)

☆ میری کالج لائف میں میری فیورٹ لیکچرار مسز "فرزانہ نظام الدین" جو آج کل بہاولپور ہوتی ہیں۔ انہوں نے مجھے ایک مرتبہ بہت شفیق انداز میں سمجھاتے ہوئے کہا تھا "زندگی حقیقتوں سے روشناس ہونے حقیقتوں کا سامنا کرنے کا نام ہے حساس ہونا انسانیت کی علامت ہے مگر حد سے بڑھی ہوئی یہ خصوصیت زندہ درگور کر دیتی ہے۔ اعتدال بہترین اصول ہے۔ (حمیرا اقبال الزہرا سکول صادق آباد)

☆ یوں تو میرے کئی استاد ہیں مگر میرے والد محترم "تاج الدین" میرے بہترین استاد تھے۔ انہوں نے مجھے "مصر" اور جامعۃ الملک السعودیہ ریاض یونیورسٹی سے تعلیم دلوائی وہ مجھے ہمیشہ کہتے تھے۔ "بیٹا جو بھی کام کرو اس میں مکمل مہارت حاصل کرو۔ (قاری عبدالرشید مدرسہ جامعہ رشیدیہ صادق آباد)

☆ میرے بہترین استاد اشرف صاف اور الٰہی بخش ہیں انہوں نے ایک بہت اچھی بات کہی جو اب تک مجھے یاد ہے۔ "زندگی سے تقاضا اور گلہ نکال دیا جائے تو سکون پیدا ہو جاتا ہے سکون اللہ کی یاد سے اور انسان کی محبت سے پیدا ہوتا ہے۔
(عابد اعجاز رہنما ماڈل سکول صادق آباد)

☆ میرے بہترین استاد نے مجھے یہ نصیحتیں کی تھیں جو میری کامیاب زندگی کیلئے مشعل راہ ہیں۔ "غصہ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے اس سے بچنا" (سر عدنان وائس پرنسپل مدرسۃ النبات صادق آباد)

☆ میرے بہترین استاد علی احمد صاحب ہیں جنہوں نے میری ہر قدم پر رہنمائی کی۔ وہ میرے شفیق استاد ہی نہیں بہت اچھے دوست بھی ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا ہمیشہ تعلیم کے ساتھ محبت کرنا اسے کبھی بوجھ مت بنانا۔ (محمد احسن رہنما ماڈل سکول مظہر فرید کالونی)

☆ لفظ استاد ایک معتبر لفظ ہے اور اس لحاظ سے استاد دنیا کی عظیم شخصیت ہے میرے بہترین استاد نے مجھ کو سبق دیا تھا۔ "بیٹا حق پر قائم رہنا اور زندگی کو اصول و ضوابط کے مطابق گزارنا اس سے تمہاری زندگی کامیاب رہے گی" (محمد یوسف پنجاب ہائر سیکنڈری سکول آف صادق آباد)

بچے ہمارے عہد کے "استاد" ہو گئے

ہمیں "استاد نمبر" کے حوالے
سے منفرد سٹائل میں فوٹو
سیشن کروانے کو کہا گیا تو فوراً
اپنے ماڈلز کو لے کر ہم چلڈرن
کمپلیکس جا پہنچے۔
وہاں چار ماڈلز کو باری باری استاد
بننے کا موقع دیا گیا تو ہر ایک
نے مختلف طریقوں سے
"استادی" دکھائی۔

اقصیٰ کو ایک سخت گیر استانی کے روپ میں ڈنڈا
پکڑے ہوئے دیکھ رہے ہیں جبکہ ساری کلاس
کان پکڑ کے سہمی ہوئی کھڑی ہے۔

اہتمام..... تعظیم کوثر
رپورٹ..... تسلیم کوثر
ماڈلز ..... زید، سلطان،
شانزہ، کامران
اقصیٰ، رضا کاظمی، نیجہ
وجیہہ، ندا آصف

اس طرح سلطان آصف بچوں کو کھیل کے ذریعے
سکھانے کے حق میں ہیں۔ تمام بچوں نے ان نئے اساتذہ

شجیہ اکرام لیکچر کے بعد گروپ ڈسکشن پر زیادہ
یقین رکھتی ہیں۔ شاید انہوں نے نسیم اختر
صاحب سے گروپ ڈسکشن کی افادیت کے
حوالے سے نوٹس لئے ہیں۔

کے ساتھ بڑا انجوائے کیا اور سب نے ہی کہا کہ "ہم کو
گئے استاد"

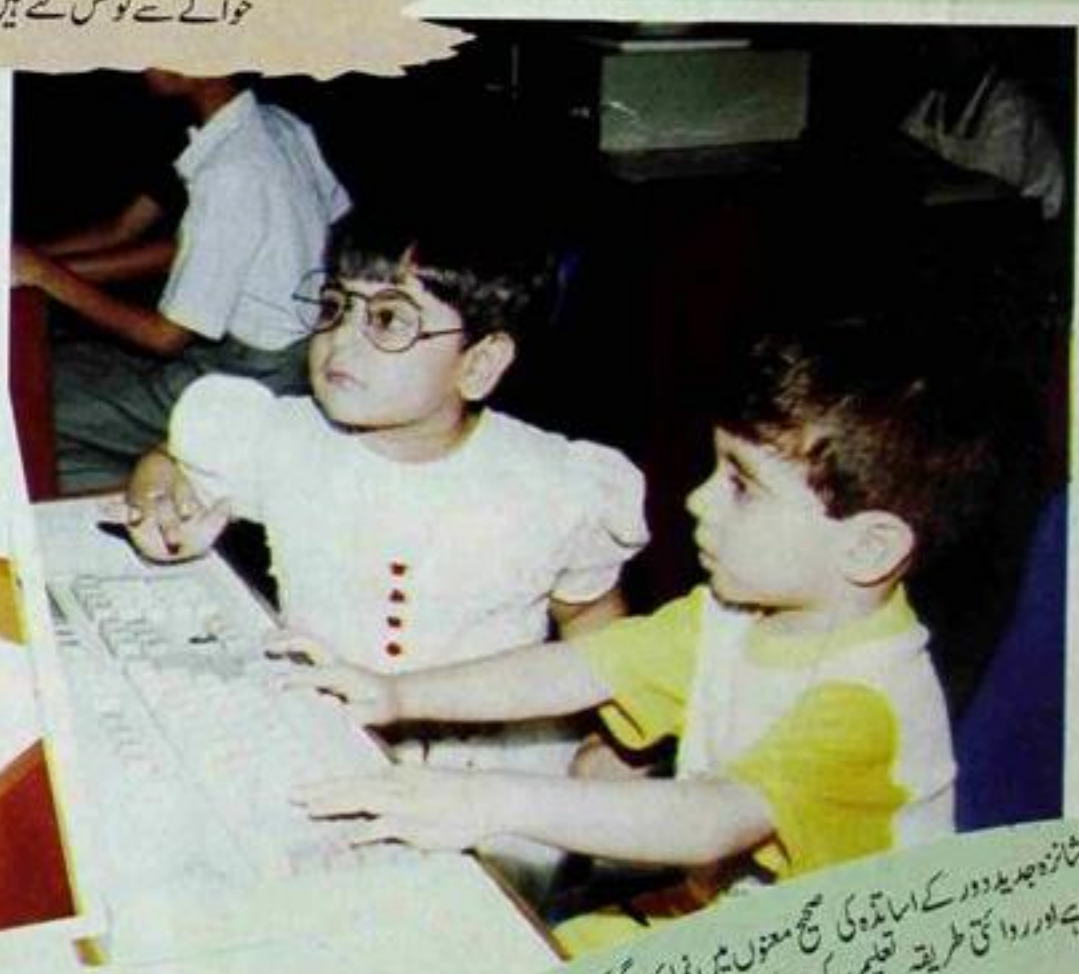

ان بچوں نے ہم بڑوں کو بھی سبق دیا ہے۔ اب اگر کوئی ان
سے سیکھنا چاہے تو ان کا کہنا ہے کہ "چشم ما روشن دل ما شاد"

شائستہ جدید دور کے اساتذہ کی صحیح معنوں میں نمائندگی کر رہی
ہے اور روایتی طریقہ تعلیم پر کمپیوٹر کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔

ڈان نان کی کہانی اس کی زبانی

ڈان نان
خود کو چودھویں کا چاند کہہ رہا ہے
کیا بات ہے!

ڈان نان کے سوالوں کے جواب دیجئے
اور جیتئے ایک عدد ٹوسٹر

پیارے بچو!.....السلام علیکم!

میں ہوں ڈان نان! میرا حسن چودھویں کے چاند کو شرماتا ہے کیونکہ میں بھی چاند کی طرح گول ہوں، اس سے پہلے آپ نے ڈان برگر بن اور ڈان فروٹی کی کہانی بڑی دلچسپی سے سنی اور ان کے سوالوں کے جواب دے کر ٹوسٹر بھی انعام میں پائے۔ اس ماہ "دی ہاؤس آف ڈان" سے میں آپ سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔

میری کہانی برگر بن اور فروٹی سے منفرد ہے۔ آج سے چند سال پہلے تک میں صرف گلی محلے کے تندروں پر پایا جاتا تھا۔ لیکن وہاں میں زیادہ خوش نہ تھا، ایندھن کی کمی بیشی میرے حسن پر براہ راست اثرانداز ہوتی تھی، بعض اوقات تو میں جل کر کباب ہو جاتا تھا۔ (یعنی چاند گہنا جاتا تھا) بعض اوقات تھوڑا کچا ہی رہ جاتا تھا۔ کبھی کبھار خشک ہو کر اکڑ بھی جاتا تھا، کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ میرے ذائقے میں تندور کی مٹی کے ذرے بھی شامل ہو جاتے تھے۔ (اف کیسی ملاوٹ تھی) کئی مرتبہ تو میری تیاری کیلئے جب آٹا گوندھا جاتا تھا تو گندے مندے ور کر اپنا پسینہ بھی میرے Ingredients میں شامل کر دیتے تھے۔ (توبہ توبہ کتنی دکھی زندگی تھی میری بھی) لیکن خدا کا شکر ہے جیسے جیسے ٹیکنالوجی ترقی کرتی گئی۔ لوگوں کا معیار زندگی بھی بلند ہوتا گیا اور اب میرے حالات یکسر بدل گئے ہیں۔ اب میں کوئی ایسا ویسا نان نہیں رہا۔ بلکہ ڈان کی فیکٹری میں میرے لئے ایک بے حد جدید پلانٹ امریکہ سے برآمد کیا گیا۔ جسے اعلیٰ تکنیکی مہارت کے حامل ماہرین بے حد Hygenic environmant میں عمدہ قسم کے درآمد شدہ میٹریل سے تیار کرتے ہیں۔ میری تیاری کا مرحلہ بہترین اعلیٰ تکنیکی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (توبہ کہیں میں مغرور نہ ہو جاؤں) آپ شاید توقع کرتے ہونگے کہ ڈان فیکٹری میں بڑے بڑے تندور ہونگے جن پر نان لگ رہے ہوں گے۔ جی نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہاں پر ہر کام مشینوں پر ہوتا ہے، آٹا گوندھنے کے مرحلے سے لیکر پیکنگ کے مرحلے تک، ہر کام مشین کرتی ہیں۔ اس سے میں نہ صرف صاف ستھرے طریقے سے تیار ہو جاتا ہوں بلکہ وقت کی بھی بہت بچت ہو جاتی ہے۔

مجھے پسند کرنے والوں میں بچے، بوڑھے اور جوان سبھی شامل ہیں۔ میری لذت ہی میری خوبی نہیں بلکہ میں نہایت زود ہضم بھی ہوں اس کے علاوہ میری وجہ سے آٹا گوندھنے اور روٹی پکانے کا جنجھٹ بھی ختم ہو گیا ہے۔ وقت کی کمی کا بکھیڑا بھی نہیں رہا۔ ادھر پیکٹ کھولیں اور پانچ کے پانچ نان گرم کر کے گھی لگا کر یا ویسے ہر قسم کے سالن کے ساتھ کھائیں (ویسے مجھے کڑاہی گوشت، چکن بروسٹ کے ساتھ کھایا جانا زیادہ پسند ہے) صبح کا ناشتہ ہو یا رات کا کھانا میں ہر دسترخوان پر موجود ہوتا ہوں، آپ مجھے پکنک میں (مجھے پکنک پر جانا بہت پسند ہے) ہوٹلوں میں، ایمبیسیوں میں، دعوتوں میں، دوران پرواز ہر جگہ اعتماد سے لے جائیں، اور اطمینان سے کھائیں۔ میں ہر وقت آپ کے ساتھ ہوں اور میری قیمت نہایت مناسب 5 نان کا پیکٹ صرف 12 روپے میں ہے۔ لیجئے اب پڑھیئے سوالات اور جیتئے ایک عدد ٹوسٹر

1-ڈان کی وہ کونسی پراڈکٹ ہے جسے الٹا بھی پڑھیں تو وہی بنتی ہے۔

2-ڈان نان کے ایک پیکٹ میں کتنے نان ہوتے ہیں۔

3-ڈان نان کیسا ہے۔

لذیذ، زود ہضم، نرم و ملائم اور غذائیت سے بھرپور

واسلام آپکا اپنا ڈان نان

واہ بھئی واہ مزے کا مزا اور انعام کا انعام

ایک سعید روح کی کہانی جس کا دھیان سب کو کاٹ کھاتا تھا۔ کبھی
کسی کے تھوڑے سے عمل سے دوسروں کی زندگی کبھی تبدیل ہوتی
ہے ایک کالی کرتوت والی داستان ..... جو بے وجہ پریشانی میں مبتلا
کیسی ہو گئی تھی

نورپری

وضو کر کے امی جب واش روم سے باہر آئیں تو اسماء بے خبر اپنے پلنگ پر سو رہی تھی۔ امی نے تولیئے سے منہ پونچھتے ہوئے آواز دی۔ "اسماء بیٹے، نماز کا وقت جا رہا ہے جلدی اٹھو۔"

تولیہ سٹینڈ پر لٹکانے کے بعد واپس آئیں تو اسماء ہنوز سو رہی تھی امی نے نسبتاً بلند آواز سے پکارا۔ "امی بیٹے جلدی اٹھو فاطمہ۔ اڑھائی بج گئے ہیں" کمرے سے باہر نکلتے نکلتے پھر امی نے وارننگ دی۔ "آج صبح کی طرح اگر ظہر کی نماز بھی قضا پڑھی تو یاد رکھنا تمہارے برتن الگ کر دوں گی" نماز سے فراغت کے بعد، امی کو یاد آیا آج سہ پہر کی چائے پر عشرت (بڑے بیٹے) کے دوست مدعو تھے۔ انہوں ہڑبڑا کر جاء نماز سمیٹا۔ اسماء کو آواز دی۔ اسماء۔ اور لو اسما نماز پڑھ لی ہے تو جلدی سے کچن میں آجاؤ عشرت کے دوست چائے پر مدعو ہیں۔ شامی بنانے کے لئے قیمہ کوٹنا ہے۔ پکوڑوں اور سینڈوچز کا میٹریل تیار کرنے کے بعد، انہوں نے ہدایات دیتے ہوئے اسماء کے کمرے کا رخ کیا۔ "جوں جوں قد بڑھا ہوتا جا رہا ہے، توں توں عقل ٹخنوں میں آ رہی ہے، نماز پڑھ کے پھر کوئی رسالہ لیکر لیٹ گئی ہو گی، لاپرواہ، خبطی دنیا جہاں کی۔ انہوں نے جونہی کمرے میں قدم رکھا۔ غصے سے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

گھنٹہ بھر پہلے والی پوزیشن میں وہ اپنے پلنگ پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی۔ ایک تو ہوا کی برکت کی بغیر اطلاع کے چھٹی لوپر سے اسماء کی یہ حرکت انہوں نے بے خبر اسما پر دھاوا بول دیا۔ بازو سے پکڑ کر نیچے کھینچا۔ "بدبخت! ماں کے ساتھ کام تو کیا کروانا ہے تجھے تو نماز کی بھی پرواہ نہیں خدا جانے خود نماز کب سے پڑھے گی جب تک دس دفعہ تاکید نہ کر دو، مجال ہے نماز پڑھ لے، وہ بھی بھلا کوئی نماز ہے جو ہڑبڑا کر اس لور ڈانٹ ڈپٹ کے بعد پڑھی جائے۔ چھوٹی تو نہیں ہو اس ماہ کی 25 کو پورے پندرہ سال کی ہو جاؤ گی۔ حدیث میں ہے دس سال کی عمر میں چپ چاپ سے نماز نہ پڑھے تو مار..... "خدا کے لئے امی بس کریں، چڑ ہو گئی ہے مجھے اس حدیث سے سن سن کے کان پک گئے ہیں۔ اسماء پھٹ پڑی۔ "چناخ..... ایک زوردار تھپڑ اسکے منہ پر پڑا اور نشان چھوڑ گیا۔ بد نصیب، بدبخت، حدیثوں سے چڑتی ہے اور منحوس ٹی وی کے آگے دس دس گھنٹے بیٹھی رہتی ہے۔ موئے میچ دیکھنے کے لئے۔ نماز کے لئے اسکی ٹانگیں ٹوٹتی ہیں خبردار اگر مجھے امی کہا یا مجھ سے تعلق رکھا۔ امی پاؤں پٹختے ہوئے باہر نکل گئیں۔ اسماء کا ہاتھ ابھی بھی تھپڑ والی جگہ پر تھا۔ اسکا دماغ تھپڑ لگنے کی آواز سے سائیں سائیں کر رہا تھا۔ سرخ سرخ انگلیاں منہ پر جم گئی تھیں۔

آنکھوں میں جلن سے آنسو سرخ مرچوں کی طرح اور ماتھے پر بغاوت کی سلوٹیں تھیں۔ "ہونہہ اس نماز کا کیا فائدہ جو ماں باپ کے خوف سے پڑھی جائے، دکھاوے کی نماز۔" وہ خیالات کی رو میں کہاں بہہ نکلی۔ جب دل نہیں چاہتا تو منافقت کی نماز کاہے کو پڑھوں۔ دلوی لاں کہتی ہیں "ویلے دی نماز تے کویلے دیاں ٹکراں" (وقت پر نماز، بے وقت کی ٹکریں) ایسی ٹکریں مروانے کا کیا فائدہ۔ اس نے حقارت سے سوچا۔ شام گئے تک ڈرائنگ روم میں سے باتوں اور قہقہوں کی آوازیں آتی رہیں۔ وہ کمرے میں قید رہی، نہ امی نے اسے بلایا نہ وہ باہر نکلی۔ وہ خود بہت پریشان تھی۔ آخر اس کا نماز میں دل کیوں نہیں لگتا، ہر مرتبہ امی کی چخ چخ پر وہ دل سے عہد باندھتی مگر وہ چار دن ان پر قائم نہ رہ پاتی۔

رات کے کھانے پر انکی پرانی ملازمہ ماسی کالی نے اسے پکارا۔ "بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں سب کھانا کھا رہے ہیں آپ بھی آجاؤ چندا"۔ اسماء بے حس و حرکت لیٹی رہی۔ آج اسے زندگی انتہائی زہریلی شکل میں ملی تھی۔ جس ماں نے ساری زندگی اسے ہتھیلی کے چھالے کی طرح رکھا آج محض ایک نماز نہ پڑھنے پر ڈانٹ، لعن طعن، تھپڑ، زناٹے کا، حقارت نفرت، غصے سے بھرپور تھپڑ۔ ماسی کالی کے جانے کے بعد اس نے کمرہ اندر سے لاک کر لیا۔ خالی پیٹ اسے نیند نہ آ رہی تھی۔ نمکو اور چپس کے دو ننھے منے پیکٹ اسکے ہینڈ بیگ سے کب کے پیٹ میں منتقل ہو چکے تھے اب وہ انتظار میں تھی کب گھر کے افراد سوئیں تو وہ پیٹ پوجا کیلئے باہر نکلے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو غصے اور انتقامی حالت میں بھی "بھوک ہڑتال کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں"۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے تک اسے باہر قدموں کی چاپ سنائی دیتی رہی۔ بارہ بجے سب کمروں کی لائٹیں آف ہوئیں تو سوا بارہ بجے وہ باہر نکلی۔ ہر سو رات کا گہرا سناٹا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل صاف شفاف اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ کچن میں صفائی دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ کوکنگ کا کام کبھی ہوا ہی نہیں، ہر پتیلی اور برتن اوندھے پڑے اس کا منہ چڑا رہے تھے۔ پلیٹیں گلاس چمچ دھل دھلا کے اپنے اپنے ٹھکانوں پر اس کا مذاق اڑا رہے تھے وہ ڈیپ فریزر کے پاس آئی۔ "چند خوبانیاں، آلو بخارے اور چکن پلاؤ کے چار پانچ چمچ..... اور بس۔ غصے سے اسکی مٹھیاں بند ہو گئیں۔ "صرف نماز نہ پڑھنے پر لولا سے اتنا سنگین انتقام۔ وہ تو ہمیشہ کی طرح اس امید میں تھی کہ امی پلیٹ میں اس کی من پسند اشیاء لائیں گی۔ وہ چند آنسو بہا کر ہمیشہ کی طرح مان جائے گی۔ اس نے سارا غصہ ڈیپ فریزر کے ڈھکن پر نکالا!! چاولوں کے دو چار چمچ سے بھوک تو کہاں ختم ہونا تھی بلکہ پیٹ کی مل من مزید، میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس وقت اس کے دل کے ہزارویں حصے میں بھی ماں کے لئے محبت کے جذبات نہیں تھے۔ "خدا جانے کیسی مائیں ہوتی ہیں جو لولاد کی خاطر جان دے دیتی ہیں انہوں نے تو ایک وقت کا کھانا بھی نہ دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چشمے کی طرح بہہ نکلے۔ وہ آنسو پی رہی تھی۔ آنسوؤں کے ذائقے میں اسے یاد آیا کہ امی نے سہ پہر اسے اٹھاتے ہوئے شامیوں کے لئے قیمہ کوٹنے اور عشرت کے دوستوں کی دعوت کی بات کی تھی۔ وہ پھرتی سے اٹھی ڈیپ فریزر سے تلاش بسیار کے بعد کھلے اور دو چار شامی مل گئے۔ موج آڑائی۔ پھر سپرائٹ پی۔ پیٹ بھرا تو عقل ٹھکانے آئی۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔

سب سے پہلے اس نے اپنا محاسبہ کیا۔ وجہ کیا تھی نماز نہ پڑھنا۔ مگر اتنا سخت رد عمل؟ دوسرا پوائنٹ دماغ نے یہ اٹھایا کہ اگر پیٹ بھرا ہو تو دو سجدے شکرانے کے ادا کر لینے میں حرج ہی کیا ہے۔ ماں بھی خوش۔ اللہ بھی راضی۔ یہ ٹھیک ہے۔ اس نے سوچا۔ ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے باہر لان میں اس نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں اکٹھی ادا کیں۔ جائے نماز سمیٹتے ہوئے۔ دل نے ہنکارا بھرا۔ "بس اتنی سی بات تھی جس کے لئے ماں کے تھپڑ کھائے، اتنے میں اس کے پاؤں سرونٹ کوارٹر کی طرف اٹھے۔ وہاں اسے دروازہ کھلا اور مسلسل پانی بہنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اندر برتن دھونے اور کپڑوں کی دھلائی والی ماسی کالی کچھ گنگنا رہی تھی۔

اسماء نے کبھی ادھر کا رخ نہیں کیا۔ آج قسمت ادھر لے ہی آئی تو وہ جاننے کے لئے بے تاب تھی کہ اس وقت اندر کیا ہو رہا ہے۔ اس نے دبے پاؤں اندر قدم رکھا۔ ماسی کالی وضو کر رہی تھی۔ وہ دروازے سے دیکھتی رہی۔ وہ دروازے سے دیکھتی رہی۔ جائے نماز بچھانے سے پہلے ماسی کالی نے گھر کے سوئے وجودوں پر پھونک ماری۔ اس کا دل چاہا وہ بھی جائے اور بھاگ کر ایک پھونک اپنے اوپر مروالے۔ پھر ماسی کالی نے نماز کی نیت باندھ لی۔ اس نے دلاوی اماں، امی، پاپا، بڑے بھیا سب کو نمازوں کا پابند بنایا۔ سب بڑے خشوع خضوع سے نمازیں پڑھتے تھے مگر جو بات اور جو چیز اسے ماسی کالی کے چہرے پر نظر آئی وہ کسی میں نہ دیکھی۔ ماسی کالی کی رکعت طویل ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بڑی حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ہلکی سی نم آلود آواز۔ شدت کرب سے ریزہ ریزہ ہوتا چہرہ۔ خدا جانے ماسی کالی کے چہرے پر کیا تھا وہ مسحور ہو کر ہولے ہولے انکے قریب جا بیٹھی۔ ماسی کالی نے سلام پھیرا تو پریشانی سے اسے دیکھا۔ "پتر کیا بات ہے اس وقت؟ خیریت تو ہے؟" "ماسی نیند نہیں آ رہی تھی میں نے دروازہ کھلا دیکھا تو اندر آ گئی" "ست بسم اللہ میری دھی کو اس وقت نیند کیوں نہ آئی" انہوں نے اسکے ماتھے پر بوسہ دیا۔ "اسماء نے اپنا جرم چھپا کے، امی پر عائد کردہ فرد جرم سنانا چاہی، مگر ضمیر کی عدالت نے اجازت نہ دی۔ تب اس نے آہستہ آہستہ ساری بات ماسی کالی کو بتا دی۔ ماسی کالی نے اسے پیار کیا۔ "پتر نماز تو دل سے، شوق سے پڑھی جاتی ہے، اللہ کے دربار میں تو بے دلی اچھی نہیں۔" "مگر ماسی مجھے یہ بتاؤ۔ میرا دل نماز پڑھنے کیلئے کیوں نہیں آمادہ ہوتا۔ مجھے نماز ہزار کوششوں کے باوجود کالے پہاڑوں سے مشکل کیوں لگتی ہے۔ وہ اب رو رہی تھی۔ وہ اس لئے دھی رانی کہ نفس زیر نہیں ہوا۔ خدا نے اپنے نور کی جھلک نہیں دکھائی۔ "نور کی جھلک؟" اسماء نے حیران ہو کر پوچھا۔ "ہاں دھیئے کسی بھی وقت کسی لمحے، کسی واقعہ میں اللہ سائیں اپنے ہونے کی اپنے نور کی جھلک بندے کو دکھا دے تو پھر بندہ بس اسی کا ہو جاتا ہے۔ "اچھا۔ ماسی کالی آپ بتائیں آپ نمازیں کیوں پڑھتی ہیں؟ ..... "میر!" ماسی کالی نے دھیمے لہجے میں پوچھا "میں تو دھیئے نماز اس لئے پڑھتی ہوں کہ ہمارے محبوب کالی کملی والے نے نماز پڑھی۔ انکی محبت میں، میں پڑھتی ہوں۔ اگر نہ پڑھوں تو روز قیامت میرے سرکار کتنے خفا ہوں گے۔ بس ان کی محبت میں پڑھتی ہوں۔ ماسی کالی نے اس کے سینے پر پھونک ماری۔ "اب سائیں تجھے اپنا بنا لے، سوہنا محبوب تجھ سے راضی ہو۔ میری بچی تو تو ایسی نمازن بنے گی کہ ..... تیزی سے اسماء نے بات کاٹی۔ "ماسی کالی آپ نے کبھی نماز چھوڑی بھی ہے "" نہیں دھیئے۔ بے نمازی کی طرف تو ہمارے آقا نظر بھی نہ ڈالیں گے"۔ "آپ ماسی کالی کتنے بجے کا الارم لگاتی ہیں تہجد کے لئے" ماسی کالی مسکرائی۔ تہجد الارم لگا کر نہیں پڑھتے پتر۔ وہ الارم تو اب سوہنے کا نور ہوتا ہے جو مجھے مرغے کی بانگ سے پہلے اٹھا دیتا ہے۔ ایسا نور ایسی ٹھنڈ پڑتی ہے جب اس وقت اٹھتی ہوں" آپوں آپ ہی آنکھ کھل جاتی ہے۔ لگتا ہے رب سوہنا مجھے خود اٹھانے آتا ہے۔ چل کالی اٹھ جا۔ دل کی سیاہی دور کر لے۔ مجھے یاد کر کے دلوں میں نور بھر لے۔ لوگوں کو رات کا اندھیرا محسوس ہوتا ہے مگر مجھے لگتا ہے کہ رب سوہنے نے چاروں طرف روشنی ہی روشنی پھیلا دی ہے۔ اسی نور کی وجہ سے سارا دن اچھا گذرتا ہے۔ ورنہ تو دھیئے بے نمازیوں کی زندگی ہی بے نور نہیں ہوتی بلکہ کاموں سے بھی برکت اٹھ جاتی ہے۔

کتنی خوش قسمت ہے ماسی کالی۔ ہر ایک کے کام آتی ہے۔ بغیر کسی غرض کے سب کو خوش رکھتی ہے۔ محلے بھر کے بچوں کو سکول چھوڑ کے آنا، محلے کے بچوں کو لے کر آنا، انکی گندم صاف کرنا، برتن کپڑے ہر خوشی غمی میں آگے آگے۔ نہ کسی سے گلہ شکوہ نہ حرص و ہوس پھر بھی مطمئن اور شاداں!! وہ اپنے بیڈ پہ لیٹی یہی سوچتی رہی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو سورج نکل چکا تھا اسے زندگی میں پہلی دفعہ پچھتاوے کا احساس ہوا۔ ایسا پچھتاوا کہ لاکھوں روپے کے نقصان پر نہ ہوا ہو گا۔ کوئی چیز چھن جانے کے، گم ہو جانے کے غم سے بھی بڑا غم۔ نماز قضا ہونے کا غم۔ اس نے جلدی جلدی وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ آنسو چشمے کی طرح بہہ نکلے۔ اللہ جی ناراض نہ ہوں۔ اب ضرور وقت پر اٹھوں گی۔ وہ اب روز ماسی کالی کے پاس جاتی۔ اسے محسوس ہوتا کہ یہ علم سکولوں کالجوں میں نہیں ملتا۔ علم کی سب سے بڑی درسگاہ تو ماسی کالی ہے۔ اسکی ہر بات سے حکمت کے سوتے پھوٹتے۔ وہ جو دنیا بھر کے لئے ماسی کالی ہی نہیں "سیاہ کالی" تھی۔ وہ جو اسے پہلی دفعہ دیکھتا اسکی بھدی ناک، حبشیوں جیسے رنگ سفید چمکتے دانت اور ٹھگنے قد سے خوف کھا کر آنکھیں بند کر لیتا وہی ماسی کالی اب اسماء کے لئے محبت کا فیضان تھی۔ وہ اکثر ماسی کالی کو روتے دیکھتی۔ اسے پتہ تھا یہ آنسو رب سے ملنے کے شوق کے ہیں۔ اکثر ماسی کالی کہتیں۔ "دھیئے تیرا دل نہیں چاہتا جس رب نے تجھے اتنا اچھا اور سوہنا بنایا تجھے ہر خوبی دی ہر صفت سے مالا مال کیا، تم اس کو دیکھو وہ کیا ہے؟" اسماء شرمندہ ہو گئی"۔ "ایسا تو اس نے کبھی نہیں چاہا تھا۔ موت سے تو وہ بہت ڈرتی تھی..... ماسی سے اسنے کہا۔ "ماسی مجھے تو موت سے بہت ڈر لگتا ہے"۔ ماسی نے پیار سے اسے تھپتھپایا۔ "ہے جھلی ناں ہو تو۔ ارے وہ موت تو کافروں مشرکوں کیلئے ہوتی ہے، ہم تو اپنے رب سے ملنے اگلے گھر جاتے ہیں۔ مرتے تھوڑا ہی ہیں تمہیں کیا معلوم جو بندہ رب سے ملنے کا شوق رکھتا ہے، رب اس سے ملنے کا اس سے بھی زیادہ شوق رکھتا ہے۔

ماسی کی آنکھوں میں آنسو ستارے جھلملانے لگے تھے۔ اسماء دبے پاؤں باہر آ گئی۔ "یہ ہے کیا ماسی کالی؟ پراسرار سی۔ نہ سمجھ میں آنے والی اسکی اسی سمجھ نا سمجھ میں F.Sc مکمل ہو گئی اور وہ میڈیل میں داخلہ لینے لاہور چلی گئی۔ میڈیکل کی شروع شروع کی پاگل کر دینے والی مصروفیات میں بھی اسے سارے جگ کی ماسی کالی یاد آتی رہی۔ تہجد کے وقت اس کا رب اپنا نور اسکے من میں جھلک دکھاتا۔ اک ٹھنڈ سی محسوس ہوتی وہ بھی ماسی کالی کی طرح آپوں آپ اٹھ بیٹھتی۔ اسے لگتا کہ اس وقت وہ جو نوافل ادا کرتی ہے۔ دھیمے دھیمے رب سے باتیں کرتی ہے وہ ایک نور کی شکل میں سارا دن اس کے اردگرد ہالہ بنائے رکھتی ہیں۔ وہ حیران ہوا کرتی ہر لڑکی کو شکوہ تھا وقت کی کمی کا۔ پڑھائی، مصروفیات کی زیادتی کا۔ جبکہ اسماء کو کوئی پریشانی نہ تھی وہ جو کام کرنے بیٹھتی اسے محسوس ہوتا غیر مرئی ہاتھ اس سے کام لیکر مکمل کر دیتے ہیں۔ وہ کتاب کھولتی۔ لفظ آنکھوں کے ساتھ ساتھ دل دماغ میں جم جاتے۔ جیسے یہ تو اسے پہلے ہی آتا ہے۔ لڑکیاں اس سے اگلواتیں وہ یہ سب کچھ اتنے سے وقت میں کیسے کر لیتی ہے؟؟ وہ کالج میں ہر طرح کی سرگرمیوں میں حصہ بھی لیتی ہے پھر بھی وہ فارغ دکھائی دیتی ہے۔ اسماء اسپر شکرانے کا سجدہ ادا کرتی۔ ایسا سجدہ جو ابلیس پر بہت بھاری ہوتا۔ اس کی جائے نماز آنسوؤں سے بھیگی ہوتی۔ فرسٹ پروف کے بعد وہ رحیم یار خاں واپس گئی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اسے پتہ چلا "رات ماسی کالی کا انتقال ہو گیا ہے" وہ جلدی سے کوارٹر کی طرف دوڑ لگا گئی۔

اس کی میت کو غسل دیا جا چکا تھا۔ کوارٹر میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ امی کے مشورے پر اسکی میت کو اٹھا کر باہر گراؤنڈ میں رکھ دیا گیا۔ وہ ہجوم کو چیرتی آگے بڑھی۔ صدمے سے اسماء کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ سب عورتیں ماسی کالی کی زندگی کی پاکیزگی، کامیابی کی گواہی دے رہی تھیں۔ اس نے چارپائی کے پاس جا کر کفن سرکایا۔ "سبحان اللہ" اسکے منہ سے بے اختیار کلمہ نکلا۔ ارے یہ ماسی کالی تو نہیں؟ وہ حیرت سے گنگ ہو گئی۔ سب عورتیں بول رہی تھیں۔ "ارے آج اسے کوئی کالی نہ کہے۔ یہ تو نور پری ہے نور پری دیکھا نہیں اس کے رنگ میں سیاہی کیسے غائب ہو گئی۔ اسے محسوس ہوا کہ گراؤنڈ ہی نہیں ساری گلی، محلہ بلکہ سارا شہر ہی جگمگا رہا ہے۔ آنسو پونچھ کر اس نے پھر اس صبیح چہرے پر نظر ڈالی۔ وہ چمکتا سفید نورانی چہرہ، جیسے چاند سورج کا ہالہ..... روشنی ہی روشنی۔ ارے کون کہتا ہے یہ کالی ہے، یہ تو نور کا چہرہ ہے۔ ایک آواز آئی۔ اسماء نے چونک کر دیکھا۔ شہر کے ایم این اے کی بیگم آنسو پونچھ رہی تھیں۔ ماسی کالی ان کے ہاں الیکشنوں میں دس دس عورتوں کا کام کر کے آتی تھیں وہ کہہ رہی تھیں۔ "سچ ہے کہتے ہیں کہ نیک روح کو غسل کے وقت رحمت کے فرشتے ہاتھ لگا کر چھوتے ہیں اور میت کے چہرے پر نور آ جاتا ہے۔ واہ کالی..... نیک روح تجھے رب سے ملنے کا شوق تھا تجھے کیسا سوہنا روپ دیدیا ملنے سے پہلے۔ واقعی تو تو نور پری ہے نور پری۔

میری خوش نصیبی کہ میں استاد رہا

معروف صحافی پرویز حمید پھول فورم میں

رپورٹ : آمنہ اعظم

کہتے ہیں کہ وقت سب سے بڑا استاد ہے کیونکہ جو باتیں ہمیں کتابیں' بڑے بڑے علماء کی صحبت' دوستوں اور عزیزوں کی رفاقت نہیں سمجھا پاتیں وہ وقت کی بے رحم سوئیاں گزرتے ہوئے لمحوں کی ساتھ سمجھا جاتی ہیں۔ وقت کے استاد کو نہ تو ہمیں مارنا پڑتا ہے اور نہ ہی زیادہ ہوم ورک دینا پڑتا ہے بلکہ یہ ہولے ہولے اپنی سوئیوں کو تھامے آگے اور آگے گزرتا جاتا ہے سیکھنے اور سمجھنے والے استاد کا ہاتھ تھامتے ساتھ ساتھ چلنے لگتے ہیں اور نہ سمجھنے والوں کیلئے تو پھر پچھتانا ہی رہ جاتا ہے شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف وقت کے استاد کے ہی رحم و کرم پر نہیں چھوڑا بلکہ ہمیں ہمارے ہی جیسے کچھ اچھے شفیق اور محبت کرنے والے استاد بھی دیئے ہیں جو ہمیں وقت گزرنے سے پہلے ہی وقت کی قدر کروادیں اور جو ہمیں وقت کے ساتھ ساتھ چلنا بھی سکھادیں۔ ایک ایسے ہی محبت کرنے والے اور شفیق استاد ہمارے آج کے مہمان ہیں ہمارے مہمان بنیادی طور پر تو ایک معروف جرنلسٹ ہیں مگر ان کی زندگی میں دس سال کا ایک ایسا دور آیا جب وہ مارشل لا کے زمانے میں اخبار کی نوکری کو برقرار نہ رکھ سکے اور یہی دس سال انہوں نے تدریسی شعبے میں گزارے۔ ان کا نام "پرویز حمید" ہے پرویز انکل کا کہنا ہے کہ "اگر میرے پاس ان سنہری 10 سالوں کا تدریسی تجربہ نہ ہوتا تو شاید میں جرنلزم میں اتنا مؤثر اور کامیاب نہ ہوتا جتنا کہ آج میں اپنے آپ کو محسوس کر رہا ہوں" انہوں نے مزید کہا کہ یہ حقیقت ہے کہ استاد کا رتبہ بہت بلند ہے۔ ہماری الہامی اور دینی کتب میں انبیاء کرام اور پیغمبروں نے بھی استاد کا ہی کام کیا ہے۔ جس طرح نبی اور پیغمبر کا کام اصلاح کرنا' تربیت کرنا' تعلیم دینا اور ہدایت کرنا ہوتا ہے اسی طرح استاد کا کام بھی تو یہی ہوتا ہے میں استاد کو نبی تو نہیں کہہ سکتا البتہ استاد کے کام کو نبی کے کام کی طرح کا تو کہہ سکتا ہوں مجھے جب استاد کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا تو پہلے مجھے میٹرک کے طالب علموں کو پڑھانے کیلئے کہا گیا پھر میں نے چھٹی اور ساتویں جماعت کے طالب علموں کو بھی پڑھایا لیکن آپ یقین کریں کہ مجھے ان دونوں کلاسوں کے ایک جیسی ہی محنت کرنی پڑتی تھی۔ طالب علم ایسے ایسے سوال پوچھتے ہیں کہ بعض اوقات سمجھ نہیں آتی کہ اس بات کا کیا جواب دیں لیکن شاید اللہ کی مہربانی اور استاد پر خاص کرم ہے کہ طالب علموں کے توسط سے ہی اس کی فراست اتنی ہو جاتی ہے کہ وہ کلاس کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ بات جو ماں باپ بچے کو نہیں سمجھا پاتے وہ استاد بچے کو سمجھا دیتا ہے۔ ایک دفعہ ایک صاحب میرے پاس تشریف لائے ان کی بچی میری طالب علم تھی انہوں نے کہا کہ میری بچی نے مجھ سے ایک سوال کیا ہے میں نے تو اسے بہت سمجھایا ہے لیکن یہ مطمئن نہیں ہو رہی میں بہت پریشان ہوں آپ ہی میری کچھ میری مدد کریں۔ کچھ دن پہلے اس کی دادی جان کا انتقال ہو گیا تھا ہم نے انہیں نہلا دھلا کر کفن پہنا کر دفنا دیا اب اس بچی کا سوال یہ ہے کہ اگر دادی جان کو مٹی میں ہی دفن کرنا تھا تو پھر انہیں نہلا دھلا کر صاف ستھرا اور نیا کفن پہنانے کی ضرورت تھی؟؟؟ میں نے بچی کو اپنے پاس بلایا اور بڑے پیار سے پوچھا بیٹا پچھلے دنوں ہمارے سکول میں اینول ڈے تھا جس میں گورنر صاحب مہمان خصوصی تھے سکول میں سب کیوں نئے کپڑے پہننے کو کہا گیا تھا بچی نے فٹافٹ جواب دیا کہ ہم سب کو سکول کی طرف سے ہدایت تھی کہ سب بچے نہا دھو کر صاف ستھرے اور نئے کپڑے پہن کر آئے۔ میں نے کہا کہ بیٹا آپ گورنر سے ملنے نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر جاتے ہیں تو پھر اللہ کے حضور تو اس سے زیادہ تیاری اور نئے کپڑے پہن کر جانا چاہئے کیونکہ وہ ساری دنیا کا مالک ہے۔ بچی خاصی مطمئن ہو گئی۔ ایک دفعہ پھر ایسا ہوا کہ دسویں جماعت میں میں اردو ادب پڑھا رہا تھا کہ پڑھاتے ہوئے ایک قرآنی آیت آگئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "حشر کا دن ہو گا جب سب اللہ کے سامنے پیش ہونگے اور ان سے اللہ کی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا" ایک بچہ فوراً کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ ہمیں اس آیت کا مطلب سمجھائیں..... میں نے کہا بیٹا آپ خود سمجھنے کی کوشش کریں اور گنیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتنی زیادہ نعمتیں دی ہیں۔ چلو! آپ کے ارد گرد تو کئی نعمتیں ہیں پہلے اپنے جسم کے اندر جو نعمتیں ہیں اس کو گنیں چنانچہ بچوں نے جب گننا شروع کیا کہ دماغ کی صلاحیتیں' یادداشت کی صلاحیتیں' پہنچاننے کی صلاحیتیں' انگلیوں میں تمیز کرنے کی صلاحیتیں' دیکھنے کی صلاحیتیں وغیرہ وغیرہ آپ یقین کریں کہ میں حیران رہ گیا کہ بچوں نے چند منٹوں میں کئی ہزار نعمتیں گنوا دیں اور اس اس نعمت کا ذکر کیا کہ جس کے بارے عام آدمی سوچ بھی نہیں سکتا۔ بچے کا ذہن بہت فریش ہوتا ہے آپ جس طرف بھی چاہے لگا دیں اگر علم کی طرف یا اچھی راہ کی طرف چلا دیں تو بچہ اپنا راستہ خود ڈھونڈ لیتا ہے۔ آج میں اس پروفیشن کو چھوڑ چکا ہوں مگر آپ یقین کریں کہ آج تک جرنلزم پڑھ اور پھر اس میں اتنا عرصہ رہ کر میں وہ سب کچھ نہیں حاصل کر سکا جو کچھ مجھے پڑھانے سے ملا ہے۔ کلاس میں 20 یا 25 طالب علم ضرور ہوتے ہیں اور ہر طالب علم کے سمجھنے کا لیول الگ ہوتا ہے لہٰذا ایک استاد کو پڑھانے سے پہلے خود پڑھنا پڑتا ہے اور پھر طالب علموں کو انہی کی زبان میں اور انہی کے لیول پر آکر سمجھانا پڑتا ہے اور بعض اوقات وہ سوال بھی ہمارے ذہنوں میں نہیں آئے ہوتے بچے وہ پوچھ لیتے ہیں اور استاد کو ان کا جواب دینا پڑتا ہے۔ یہ اللہ کا خاص کرم ہے اور میری خوش نصیبی ہے کہ میں زیادہ نہیں تو کچھ عرصہ تک استاد رہا ہوں۔ میں زیادہ ذہین طالب علم نہیں تھا بس نارمل سا ہی طالب علم تھا' پڑھائی کبھی کبھی دو نمبر آجاتا تھا شرارتی بھی کچھ زیادہ نہیں تھا بس تھوڑی بہت شرارتیں کر لیتا تھا مجھے اپنی ایک شرارت یاد ہے میں سکول میں پڑھتا تھا کہ ایک دن مجھے نزلہ زکام ہو گیا سکول سے چھٹی کرنی تھی لہٰذا چھٹی کی درخواست میں نے ایک نظم کی صورت میں لکھی ساری نظم تو مجھے یاد نہیں البتہ ایک شعر یاد ہے

نزلہ زکام نے پکڑا ہے مجھے
کھانسی بخار نے جکڑا ہے مجھے

میں نے وہ درخواست بھجوادی ہیڈ ماسٹر صاحب کو وہ نظم اتنی اچھی لگی کہ انہوں نے صبح اسمبلی کے وقت سارے سکول کے بچوں کے سامنے سنائی اور بعد میں مجھے بھی شاباش دی۔

صحافت بھی تدریس کی طرح ایک علم ہے۔

صحافت میں بھی انسان روز بروز نئی نئی چیزیں اور نئے نئے علوم سے روشناس ہوتا ہے ایک کامیاب صحافی کو ہمیشہ اپ ٹو ڈیٹ رہنا چاہئے جس کیلئے بین الاقوامی جرائد کا مطالعہ کافی مدد گار ہوتا ہے۔ جب میں صحافت میں آیا تو میرا خیال تھا کہ انسان جو کچھ بھی لکھے وہ چھپ جاتا ہے لیکن اب جب خود پر یہ ذمہ داری کام کیا ہے تو اندازہ ہوا کہ کس طرح ایک پراثر اور موثر تحریر شب و روز کی محنت اور مطالعہ سے لکھی جاتی ہے۔ صحافت میں بعض کام بڑی جرات سے کرنے پڑتے ہیں اور کچھ لوگوں کے چیلنج قبول کرنے پڑتے ہیں جہاں صحافت دوسروں کو معلومات اور علم پہنچانے کا ذریعہ ہے اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر یہ خود اپنے اندر علم اور فہم کی جستیں سمیٹے ہوا ہے۔

بد نصیب ہے وہ شخص جسے بہترین استاد ملا اور وہ اپنی زندگی نہ بدل سکا۔ (حضرت جنید بغدادیؒ)

وہ لمحے قیامت کے

محمد اعظم یاد

استاد سے محبت کی ایک داستان
جو بارش کی ایک بوچھاڑ میں بہہ گئی

پانچویں جماعت پاس کر کے چھٹی جماعت کیلئے پرائمری سکول چھوڑ کر ہمیں ہائی سکول میں داخلہ لینا پڑا۔ اس وقت ہمارے جو ٹیچر مقرر کیے گئے وہ مظہر صاحب تھے، دبلے پتلے سے خاصے سمارٹ دکھائی دیتے تھے۔ رنگ گورا چٹا تھا۔ آنکھوں میں ایک خاص طرح کی ذہانت کی چمک تھی حس مزاح بھی خاصی تیز تھی۔ باتیں کرنے اور پڑھانے میں ہمیں وہ بہت اچھے لگے کلاس میں مجھ سے جو لڑکا آگے بیٹھتا تھا اس کا نام اجمل تھا اجمل کے "سر" مظہر صاحب سے خاصے اچھے تعلقات تھے کیونکہ "سر" اجمل کے محلے میں ہی رہتے تھے۔ سر ملتان کے کسی نواحی علاقے سے آئے تھے۔ اجمل نے انہیں اپنے قریب ہی گھر کرایہ پر لے کر دیا تھا دو ماہ پڑھتے ہوئے ہمیں گذر چکے تھے۔ مگر سر نے ابھی تک کسی کو کلاس مانیٹر نہیں بنایا تھا۔ خیال تھا کہ "سر" یہ فرض اجمل کو سونپیں گے، مگر تیسرے ماہ کے بعد کلاس مانیٹر کیلئے میرا نام پکارا گیا تو میں حیران رہ گیا۔ "سر" سے اتنی زیادہ بے تکلفی تو نہ تھی وہ میری پڑھائی کے حوالے سے اکثر تعریف کر دیا کرتے تھے۔ انہوں نے اجمل کو کلاس روم کی صفائی کروانے اور کمرے کی چیزوں کا خیال رکھنے کیلئے صفائی مانیٹر مقرر کر دیا۔ میرا کام جب سر کلاس میں نہیں ہوتے تھے لڑکوں کو کنٹرول کرنا، ان کے ساتھ شعر و شاعری، لطائف اور تقاریر وغیرہ کے مقابلے کروا کر پریڈ کے ٹائم کو گزارنا ہوتا تھا۔ سر سے ٹیوشن پڑھنے ہم ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ ان میں اجمل، ذوالفقار، محمد حسین شاد اور دیگر کئی دوست شامل تھے، ہم شام چار بجے جایا کرتے اور رات کو آٹھ آٹھ نو نو بجے واپس آتے۔ وہ ہمیں "میتھ" کی بہت پریکٹس کرواتے تھے۔ انکی پڑھانے میں دلچسپی اور محنت نے ہمیں ان کا گرویدہ بنا لیا تھا۔

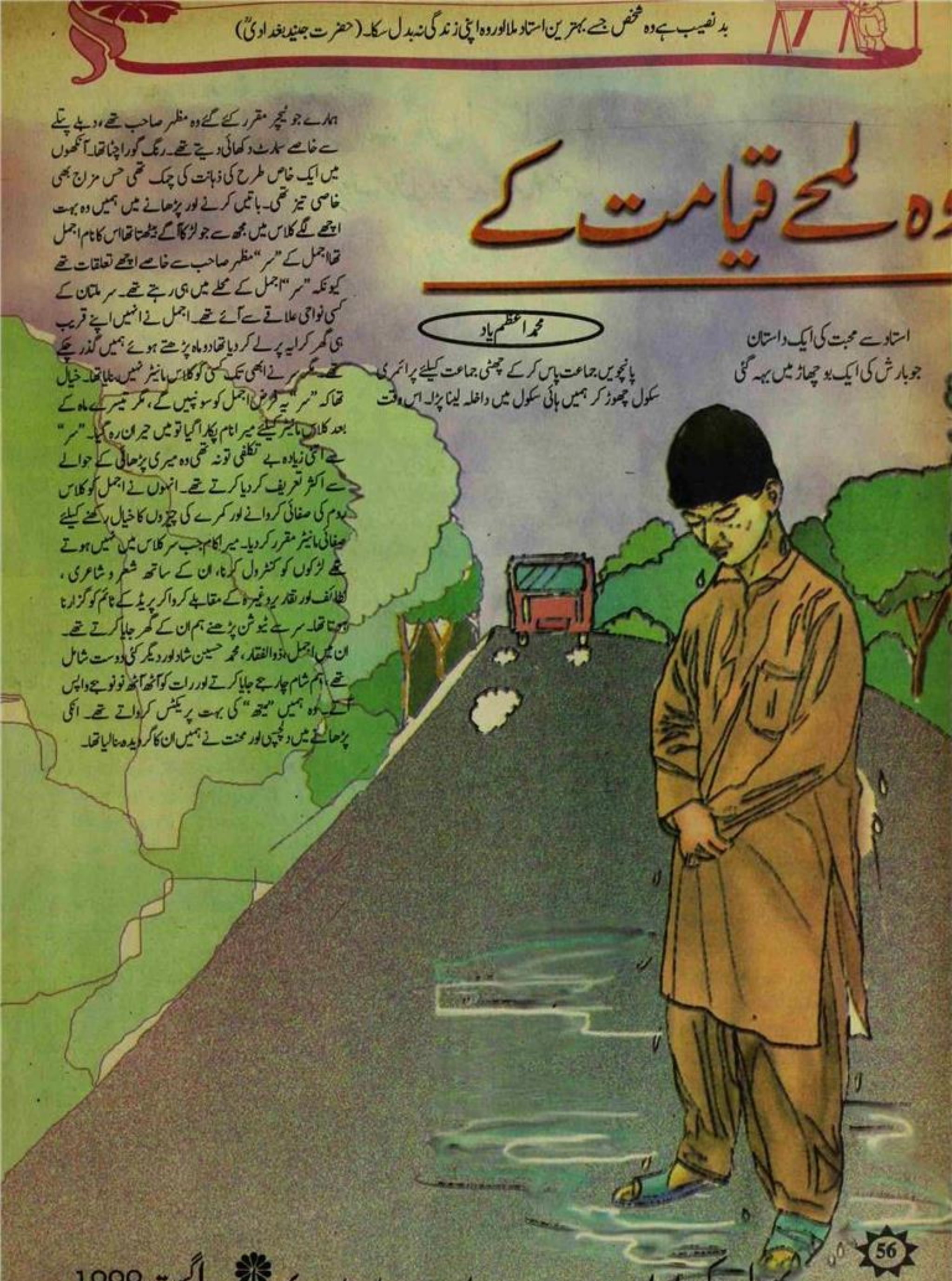

یہ اسی کا نتیجہ تھا

مسلمانوں کے ایک مقبول خلیفہ ہارون الرشید کے بچپن کا یہ قصہ ہے۔ ہارون الرشید کے باپ کا نام المہدی تھا اور وہ عباسی خاندان کا بہت مضبوط خلیفہ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے ہارون الرشید کو امور سلطنت کی علمی تربیت دلانے کیلئے بڑے عہدے کے نامور عالم و فاضل یحییٰ بن خالد برمکی کو اس کا اتالیق مقرر کیا۔ اس فاضل و نامور استاد کا کام اپنے شاگرد شہزادے ہارون کے اخلاق کی تربیت کرنا تھا۔ ایک روز خلیفہ المہدی اپنے بیٹے کے مطالعے کے کمرے میں گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا استاد یحییٰ بن خالد برمکی ایک جگہ لوٹے سے وضو کر رہا ہے اور شہزادہ ہارون الرشید دیکھ رہا ہے۔ خلیفہ المہدی سے یہ نظارہ دیکھا نہ گیا۔ اس کے چہرے پر دکھ کے آثار نمایاں ہو گئے۔ یحییٰ برمکی نے خلیفہ کو دیکھا تو آداب بجالایا۔ خلیفہ المہدی اس سے مخاطب ہوا اور بولا "استاد بزرگ! میں نے شہزادے کو آپ کے سپرد کیا تھا کہ آپ اس کا اخلاق سنواریں، اسے آداب سکھائیں، لیکن آج میں یہ دیکھ کر سخت مایوس ہوا ہوں کہ آپ کا شاگرد موجود تھا اور آپ خود وضو کر رہے تھے۔ وضو کرانا شاگرد کا کام تھا۔ مجھ سے شہزادے کی یہ بے ادبی دیکھی نہیں گئی۔" خلیفہ المہدی نے شہزادہ ہارون الرشید کو حکم دیا "ہارون، اٹھو اور اپنے استاد محترم کو وضو کراؤ۔ اپنے ہاتھ سے ان کے پاؤں دھوؤ اور ہمیشہ ایسا کیا کرنا۔ یاد رکھو! جو شاگرد اپنے استاد کی عزت کا حق ادا نہیں کرتے وہ کبھی بڑے انسان نہیں بن سکتے۔" اس کے بعد تاریخ نے دیکھا کہ جب استاد بزرگ تشریف لاتے تو شہزادہ دوڑ کر ان کے جوتے اٹھاتا، نماز کا وقت ہوتا تو خود ان کو وضو کراتا اور ان کے ہر حکم پر عمل کرتا۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ تاریخ نے اس سعادت مند شاگرد ہارون الرشید کو دنیا کے عظیم حکمرانوں کی صف اول میں دیکھا۔ فیاض احمد آزاد اجین پور

ہمارے گھر میں گیارہویں شریف کے حوالے سے ہر مہینے چاولوں کی دیگ پکا کرتی تھی جب مریدین اور عام لوگوں میں تقسیم کرتے کے بعد دیگ گھر واپس خواتین کیلئے آتی تو میں ایک ڈش پکڑ کر تقسیم کرنے والے کے پاس کھڑا ہو جاتا۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکراتا کہ اب میں یہ چاول کس مقصد کیلئے حاصل کر رہا ہوں اور کہاں لے جانا چاہ رہا ہوں۔ وہ بلا چوں چراں چاول ڈال دیتا، میں اس پر کپڑا رکھ کر گھر سے نکل پڑتا۔ رات کو گاؤں کی کچھ گلیوں میں بجلی کے بلب لگے ہوئے تھے کچھ ہماری نالائل یونین کونسل کمیٹی کی وجہ سے کبھی کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ ان گلیوں سے گذرتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کب کتے بھونکنا شروع کر دیں اور کب پیچھا کرنا شروع کر دیں گے۔ میں ان تمام خوفوں سے بے نیاز ہو کر آگے بڑھتا رہتا اور بالآخر دس بارہ گلیوں کے بعد اپنی منزل مقصود پر جا پہنچتا۔ رات کو دس بجے میں جا کر دروازہ کھٹکھٹاتا۔ سر پوچھتے "کون" "جی میں اعظم" میں خوشی کے جذبات سے بھرپور لہجے میں جواب دیتا۔ وہ دروازہ کھولتے۔ مجھے دیکھتے، ہاتھ میں پکڑی ڈش دیکھتے۔ ایک عجیب سی خوشی ان کے چہرے پر ابھرتی۔ بس یہی خوشی میری اتنی کوشش اور بھاگ دوڑ کا حاصل وصول ہوتی تھی۔ وہ کہتے، اعظم اب تو چچے سو چکے ہیں اتنی دور سے آتے ہو ایسے تکلف کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔

میں سر جھکا کر جملے سنتا ڈش واپس لیتا اور خاموشی سے گھر کی راہ لیتا۔ اجمل میرا اچھا دوست تھا ہم دونوں کے درمیان مقابلہ رہتا تھا کبھی پیپروں میں وہ فرسٹ آتا اور کبھی میں۔ بے شک سر نے کبھی اجمل سے اچھے تعلقات کی وجہ سے ڈنڈی نہیں ماری تھی۔ وہ ہم دونوں کا ایک جیسا ہی خیال رکھتا تھا۔ تاہم نمبر ون اور ٹو کی پوزیشن ہم دونوں کیلئے ہی تھی تیسرا اس مقابلہ میں کوئی نہیں آتا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ "سر" کی اچانک تبدیلی ہو گئی وہ سرائے سدھو سے ملتان چلے گئے۔ انکی تبدیلی کے ساتھ ہی گرمیوں کی چھٹیاں بھی ہو گئیں۔ ہمیں بے حد رنج ہوا کہ ہم ایک اچھے سر سے محروم ہو گئے ہیں۔ میں اور اجمل ملتان جا کر سر سے ملے کہ آپ اپنا تبادلہ پھر سرائے سدھو کروالیں۔ ہم کسی اور سے نہیں پڑھیں گے۔ سر ہماری اصرار پر مجبور ہو گئے اور انہوں نے تبادلہ کیلئے درخواست دیدی۔ چھٹیوں کے بعد جیسے ہی سکول کھلے سر پھر تبادلہ کروا کے آ گئے۔ مگر پھر یوں ہوا کہ پرنسپل صاحب نے انہیں ہماری کلاس نہیں دی بلکہ کوئی اور کلاس دے دی۔ ہم لڑکوں نے ملکر ہنگامہ کر دیا کہ ہم کلاسز کا بائیکاٹ کر دیں گے ہم نے صرف انہی سر سے پڑھنا ہے۔ شاید سکول کی تاریخ میں ایسا کم ہی ہوا ہے کہ چھوٹی کلاس کے بچے کلاس کے بائیکاٹ کا اعلان کریں۔ ہماری ہائی کلاسز میں نہم اور دہم کے ایک سائنس ٹیچر ہوا کرتے تھے۔ ایک دن وہ ہماری کلاس میں تشریف لائے۔ انکے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کوئی جلاد ٹائپ آدمی ہیں لڑکوں کو ڈنڈوں سے بہت پیٹتے تھے۔

اکثر بچے ان کے خوف کی وجہ سے آٹھویں کلاس سے آگے نویں جماعت میں نہیں پڑھتے تھے۔ وہ سکول چھوڑ دیا کرتے تھے۔ شاید ان کا نام ضمیر حیدر تھا۔ انہوں نے آتے ہی ہمیں ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا کہ آئندہ سالوں میں تم میرے پاس آنے والے ہو جو چہ زیادہ گڑبڑ کرے گا اس کی خیر نہیں وغیرہ وغیرہ۔ سب سے زیادہ انہوں نے مجھے ہی ڈرایا تھا۔ جو سر ہمیں پڑھا رہے تھے ہم ان سے تعاون نہیں کر رہے تھے۔ ہم چاہ رہے تھے کہ موجودہ والے سر خود کہہ دیں کہ میں ان بچوں کو نہیں پڑھا سکتا۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ پھر یوں ہوا کہ ایک دن اجمل اور میرا پروگرام بنا کہ ہم عبدالحکیم شہر سے آگے ہیڈ سندھنائی پر جا کر پکنک مناتے ہیں ہم دونوں نے کھانے پینے کی ڈھیر ساری چیزیں خریدیں۔ سارا دن وہاں گھومتے پھرتے رہے۔ شام 4 بجے کے قریب بادل منڈلانے لگے تو ہم نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ اجمل کے دادا، دادی عبدالحکیم میں رہتے تھے اس نے کہا کہ وہ رات عبدالحکیم میں ٹھہرے گا اور میں جا کر اس کے بوکو تادوں میں نے کہا کہ ٹھیک ہے وہ راستے میں اتر گیا میں آگے چلا گیا۔ پل باگڑ سے ہمیں بس بدلنا پڑتی تھی۔ اپنے شہر کی طرف جانے کیلئے میں پچھلی بس سے اتر کر اپنے شہر کو جانے والی بس میں چڑھا تو سب سے پیچھے بڑی سیٹ پر سر مظہر صاحب اور ان کے ساتھ تین اور ٹیچر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں دیکھ کر سلام کیا۔ انہوں نے اپنے ساتھ والی سیٹ پر بٹھالیا۔ حال چال پوچھا اور پھر دوسرے ٹیچرز کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہو گئے۔ بس چلی تو اچانک تیز بارش شروع ہو گئی۔ پچھلی سیٹ کے کھڑکی والی سائیڈ پر شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس سائیڈ پر مظہر صاحب بیٹھے تھے۔ بارش نے جب بوچھاڑ شروع کی تو سر ایک دم کھڑے ہو گئے اور مجھے کہا کہ میں وہاں جا کر بیٹھ جاؤں اور خود میرے والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ میں وہاں جا کر بیٹھا تو تیز بارش نے میرا استقبال کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں مکمل طور پر بھیگ چکا تھا۔ ٹھنڈ سے میرے دانت بجنے لگے۔ بارش کے ساتھ ہوا بھی بہت تیز تھی ہوا نے رخ بدلا تو بارش کھڑکی کے ذریعے اور زیادہ اندر آنے لگی تو سر نے مجھے کہا کہ میں کھڑکی کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں تاکہ بارش کی بوچھاڑ جو میرے ساتھ والے سر پر بھی پڑ رہی ہے اس سے وہ بچ جائیں میں کھڑا ہو گیا۔ سردی سے تو میں پہلے ہی بہت کانپ رہا تھا بارش کے ساتھ تیز ہوا نے پانی تھپڑوں کی طرح مارنا شروع کر دیا تھا۔ ٹھنڈک میرے وجود کے اندر اترتی جا رہی تھی۔ بہت دل چاہ رہا تھا کہ اس جگہ سے ہٹ جاؤں، مگر ایسا نہ کر سکا۔ میرے محترم سر اپنے دوستوں سے باتوں میں محو تھے وہ موسم سردی اور بارش پر تبصرے فرما رہے تھے انکی بے حسی سے میری آنکھوں سے پانی بہنے لگا جو کہ بارش کی بوچھاڑ میں گم ہونے لگا۔ وہ ایک گھنٹہ عجیب اذیت ناک اور کرب ناک تھا آنسو شاید بارش میں بھیگے اور سردی کے لگنے کے نہیں تھے یہ تو بس ایک محترم ہستی کیلئے تھے جو پتہ نہیں کیوں بے حس ہو گئے تھے۔ ان لمحوں میں وہ پتھر دل کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ گھر جا کر دو تین دن بخار میں تپتا رہا۔ پھر پتہ نہیں میں نے مڈل کیسے کیا۔ دل ٹوٹ چکا تھا میں نے جلد ہی اپنا گاؤں چھوڑ کر لاہور آ گیا۔ آج بھی سوچتا ہوں کہ آخر وہ کونسا مسئلہ تھا جس نے مجھے ایک دم انتہائی فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ شاید ہم جن سے محبت کرتے ہیں انکی بے حسی ہم سے برداشت نہیں ہو پاتی۔ میں آج ان سے یا کسی سے کوئی شکوہ بھی نہیں کر سکا کہ انکی اتنی محبتیں بھی تو تھیں۔ وہ لمحے جب بھی یاد آتے ہیں دل دکھ سے بھرنے لگتا ہے مگر پھر سر جھٹک کر کسی اور کام میں مصروف ہو جاتا ہوں۔

شاگرد بیٹوں کی طرح ہوتے ہیں اچھے ہوں تو استاد کی خوشی کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں۔ (قول اختری)

محمد عامر عمران　محمد عامر　سید عمران رضا　محمد انوار احمد　شیخ محمد عمران سلیم　لئیقہ فاطمہ　محمد نواز　عبدالسلام قیصر　محمد کلیم　ثاقب محمودٹ

خدا کرے یہ خوشی کا دن بار بار آئے

تعظیم کوثر

زندگی حقیقت کا دوسرا نام ہے اور پھر وہ جو حقیقت سے منہ پھیر لیتے ہیں زندگی ان سے منہ موڑنے میں دیر کب لگاتی ہے۔ تو پھر کیوں نہ حقیقتوں کا سامنا کرنا شروع کریں، جتنی عمر رب جی نے نام کے آگے لکھ دی اس پر شکر کریں اور بہتری کیلئے سوچیں کہ امر ہمیشہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو بہتر کرتے ہیں بہتر سوچتے ہیں۔

فیصل شہزاد..... P\S 1228 آٹو اینڈ فارم مشینری میں پڑھتے ہیں اور مستقبل میں ڈپلومہ ہولڈرز مکینیکل انجینئر بننا چاہتے ہیں۔ ولہ بھئی ولہ ارادے تو بڑے خطرناک ہیں اس کے علاوہ انہیں لوگوں کی مدد کرنے کا بھی شوق ہے۔ جی ہاں خدمت خلق مومن کی نشانی اور نمایاں خاصیت ہے۔

خان محمد لطیف..... P\M934 یہ پھول سے نوائے وقت ایجنسی کے ذریعے متعارف ہوئے اور پھر یہ تعارف دوستی اور اب دلی وابستگی میں بدل گیا ہے ان کی نظر میں پھول ایک اچھا رسالہ ہے۔

محمد آصف یونس..... P\S687 آصف صاحب آئی کام کے طالب علم ہیں اور بزنس مین بننا چاہتے ہیں کیا خیال ہے بزنس کی دنیا میں انقلاب لانے کا پھول پڑھنے کے علاوہ میوزک سننے کے شوقین ہیں۔

محمد عظیم..... FA P\L 1167 کے سٹوڈنٹ ہیں اور مستقبل میں جیولر بننا چاہتے ہیں کیوں بھئی خیر تو ہے یہ جیولر بننے کا خیال کیسے آیا۔

عبدالباسط جوئیہ..... P\H 986 پھول سے ان کی چھ سال سے وابستگی اس کی تعریف کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یقیناً کیوں نہیں جب تعلق دار اچھے ہوں تو تعلق تو خواہ مخواہ ہی مضبوط ہو جاتا ہے۔ پھول سے وابستگی کا اظہار کرنے والے باسط صاحب میٹرک کے طالب علم ہیں اور بزنس مین بننا چاہتے ہیں۔

ثاقب محمودٹ..... P\G 788 ثاقب صاحب فی الحال تو تھرڈ ائیر کے سٹوڈنٹ ہیں مگر مستقبل میں یہ الیکٹرانکس انجینئر اور نجانے کیا کیا بننا چاہتے ہیں انسانی فطرت ہے کہ خواہشیں بہت زیادہ ہوتی ہیں مگر ایک خواہش ایسی ہوتی ہے جو تمام خواہشوں پر حاوی ہوتی ہے اس لئے اگر آپ کوئی ٹارگٹ بنا لیں تو پھر اسے Achieve کر لیں پھر مزہ آئے گا۔

فرح یاسمین ڈار..... P-496 "نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی" پھول کے متعلق ایسی نیک خیالات رکھنے والی ہستی فرح ہیں جو بی اے کی طالبہ ہیں اور مستقبل میں سائیکالوجسٹ بننا چاہتی ہیں۔

عبدالسلام قیصر..... P\x 783 زرعی سائنس دان بننے کے خواہشمند عبدالسلام ایف ایس سی کے طالب علم ہیں انہیں تحقیقی مضامین لکھنا بہت پسند ہیں۔

محمد نواز..... P\s 713 ایک صحافی بننے کے خواہش مند۔ نواز بھائی نے صرف صحافی بننے کی خواہش کا ذکر کیا ہے کیا اچھا ہوتا اگر آپ اچھا اور سچا صحافی بننے کی خواہش رکھتے۔

محمد عمران ساجد..... پائلٹ بننے کے متمنی عمران 8th میں پڑھتے ہیں اور پڑھائی کو تقریباً آٹھ گھنٹے دیتے ہیں۔ Excellent۔ یقیناً Hard target ہے تو اتنی محنت تو ضروری ہے۔

نعیم احمد ناز..... P\B 1010 نعیم صاحب لکھتے ہیں کہ والد صاحب ہر ماہ باقاعدگی سے پھول لاتے ہیں (یہ تو لکھا ہی ان ہیں ان کیلئے یا اپنے لئے) ان کے خیال میں ساری دنیا کے رسائل ایک طرف اور پھول ایک طرف۔

حافظہ مدثر کوثر..... P\o 1211 عمر رحمان کے ذریعے متعارف ہونے والی مدثر کو بس پڑھائی کا شوق ہے وہ ہر وقت پڑھتی ہی رہتی ہیں اور مستقبل میں لیکچرار بننا چاہتی ہیں۔

محمد عامر عمران P\A 1037 مستقبل میں فائٹر پائلٹ اور ایک اچھا سیاست دان بننے کے خواہش مند عامر 10th کلاس کے سٹوڈنٹ ہیں فائٹ پائلٹ اور سیاست دان دونوں مختلف شعبے بہر حال ان دونوں کیلئے محنتی، مخلص اور لائق دار ہونا ضروری ہے۔

محمد حنیف..... P\X 1086 حنیف بھی بزنس مین بننا چاہتے ہیں مستقبل میں ٹارگٹ کے علاوہ یہ ان کا مشغلہ بھی ہے۔

محمد کلیم..... P-49 کلیم کا پھول سے تعارف استاد صاحب کے ذریعے ہوا پھر یہ تعارف حسب معمول دوستی میں بدل گیا۔ کلیم مستقبل میں صحافی بننا چاہتے ہیں اور کرکٹ کھیلنے کے بھی شوقین ہیں

لئیقہ فاطمہ..... P\I 828 ڈاکٹر بننے کے لئے شدید محنت ضروری ہے اس لئے وہ اکثر پڑھتے پائے جاتے ہیں جو ڈاکٹر بنتے ہیں لیکن لئیقہ بھی جو ڈاکٹر بننے کی خواہشمند ہیں کرکٹ بھی کھیلتی ہیں۔

سید عمران رضا قادری..... P\R 823 عمران پھول سے دوران سفر متعارف ہوئے خوب جانچنے پرکھنے کے بعد اسے ہمیشہ کیلئے ساتھی بنا لیا ایک اچھے ہمسفر کی یہی تو خوبی ہے۔ کہ ہر ایک کو متاثر کرتا ہے۔

محمد اقبال　سید وقاص احمد　منیر نذیر　عابد حسین انجم　عتیق المصطفیٰ　محمد آصف یونس　راجہ شاہد　طارق محمود　حافظ محمد راحیل　عدنان عنصر

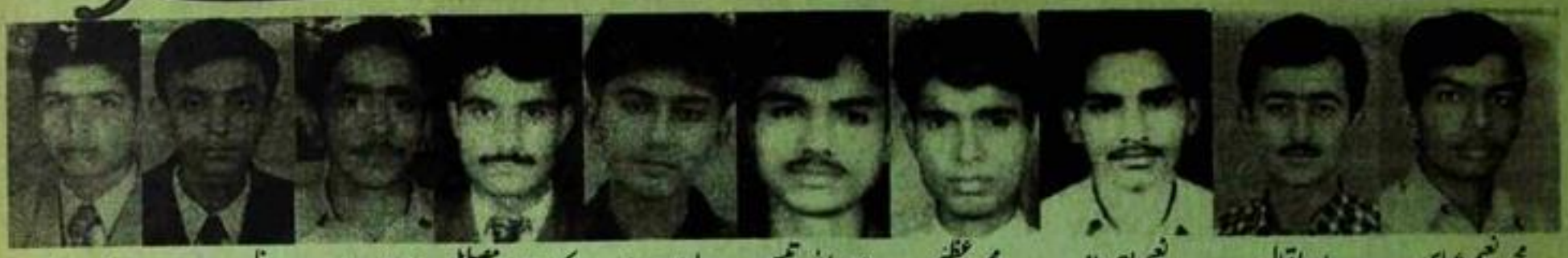

محمد نعیم عباس | یاور اقبال | نعیم احمد ناز | محمد عظیم | عبید اللہ تبسم | سلمان سیف | ملک غلام مصطفی | عرفان جاوید | ظہیر عباس | محمد عدیل

محمد انوار احمد..... P\L 827 انوار آرمی جوائن کرنا چاہتے ہیں یہ چھوٹے میجر میٹرک کے سٹوڈنٹ ہیں اور پھول ان کی نظر میں بہت اچھا اور مزیدار رسالہ ہے۔

شیخ محمد عمران سلیم..... P\K 690 بیڈ منٹن کھیلنے کے بہت شوقین ہیں تعلیم حاصل کرنے کے بعد بزنس مین بننا چاہتے ہیں لیکن ابھی سیکنڈ ائیر کے سٹوڈنٹ ہیں ابھی تو پریکٹیکل لائف میں جانے میں بڑا عرصہ ہے کیا خیال ہے؟ پھول ان کی نظر میں بہت بہت بہت اچھا رسالہ ہے۔

حافظ محمد راحیل..... P\L 1198 پھول بہت تفریحی اور معلوماتی رسالہ ہے۔ پھول کے بارے میں ان نیک خیالات کا اظہار کرنے والے راحیل آئی کام کے طالب علم ہیں اور مستقبل میں بزنس مین بننا چاہتے ہیں۔

مبشر سعید..... P\T 978 مستقبل میں ٹیچر بننا چاہتے ہیں اور ملکی تعلیمی نظام کے بارے میں خاصے فکر مند بھی ہیں یقیناً آپ اچھے اور ذمہ دار ٹیچر ثابت ہوں۔

ظہیر عباس..... P\C 1256 کرکٹ اور فٹ بال کھیلنے کا انہیں بہت شوق ہے۔ بھائی نے پھول کا عمر بھر ساتھ نبھانے والا تحفہ دیا۔ ابو چونکہ محکمہ صحت میں ہیں اس لئے خود بھی ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں۔

یاور اقبال..... P\F 1119 یاور سیاحت کے دلدادہ ہیں اچھا جی کون سے علاقوں کی سیر کی ہے سیاحت کے علاوہ یہ ایک اچھا اور کامیاب انسان اور آرمی آفیسر بن جانے کی خواہش رکھتے ہیں۔

محمد نعیم عباس..... P\S 999 انہوں نے میٹرک پاس کر لیا ہے مستقبل میں الیکٹریکل انجینئر بننا چاہتے ہیں۔

ملک غلام مصطفی..... P\L 1150 ایف اے کے طالب علم ہیں بزنس مین بننے کی خواہش ہے دن میں پڑھائی کو ڈیڑھ گھنٹہ دیتے ہیں۔

خرم شہزاد..... P-370 انہوں نے سکول سے پھول خرید اپڑھا اور اس کے بعد کچھ پڑھنے کی خواہش نہیں رہی بھیا علم اور سیکھنے کے عمل کو آپ محدود نہیں کر سکتے۔

سید وقاص احمد..... P\B 837 پھول کے یہ قاری 7th کلاس میں پڑھتے ہیں کرکٹ کھیلنے کے ساتھ ساتھ فوج میں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

قرۃ العین اصغر..... P\L 818 BFA کی طالبہ ہیں گرافک ڈیزائنر بننا چاہتی ہیں۔

طارق محمود..... P\ 2856 دین سے گہرا شغف رکھتے ہیں اس لئے مستقبل میں عالم دین بننا چاہتے ہیں بہت نیک ارادے ہیں یاد رکھیں علم عمل کے بغیر بے سود ہے۔

صحر عامر P\A 925 بزنس مین بننے کا ارادہ رکھنے والے ننھے منے صحر عامر ابھی میٹرک کے طالب علم ہیں پھول انہیں بہت پسند ہے۔

راجہ شاہد..... P-2912 ان کا ٹارگٹ فوج کا کیپٹن بننا ہے اس سے کم یا زیادہ انہیں قابل قبول نہیں پھول کی تعریف کے لئے ان کے پاس الفاظ نہیں۔

محمد عدیل P\R 958 میوزک سننے کے بہت شوقین ہیں ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں لیکن یہ تو تبھی نہیں کہ کون سے والے

ایم کامران سحر | خان محمد لطیف | سمیر ستار

عبدالباسط جوئیہ | مجیب الرحمان علوی | یاسر عرفات

فیصل شہزاد | ساجد کلیم راجپوت | عابد علی

انسانوں کے

یا.....؟

عرفان جاوید..... P\S 971 پھول ساتھیوں کے ذریعے پھول سے متعارف ہوئے سارا دن کرکٹ کھیل کر اور چار گھنٹے پڑھ کر یہ ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں۔

منیب الرحمن..... P\M 1053 دہم کلاس کے طالب علم ہیں ویسے فارغ رہتے ہیں ان کی واحد مصروفیت نماز ہے اور پھول سے اپنے دوست محمد عبدالخالق کے ذریعے متاثر ہوئے۔

عابد حسین انجم..... F\L 1148 مطالعہ کے شوقین ہیں اور پائلٹ بننا چاہتے ہیں فی الحال تو سیکنڈ ائیر میں پڑھتے ہیں۔

فیصل شہزاد..... P\L 1146 اسلامی اور معلوماتی کتابیں پڑھنے کے شوقین فیصل مستقبل میں ایم بی اے کرنا چاہتے ہیں (کیوں نہیں) اس کے علاوہ یہ کرکٹ بھی کھیلتے ہیں فیصل بھائی یہ اتنے سارے شوق ایک ساتھ کیسے پال رکھے ہیں۔

صومیہ ارم..... P\D 1221 مستقبل میں ڈاکٹر بننے کی خواہش رکھنے والی صومیہ ابھی تو ایف ایس سی میں پڑھتی ہیں صومیہ کو کتابیں پڑھنے کا بھی شوق ہے نجانے اردو یا اپنے سبجیکٹ سے Related اگر لکھ دیتیں تو یہ کھیوڑن تو نہ رہتی۔

محمد عبدالاحد رانا..... P\T 737 احد صاحب ابھی تو تھرڈ کلاس میں پڑھتے ہیں لیکن فیوچر میں میجر بننا چاہتے ہیں انشاء اللہ ننھے منے میجر صاحب اگر ارادے میں پختگی ہو تو پھر منزل آسان اور سامنے آجاتی ہے۔

ساجد کلیم راجپوت..... S\B 83 انہوں نے میٹرک کے پیپر دیئے ہیں امید تو ہے کہ انشاء اللہ اچھے مارکس ہی آئے ہوں گے اس کے علاوہ انہیں ائر فورس میں جانے کا شوق ہے۔

عابد علی..... P\S 1260 عابد کی نظر میں پھول ایک معلوماتی رسالہ ہے جو علم و ادب کا خزانہ ہے یقیناً چھوٹے میاں کی نظر تو خاصی تیز ہے ایک پائلٹ کیلئے نظر کی تیزی بہت ضروری ہے۔

فرحان جاوید..... P\D 1206 فرحان ابھی تو سیکنڈ ائیر میں ہیں پھر انجینئرنگ کریں گے اور پھر انشاء اللہ سی ایس ایس میں Appear ہوں گے اور اسے بھی کریں گے۔

فرح اظہر..... ایف ایس سی کی طالبہ ہیں اور کمپیوٹر انجینئر بننا چاہتی ہیں جس کے لئے پڑھائی کو تقریباً تو گھنٹے دیتی ہیں ان کے مشاغل میں مطالعہ کرنا اور دوسروں کو تنگ کرنا ہے۔

فہد محمود P\F976 فہد پائلٹ بننا چاہتے ہیں اور پڑھائی کو دو یا تین گھنٹے دیتے ہیں بس ویری ویڈ فہد اگر پائلٹ بنتا ہے تو پھر پڑھائی کو زیادہ ٹائم دیں۔

طیبہ یاسمین بزدار P\D1233 طیبہ گرایجویشن کر چکی ہیں اور مستقبل میں صرف شادی کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں

No Problem

السلام علیکم میرے پیارے دوستو!

☆تم کو معلوم ہے چیونٹی کی آنکھیں نہیں ہوتیں؟ مگر اسے پتہ کیسے چلتا ہے کہاں کیا ہے کہاں کیا ہے؟ اس طرح پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے اس کی سونگھنے کی حس تیز رکھی ہے۔ اللہ میاں بہت پیارے ہیں۔ اللہ نے ہمارے لئے چیونٹی کی مثال دیکر ہمیں یہ سمجھایا ہے کہ چیونٹی کی آنکھیں نہیں جو سب سے قیمتی شے ہیں، اس کے باوجود وہ زندگی میں ہے کیونکہ اس کے متبادل اسے کچھ اور ملا ہوا ہے کہ اس کمی کو پورا کر سکے تو میرے پیارے لوگو اللہ نے ہمیں بعض بہت سی ایسی چیزیں نہیں دیں جو بہت سوں کے پاس ہیں مگر ہمارے پاس اس کے متبادل تو خوبیاں ہیں اور نعمتیں ہیں تو پھر آپ یہ نہ دیکھئے کہ کیا نہیں ہے، بس یہ دیکھئے کہ جو ہے اس استعمال کیسے کرنا ہے! اور زندگی ہنسے خوش ہو کر گزارنا سیکھئے اس لئے کہ ہم اپنے اللہ کے خلیفہ ہیں، اشرف المخلوقات ہیں، ہمارے پاس دیکھنے، سوچنے اور سونگھنے کی حس ہے لیکن پھر بھی اگر چیونٹی ہم سے زیادہ نمبر لے جائے تو اچھی بات تو نہیں ناں!!! تمہاری سب کی اپنی صوفیہ آپی ☆

A Charm! Let's be Happy .....

پیارے دوستو! ایک نیا کام..... آپ میں سے ہر کوئی خوشی حاصل کرنے کا ایک پیارا سا طریقہ بھجوائے جس کا پسند آیا وہ ہوگا ہیپی کنگ / ہیپی کوئن @ ہمارے آج کے Happy King ہیں۔ ایڈیٹر بھیا! انہوں نے خوش ہونے کا طریقہ بتایا ہے کہ "خوش گمان اور خوش خیال رہا کریں"۔ اور ہیپی کوئین ہیں طاہرہ عفت یہ کہتی ہیں کہ دن میں ہر 15 منٹ بعد آئینہ دیکھا کریں!!!

☆میرا مسئلہ یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ پریشان ہو جاتا ہوں اور خوفزدہ رہتا ہوں کہ کسی کو میری یہ بات پسند نہ آئی تو کوئی کیا کہے گا؟ (ردی کی ٹوکری سے بچائیں) محمد واجد عباس۔ ساہیوال

☆واجد میاں دوسروں کا خیال ضرور رکھیں مگر ان کی فضول اور بے ربط باتوں کا نہیں۔ اپنے اندر اپنی خودی پیدا کریں۔ کوئی جو کہتا ہے اسے کہنے دو، بس خود وہ کرو جو آپ کا دل اور آپ کا دماغ کہتا ہے۔ دوسروں سے مشورہ ضرور لو مگر مانو وہ جسے تمہارا اپنا دل تسلیم کرے اور جو بھی کرو اپنا کو پورے اعتماد کے ساتھ اس پہ ڈٹے رہو۔ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرو جب اللہ نے آزمائش پیدا کیا ہے تو حکمران پیدا کیا ہے تو اپنی اہمیت کا احساس کرو۔ باقاعدگی سے نماز پڑھا کرو اور قیام تھوڑا طویل کیا کرو۔ کوئی زیادہ سے زیادہ کیا کرے گا تو کیا ہوا، کھا تو نہیں جائے گا ناں بھئی۔ اپنا تعلق اور دوستی اللہ سے مضبوط رکھو اور درود پاک کے علاوہ یہ پڑھا کرو "حسبی اللہ"

☆مجھے گھر آئے مہمانوں کے سامنے آنے اور ان سے گفتگو کرنے میں جھجک محسوس ہوتی ہے؟ سمجھ نہیں آتا کیا کروں؟

رافع اقبال۔ ملتان

☆بھئی لکھائی سے تو آپ کی پرسنلٹی عمدہ لگتی ہے اس بات میں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس ایک بات ذہن نشین کر لو کہ "اچھی گفتگو اور اچھا دیہ اللہ کو پسند ہیں اور انہی سے مشاہدات و تجربات وسیع ہوتے ہیں۔ ہر انسان بنیادی طور پر ایک کتاب ہے اور اس سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔" یہ ذہن میں رکھتے ہوئے سب کے درمیان بیٹھو اور بات کرو ورنہ تو تمہیں نہ زندگی کو انجوائے کرنے میں مزہ آئے گا اور نہ اکیلے رہنے میں۔ ہاں جب بھی کسی محفل میں بیٹھو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر کر کے بیٹھو پھر تم میں اعتماد خود ہی آنا شروع ہو جائے گا۔ نماز کی باقاعدگی اختیار کرو۔

☆ Special Special تازیہ خان ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

☆گڑیا دونوں نظمیں بہت اچھی ہیں ایک غلطی ہے "کاش" کا لفظ استعمال نہ کیجئے بس دعا کیجئے اور انشاء اللہ کہیے اور اپنی نظمیں کسی ڈائجسٹ خواتین وغیرہ میں بھجوائیے۔ پرستار صاحبہ جی..... ہم سب کی طرف سے پیار!!!

☆ Top Secret عائشہ خان لاہور

اچھی بہنا، پیاری پیاری بہنا! پلیز اس ٹینشن کو ختم کیجئے، نماز اور قرآن پاک کی باقاعدگی جیسے اور اپنی توجہ اچھی کتب پڑھنے پر دیجئے اور کسی کی باتوں میں نہ آئیے۔ اگر آپ کسی کیلئے اچھا سوچتے ہو تو اس کی بری عادتوں سے اسے منع کیجئے اور جو کام بھی کرنا ہو وہ Through Proper Chanel کیجئے اور فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیجئے الٹے سیدھے رابطے اور ضابطے اپنا کر خود کو دوسروں کو مشکلوں میں مت گھسیٹئے۔

☆مہر واجد عباس۔ ساہیوال Special Special

☆بھئی آپ اپنے بابو کو سمجھائیے کہ ایک وقت میں دو دو کام نہیں ہوتے یاد کا ان بند کروا دیں یا کوئی ہیلپر رکھ دیں۔

☆ Top Secret ..... "S" ☆پلیز اس معاملے میں قطعی کوئی سمجھوتہ مت کیجئے اور خود کو Waste مت کیجئے"

!!!Never Compromise

☆ہارون۔ فیصل آباد ☆پیارے بھائی آپ کو تو تفصیلی جواب مل گئے ہیں ناں!

☆صوفیہ جی، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بے دھڑک جھوٹ بولتے ہیں۔ Fabricate کرتے ہیں۔ اپنے مسئلے کو مسئلہ ہی نہیں سمجھتے کوئی ان کی مدد کرنا چاہے تو کیسے ممکن ہے؟

صدف عول، صادق آباد Capricorn

☆صدف بہنا ☆دو طرح کے Fabricaters ملیں گے۔ ایک وہ جو اپنے ذاتی مفاد اور دوسروں کو دھوکہ دینے کیلئے اپنے دھوکے کا جال بچھاتے ہیں اور جھوٹ پہ جھوٹ بولتے ہیں، دوسرے وہ ہوں گے جو مختلف Complexes کے مارے ہوئے ہوں گے اور اپنے آپ کو نمایاں اور Prominent بنانے کے چکر میں ایسا کریں گے اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جو صرف اپنے آپ کو محض کھوکھلی خوشی دینے کیلئے جھوٹ بولتے ہیں۔ ان سب کی نیچر میں ایسا ہوتا ہے اور اس alenormality کی وجہ اسکا ماضی، اس کا ماحول وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں ہم خود ایسا تصور کر لیتے ہیں حالانکہ وہ تھوڑے intro-ward ہوتے ہیں یا کسی مصلحت اور مجبوری کے مطابق انہیں خود کو ڈھالنا پڑتا ہے۔ جو بھی ہو ان کی عادت میں تبدیلی لانا ان سے پیار، محبت، اعتماد، دوستی، ساتھ اور دعا سے ہی ممکن ہے اور صرف وہ کیجئے جو آپ کے ہاتھ میں ہے فطرت نہیں بدلتی مگر دعا تو تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے!! Try + pray Again + Again

☆مجھے غصہ بہت آتا ہے جس کی وجہ سے میرے سر درد شروع ہو جاتا ہے، شور کی وجہ سے سفر کی وجہ سے کوئی بات نہ مانے تو درد ہوتا ہے گل فرین ڈھنڈہ۔ ہری پور

☆گل! آپ کو اعصابی کمزوری ہے۔ Weakness "کمزوری" کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے اپنی خوراک ٹھیک کریں اور ڈاکٹر سے رجوع کریں ایک اور مزے کا طریقہ بتاؤں کسی حکیم صاحب کی مدد سے مربے اور بادام اور کوزہ پیس کر رکھ لیں اور صبح تھوڑا سا کھا کر دودھ پیا کریں۔ کھانا پینا، سونا اور نماز ٹھیک رکھیں۔

☆چھوٹے بھائی ☆ پلیز تنگ نہ کیا کرو اور کہنا مانا کرو اور اچھے بچے بن کر دکھاؤ پھر سب آپ سے پیار کریں گے۔ اچھی پوزیشن لو گے تو انعام بھی ملے گا!!!

☆صوفیہ آپی، کئی سالوں سے یہ سوال تنگ کر رہا ہے۔ کہ جب انسان کی قسمت میں اس کے گناہ، ثواب لکھ دیئے گئے ہیں تو پھر انسان کا کیا قصور ہے آخر؟ محمد عمران سرور، کوئٹہ ☆پیارے بھائی ☆اللہ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اسے علم اور عقل دیئے ہیں اور دو واضح راستے دکھائے ہیں اور اسے نفع نقصان سمجھایا ہے جیسے تمہیں آگ اور پانی کا پتہ ہے ہاں ایک بات ہے اچھے راستے کا انتخاب اور ہدایت و رحمت صرف اس کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے دے مگر یہ بھی تو ہے ناں کہ دعا سے تقدیر بھی بدل جاتی ہے تو بہت ممکن ہے اس نے اگر غلطی لکھی ہو تو تمہاری دعا سے اسے کامیابی لکھ دے۔ یہ بات اللہ نے اسی لئے کہی ہے کہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے تاکہ وہ اپنے بندے کو آزما سکے کہ اس کا بندہ کس طرح اور کس قدر اپنی قسمت اور تقدیر کیلئے دعا کرتا ہے۔ بس یہ دعا کرو کہ اللہ اگر تو چاہے تو بھلائی اور حکمت دینے والا ہے تو پھر تو ہمیں وہ دے دے اور جو جو غلطیاں ہماری قسمت میں لکھی ہیں انہیں درست کر دے تو اللہ درست کر دے گا۔ ٹھیک، یہ بات تو اللہ نے صرف آزمانے کیلئے کہی ہے۔ اس نے ہماری زندگی کے خاکے بنا دیئے ہیں ان میں رنگ ہم نے بھرنا ہے اور اسے بھرنے کا فہم اس سے مانگو! ٹھیک ہے ناں؟ "Ar-ies" "Special Message" حسن بدل۔

☆ارے بابا اس کو اتنا Serious لینے کی ضرورت نہیں بس اپنا رویہ نرم سہا، Soft سا رکھو اگر آپ اسے Soft لو گے تو زیادہ سے زیادہ سختی بھی کم محسوس ہو گی اور اگر اسے سخت سمجھو گے تو پھر تھوڑی سی بات بھی بہت کڑوی لگے گی

OK Sweet + Dear People! Wish !!!

you Beautiy !!

مانگا منڈی پھول کہانی گھر میں پاکستان زندہ باد کے نعرے

اہتمام رپورٹ = شیخ محمد لطیف شاہد کمپیئرنگ = محمد افضل بھی پہلے کہانی گھر کی نسبت دوسرا پھول کہانی گھر زرد و سبز بیانے پر کرایا گیا کیونکہ کہانی گھر کے باقاعدہ دعوت نامے چھپوائے تھے اور بہت سے دوست اور پھول ساتھی کہانی گھر کے پروگرام میں شریک ہوئے۔ تلاوت کلام پاک کی سعادت محمد شکیل نے حاصل کی اور نعت رسول مقبول عابد حسین انجم نے سنائی۔ محمد عظیم، شیخ سلامت علی سید اجمل شاہ نے کہانیاں سنائیں۔ محمد اقبال شیخ عبدالستار فیصل شنزلو نے شعر سنائے۔ ملک غلام مصطفیٰ شیخ طارق عزیز رانا حامد علی نے لطیفے سنائے پروگرام دو گھنٹے جاری رہا۔ پاکستان زندہ باد کے نعرے سے پھول کہانی گھر کا دوسرا پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

ملتان میں تین روزہ پھول کہانی گھر

ملتان رپورٹ = زاہد فضل الحق پھول کہانی گھر کے لئے شام ۶ بجے کا وقت مقرر ہوا تھا۔ اعظمی اپنے کام کو نبٹانے میں بہت احسن طریقے سے سرانجام دیا۔ جس دن فنکشن ہونا تھا اس دن میں ساری دوپہر اس انتظار میں جاگتی رہی کہ اگر آنکھ لگ گئی تو کہیں دیر نہ ہو جائے لیکن ہوا یوں کہ ٹھیک ۶ بجے میری آنکھ لگ گئی اور سوا سات بجے آ کر کزن نے اٹھایا اور فرمایا کہ اتنی ساری لڑکیاں رنگ برنگے کپڑے پہن کر جمع ہو گئی ہیں یہ سنتے ہی تیار شیار ہو کر جب ان کے پاس پہنچی تو سب لڑکیاں باجماعت ٹی وی پر پروگرام دیکھنے میں مشغول تھیں۔ آغاز میں فاخرہ منیر نے لطیفہ سنایا تو سب نے لطیفے ہی سنانا شروع کر دیئے نہ تو کوئی کہانیاں سننے پر آمادہ تھا نہ سنانے پر۔ آخر کار فیضان نے تجویز پیش کی کہ آج کے فنکشن کا نام "کہانی گھر" کی بجائے "ہنسی گھر" رکھ دیں۔

دوسرا دن پندرہ جون کو کہانی گھر منعقد ہوا اس مرتبہ ٹائم صبح دس بجے کا رکھا گیا تھا۔ ساڑھے دس بجے فنکشن شروع ہوا قرات اور نعت کے بعد کہانیاں شروع ہوئیں فیضان منیر نے تین عدد کہانیاں زبردستی سنائیں۔ عابدہ نے کہانی "کشمیر کی محبت" سنائی۔ فاخرہ نے "ایسے بھی تھے حکمران" منزہ نے "اس رزق سے موت اچھی" سنائی۔ سب جوں نے حیرت انگیز طور پر اچھی اور نئی کہانیاں سنائیں۔ اس کے بعد چھوٹے جوں کی باری آئی۔ ان میں بشریٰ، ہما عظیم، ندیہ اور منیرہ نے کہانیاں سنائیں۔ ۱۶ جون کو پھول ان ڈش پارٹی تھی چار لمبلیز کی لڑکیوں نے شرکت کی ڈشز تیار کرتے ہوئے کچھ دلچسپ حماقتیں بھی سرزد ہوئیں میں نے کیک اور کسٹرڈ بنایا تھا۔ سب ڈشز بہت مزیدار تھیں سب سے زیادہ میرا ایک اور کسٹرڈ بجز کو پسند آئے۔ (یہ فخر بات ہے کہ بجز میرے اپنے گھر کے بچے یعنی میری فرسٹ کزنز تھیں)

سرگودھا کہانی گھر انعامات کی برسات ہو گئی

سرگودھا (رپورٹ = صہیب حسن) اہتمام بلال حسن نجم الثاقب طاہر آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ اس کے بعد طاہر نے نعت سنائی۔ صہیب حسن نے کہانی گھر کے اغراض و مقاصد کو دہرایا۔ علی عمران کے رائی کا انجام کہانی سنائی۔ بلال حسن نے ایک اخلاقی کہانی سنائی۔ طاہر نے ایک سبق آموز واقعہ سنایا۔ آخر میں سب کی حاضری کی گئی اور جوں کو پھول کے شمارے گفٹ دیئے گئے۔

بھائی نے کہانی گھر کی پبلسٹی کا معاوضہ وصول کر لیا

رپورٹ و اہتمام = حافظہ ندیہ خضر پھول کہانی گھر کے لئے اجازت نامہ تو کب کا موصول ہو چکا تھا۔ لیکن امتحانات کی وجہ سے پھول کہانی گھر قائم کرنے میں ذرا تاخیر ہو گئی ہے۔ پروگرام سے دو دن قبل تمام جوں کو اطلاع دے دی گئی۔ یہ کام میرے چھوٹے بھائی نے کیا اور اس کا معاوضہ بھی دو روپے لیا۔ خیر پروگرام کا دن تھن پہنچا اور مقررہ وقت تک پہنچ گئے۔ اور کہانی گھر کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔ تلاوت کی سعادت علی حسن نے حاصل کی۔ نعت عائشہ نے پیش کی۔ پھر کہانیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا سب سے پہلے عابدہ نے مسلم اللہ کی برکت "کہانی سنائی جو تمام جوں کو بہت پسند آئی اور انہوں نے دل کھول کر داد دی۔ اس کے بعد ارم نے اقوال زریں سنائی۔ حنا نے جلاوطنی کے حوالے سے نہایت خوبصورت کہانی سنائی جس کا نام تھا "شہید کبھی مرتا نہیں" نازی اور عنیزہ نے باہم کہانیاں سنائیں۔ بانی لاں نے اپنی زندگی کے چند خوبصورت واقعات کہانی کی شکل میں سنائے۔

باغبانپورہ لاہور کے کہانی گھر میں لائٹ چلی گئی

رپورٹ = حافظہ عمیر الفاطمہ کمپیئر = شبانہ کوثر انتظام = شفقت اثیر + حافظہ عمیر الفاطمہ کہانی گھر کے مہمان خصوصی انکل محمد بشیر اور آنٹی تھیں جج کے فرائض حافظہ طیبہ فاطمہ (صدر پھول کہانی گھر لاہور) نے انجام دیئے۔ تلاوت ذیشان اور نعت حافظہ سمیرا رفیق نے کی۔ کہانیاں سنانے والے جوں میں علی مرتضیٰ، سعدیہ، تبسم، سائرہ، رفعت، ذیشان شامل تھے جبکہ سحرش نے بڑے پیارے نظم نما کہانی سنائی اور خوب داد حاصل کی۔ ایک نظم عمیر نے بھی سنائی۔ اختتام پر مہمان خصوصی (انکل) کو کہانی سنانے کے لئے کہا تو انہوں نے کہانی کی بجائے کچھ اچھی باتیں بتائیں لیکن اچانک درمیان میں لائٹ چلی گئی۔ (لو۔۔۔ دو۔۔۔ دو۔۔۔۔) جس سے باتوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ انعامات حاصل کرنے والوں میں رفعت نے پہلا، سحرش نے دوسرا جبکہ تیسرا انعام سعدیہ اور ذیشان کو ملا۔ حوصلہ افزائی کا انعام عمیر اور باقی کہانی گو کو دیا گیا۔ حافظہ طیبہ فاطمہ نے بھی جوں کو دلچسپ باتیں سنائیں۔

راولپنڈی وارث خان میں کہانی گھر

رپورٹ = ایم آصف وارثی اہتمام سعید الرحمن ٹائم چار بجے سہ پہر رکھا لیکن چھ وقت مقررہ سے پہلے ہی تو ہمکے اور پھر تھوڑی ہی دیر میں ہمارے گھر کا صحن جوں سے فل ہو گیا جوں نے شور مچانا شروع کیا تو ہمارے ہوش قرنے لگے بڑی ہی مشکل سے جوں کو خاموش کیا اور پروگرام شروع کیا۔ تلاوت قرآن مجید کی سعادت محمد عثمان نے حاصل کی اور نعت رسول مقبول کی سعادت عائشہ افتخار نے حاصل کی جوں نے ملی نغمہ سنایا جسے سب جوں نے بہت پسند کیا۔ عائشہ افتخار نے کہانی "کوئل" سنائی اور سمیرا ملک نے کہانی "دیہاتی آدمی" سنائی۔ کچھ جوں نے لطائف بھی سنائے۔ اور آخر میں وطن کا گیت بلال نے سنایا۔

کہانی گھر میں کہانی نویسی کا مقابلہ

رپورٹ و اہتمام = نعیم اقبال نعیم معاون = عرفات ظہور نواز راشد "شاہ شمس پارک" میں ایک شاندار "یادگار" "پھول کہانی گھر" کا اہتمام کیا گیا جس میں مختلف سکولوں کے طلباء و طالبات کے درمیان کہانی لکھنے سنانے اور سمجھنے کے مقابلے ہوئے۔ اس کہانی گھر کی صدارت خاتون سماجی رہنما بیگم نذیراں اقبال نے کی وہ اس کہانی گھر کی "دلوی لاں" تھیں۔ جبکہ مہمان خاص پھول کلب کے ضلعی صدر خواجہ منظر نواز صدیقی تھے۔ حنا شنزلو نے تلاوت نعت گو بلال نے حمد باری تعالیٰ پیش کی تقریب کی نظامت کے فرائض پھول کہانی گھر ملتان کے صدر نعیم اقبال نے سرانجام دیئے۔ سب سے پہلے جوں کے درمیان اچھی کہانی لکھنے کا مقابلہ ہوا اس مقابلے میں شیر ذیشان مقاسم آئیڈیل پبلک سکول نے پہلی جبکہ ثمر پبلک سکول کی سعدیہ اور رحمان نے دوسری اور تیسری پوزیشن حاشر فضل زید لطیف اور سائرہ لے جانے میں کامیاب رہے۔ کہانی کو سمجھنے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کے مقابلے میں ثمر پبلک سکول کے احمد نے پہلی اور یاسر نے دوسری پوزیشن حاصل کی جبکہ عمران ممتاز مقاسم آئیڈیل پبلک سکول نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ مہمان خاص خواجہ منظر نواز صدیقی نے کہا کہ آج کا یہ کہانی گھر پاکستان میں اپنی نوعیت کا منفرد "کہانی گھر" ہے پھول کہانی گھر کی "دلوی لاں" بیگم نذیراں اقبال نے جوں کو ایک خوبصورت کہانی سنائی اور "پھول" کو اتنے اچھے پروگرام ترتیب دینے پر مبارکباد پیش کی۔

کہانی گھروں کا چوکا

اہتمام رپورٹ = حافظہ خوش خصلت منظور پہلی کہانی عاصمہ نے "چراغ علم جلاؤ" سنائی۔ اسکے بعد ثمرہ نے ایٹم بمبا کی بیڈ ہائم سنوری، عمر بھر کی کہانی سنائی اور دلو شاباش والی تھپکیاں سمعہ فرسٹ پرائز حاصل کیں۔ عظمیٰ نے اس قدر رک رک کر "میں شرمندہ ہوں سنائی کہ کسی کو سمجھ ہی نہ آئی بار بار بلانے کے بعد عذرا آئی اور بلا دلت کی ذاتی تحریر "دھوکے باز لوگ" کا برا حشر کر کے سنا کے یہ جا وہ جا بانی لاں بڑی ہی مشکلوں سے ملیں انہوں نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے کچھ واقعات سنائے، مہرین نے "یہ معاشرہ" سنانی پسند کی۔ پھر کرن نے ملا نصیر الدین کا لطیفہ سنا کر سب کا جہانے کا ثواب حاصل کیا۔ چاندنی نے بھی "تو کیا ہوا" سنانے کا شرف حاصل کیا، جج کے نتائج کے مطابق اول پوزیشن ثمرہ نے، دوم عذرا اور سوم کی حقدار مہرین قرار پائیں۔ دوسرے پروگرام میں تلاوت سعدیہ انعم نے کی۔ بہت پیاری نعت لیا جب میں نے ہم محمد ﷺ معصومہ نے پیش کی۔ کمپیئر ریحانہ چودھری تھیں کئی مرتبہ بلانے کے بعد "عذرا آئی اور بہت خوبصورت سٹائل میں کہانی "نہیں تیرا نشیمن" سنائی۔ سب کو پسند آئی۔ دلاویز نے احسان کا بدلہ نہایت الگ الگ کر سنائی اس دوران عاصمہ نے تصویریں کھینچنے کا اہم مرحلہ سرانجام دے دیا۔ ثمرین کی کہانی "مالی بیلا" بہت پیٹے سے سنائی۔ پھر رضیہ نے کشور، عالیہ شاذمہ، زقیہ نے باری باری کہانیاں سنائیں۔ پھر انیلا نے ضدی چیہ پڑھی جو سبق آموز (جوں کے لئے) تھی۔ شاہ کہانی زندگی کا حاصل سنائی۔ کہانی گھر شاذمہ نے اپنے گھر کر دیا تلاوت خوش خصلت نے کی نعت رسول حنا نے پیش کی۔ کمپیئر ثریا تھی۔ ہما نے کہانی گھر کا مقصد بتایا، عروہ نے "پہاڑی لڑکی معراج رسول کی سنائی نظمیہ "تو ہوری خواہشوں کے ساتھ آئیں" پھر عائشہ نے "خوشیوں کا موسم سنا کر سب کی خوشی کا سامان کر دیا۔ عظمیٰ نے خوشی کے آنسو سنائی۔ جزیہ نے رنی ہوئی کہانی "تج کی شرارت سنانے کا شرف حاصل کیا۔ پھر ہما، راحیلہ ثمرین، حنا، شازیہ، ثریا، عالیہ، صبا، عنیزہ نے بھی کہانیاں سنائیں۔ جج شاذمہ کی امی جان مسز انجم جز، مس ہما احمد، عائشہ رضا تھے ان کے فیصلے کے مطابق اول "تو ہوری خواہشوں" دوم "تو ہورے لوگ" سوم "آج کی شرارت" اس کہانی گھر میں ۲۵ بچے شامل ہوئے۔ چوتھا کہانی گھر بڑی افراتفری میں ہوا، تلاوت سنبل انجم نے کی۔ نعت ذکیہ اشفاق نے سنائی۔ کمپیئر خوش خصلت تھیں۔ سب سے پہلے تصور خانم کو سنانے کا موقع دیا گیا۔ بڑے اچھے سٹائل میں تصور گڑیا نے کہانی "بکری کے بچے اور بھیڑیا" سنائی۔ پھر ذکیہ کو دعوت دی گئی اس نے "دو شنزلوے" سنانا شروع جو کی تو چپ ہونے کا نام ہی نہ لیا، بالآخر اسے فرسٹ پرائز کا لالی پاپ دے کر چپ کرایا، سنبل نے "ضدی بچہ" سنانا پسند کی۔ ثمرین نے "انعام اور انیلہ نے "صلہ" پیش کی۔ کمپیئر صاحب دوران پروگرام جوں کو چپ نہ کرنے پر ڈانٹتی رہیں۔ ثمرین نے لطیفہ سنایا۔ جج مس ہما صدر تھیں۔ اول ذکیہ اشفاق دوم تصور خانم رہیں۔

پھول کلب لوستہ محمد کاوزٹ "کہانی گھر گوٹھ غلام محمد جمالی

اہتمام رپورٹ = نور محمد جمالی معاونین = کہانی گھر لوستہ محمد ۱۱ اور ان خان

جوں کی تعداد حیرت انگیز طور پر شاہد آفریدی کی تیز ترین سنچری کی مانند بڑھتی چلی گئی۔ اور رد گوں کی تعداد بھی حیرت انگیز تھی۔ دلوی لاں، بانی لاں، ماموں، چاچو اور پھول کہانی گھر کی انچارج آمنہ خان وہاں موجود تھیں۔ چاہت و محبت، خلوص اور اخلاق کی "چاشنی" نے ہماری آنکھیں بھی خیرہ کر دیں۔ اس طرح پروگرام ایک گھنٹے بعد شروع ہوا۔ حمد و نعت کے بعد "اے وطن پیارے وطن" رضوان سروش، ریحان، عدنان، ذیشان اور کامران نے لوزے گایا۔ مہمان خصوصی بانی لاں تھیں۔ انہوں نے "شیر اور شیرو" کے عنوان سے طویل ترین کہانی سنائی۔ ہم سب کہانی کی منطق اور انجام سن کر دنگ رہ گئے۔ اس کہانی کے بعد پھول کہانی گھر گوٹھ غلام محمد جمالی کی انچارج آمنہ خان نے جوں کا تعارف انوکھے انداز میں پیش کیا۔ انہوں نے "کائنات" (جی) کو اپنی پسلو میں اتار کہا تھا۔

اس تعارف کے بعد راقم الحروف نے بھی چند فقرے کہے۔ ان خان نے بھی سنجیدہ لہجے میں اپنے مخصوص سٹائل میں کہا تھا۔

ٹیلی فونک کالم

پھول کا ہفتہ وار عام کالم..... جس میں آپ ہر جمعرات اور جمعہ دوپہر سے چار بجے تک فون نمبر 6367551-54 پر براہ راست ایڈیٹر بھیا سے باتیں کر سکتے ہیں' شکایتیں لگا سکتے ہیں' تبصرے سنا اور مشورے لکھوا سکتے ہیں۔

☆..... عموماً گلبرگ سے بولتی ہوں آج جوہر ٹاؤن سے بول رہی ہوں کیونکہ پھوپھو کے ہاں آئی ہوئی ہوں۔ یہ شفاء علی تھیں جو پھپھو کے خرچے پر اپنی سب دوستوں رشتہ داروں' قرابت داروں کو فون کھڑکا رہی تھیں توبہ توبہ نہ ایسا سنا نہ دیکھا ہمیں آپ کی پھپھو سے مکمل ہمدردی ہے۔ کہنے لگیں اداریہ بہت اچھا تھا خوف کی بات پڑھ کر کافی افاقہ ہوا ہے یہ کلیئر نہ ہو سکا کہ افاقہ خوف کو ہوا ہے یا ان کو۔ فرمائش کر رہی تھیں کہ تصاویر کو Paiting میں ہی رکھیں کمپیوٹرائزڈ نہ کریں۔ بہر حال پینٹنگ کی تصاویر بہت پسند آئی ہیں اور انہیں دیکھ کر انہوں نے بہت Enjoy کیا۔ دیکھ لیں چند ایک بار پھر مفت میں انجوائے کر لیا ہے۔ ٹھیک ہے بھائی مرغی آپ کی۔ انکے ساتھ شمس الہدیٰ تھیں۔ کہہ رہی تھیں کوئی خاص تبصرہ تو نہیں ہے سب کہانیوں کے Idias نئے تھے۔ سپورٹس ٹائم پڑھ کر کھیلوں سے دلچسپی بڑھی ہے۔

☆..... سمندری سے کبیر احمد آصف نے فون کیا اور بتایا کہ میں مقابلوں میں حصہ لیتا ہوں کئی بار ٹیلی فون بھی کیا ہے۔ غالباً در پردہ انعام نہ ملنے کا ذکر تھا۔ لیکن ہم کان لپیٹے رہے ریسیور سمیٹے۔ شعر سنا رہے تھے سو بڑا بڑا نوٹ کر ڈالا غلط ہو تو سارا گناہ انکی پر۔۔۔ خدا نصیب کرے ان کو دائمی خوشیاں

۔۔۔ عدم وہ لوگ جو ہم کو اداس رکھتے ہیں (آمین)

☆..... سعدیہ دلبر ٹن سے ایک شکوہ لے کر آئی تھیں کہہ رہی تھیں کہ پاس ملنے میں دقت ہوتی ہے ہم نے ممبر بننے کا مشورہ دے دیا کہ اس سے آسانی ہو جائے گی۔ سعدیہ نے 9Th میں اچھے مارکس لئے تھے اس پر خوش ہو رہی تھیں۔ ٹھیک ہے دل بھر کر خوش ہوں لیکن چندا ہمیں تو اس وقت مزہ آئے گا جب آپ میٹرک میں اچھے مارکس لیں گی۔

☆..... دور بلکہ بہت ہی دور سے فورٹ عباس سے مہوش نے پہلی بار فون کیا۔ نواب کالونی میں رہتی ہیں میٹرک میں پڑھتی ہیں۔ کہنے لگیں 93ء سے پھول پڑھ رہی ہوں۔ پھول میں ہر چیز پسند ہے۔ اداریہ یہ کہانیاں' شعر محل اور ٹیلی فونک کالم پر انکی خصوصی نظر کرم ہے۔ اپنی بہن عمارہ (1st ایئر) اور عثمان 9Th کا نام لکھوا رہی تھیں۔ لیجئے جناب دونوں بلکہ تینوں کے نام حاضر ہیں۔

☆..... "بھیا میں نے چیونٹیوں پر ریسرچ کی ہے۔" یہ جملہ سن کر جھرجھری سی آگئی استغفر اللہ انہوں نے کیا قصور کیا ہے؟ اگلا سوال ہمارے سوال کو نگلتا مسلتا آیا جھوا دوں؟ جھرجھری بدستور قائم رہی اور یہ پوچھنا بھول گئے کہ کیا جھوانے کا پوچھ رہے ہیں۔ ریسرچ ورک یا چیونٹیاں..... استغفر اللہ ایک مزید جھرجھری.....

☆..... اسی انار کلی سے فون آیا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے تو کیا کہہ جائیں بھولیئے مجھے انار کلی دیاں شاناں (امید ہے بندے تم انار کلی کی شان کیا جانو؟) بہر حال شاناں والوں کو ہماری ہیڈ ٹائم پسند آئی۔ لیکن اس کے بعد سعدیہ اکرم تھیں جنہیں جتنا رسالہ پسند آیا تھا اتنا ہی ہنسی آ رہی تھیں۔ کہنے لگیں نیا جہاں اچھا لگا ہی ہی ہا ہا' ہماری کال کا کیا بنا؟ ہی ہی..... بلی بلی 100 روپے جرمانہ کیا جاتا ہے۔ ہی ہی ہا ہا.....

☆..... کمالیہ سے صوبیہ ملک سیکنڈ ایئر کہنے لگیں شعیب کا انٹرویو بالکل مت دیجئے گا وہ صفحہ ہی پھاڑ ڈالیں۔ ہم نے عین مین یہ نہی لکھا "شعیب کا انٹرویو بالکل نہیں دینا وہ صفحہ ہی پھاڑ دینا ہے" لیں بلی بلی آپ کے من کی مراد تو پوری ہوئی ہماری تو بڑی خواہش تھی کہ ہم شعیب کا انٹرویو کریں اور فائنل ہار نے کی 101 وجوہات پوچھیں۔ کہنے لگیں کہ چار پانچ سال پہلے سے پھول پڑھ رہی ہوں اگر آپ ہر ماہ تازہ پڑھ رہی ہیں تب تو ٹھیک ہے ورنہ اگر چار پانچ سال سے ایک ہی پڑھ رہی ہیں تو اب تک تو زبانی یاد ہو چکا ہو گا۔ بھول ان کے پانچ سالوں میں انہیں Cooking' آیت من القرآن' ٹیلی فونک کالمز پسند آئے ہیں لیکن اشفاق صاحب کے انٹرویوز تو سب سے ہی اچھے لگے۔ انہوں نے کہا اشفاق صاحب بڑوں کے تھے آپ نے انہیں چوں تک پہنچا دیا۔

☆..... گلشن راوی سے چندا اصغر 8Th نے پہلی بار فون کیا وعلیکم چندا چندا (ایک چندا ہم عادتاً کہہ رہے ہیں) انہوں نے کہا کہ پھول بے حد پسند ہے کیونکہ اس میں اداریہ اور کہانیاں سبق آموز ہوتی ہیں۔ آپ کی سوچ واقعی بڑی اچھی ہے۔ ہم نے ہنس کر کہا یہ آپ کو کب پتا چلا؟ انہوں نے دانشمندی سے کہا جب سے پھول پڑھنا شروع کیا۔ Good چندا یہ ہوائی نامہ ہی جواب.....

☆..... انعام تو میرا نکلا ہے لیکن دراصل میں نے نام بھابھی کا لکھ دیا تھا۔ بشریٰ علی نے سانگھڑ سے یہ قربانی پیش کی۔ لیکن مطمئن تھیں کہ میرا نام چھپتا رہتا ہے پھول میں انہیں سب کچھ اچھا لگتا ہے۔

☆..... کوٹ رادھا کشن سے شہزینہ عنبرین نے پوچھا میرا فون انعامی کیسے ہو؟ چندا پہلی بار فون کر رہی ہیں ابھی تو آپ آئے ہیں ذرا مزاج سے واقفیت ہو۔ کہہ رہی تھیں میٹرک میں پاس ہو گئی ہوں۔ مبارک دیں۔ ہم نے بغیر مٹھائی کے مبارک باد دے ڈالی۔ اس بار رسالے میں کرنیں اور اداریہ بہت پسند آیا لیکن ٹائٹل کچھ ایسا خاص نہیں تھا۔ ٹھیک ہے جناب! پسند اپنی اپنی' مزاج اپنا اپنا۔

☆..... مغل پورہ لاہور سے ثمرہ افتخار 7Th نے فون کیا اور بتایا کہ حفظ کر رہی ہوں۔ ہم نے دل سے شاباش دی۔ سچ بات ہے حفظ کرنے والے ہوں یا کروانے والے ان کے لئے دل سے ہمیشہ شاباش نکلی ہے۔ خود ہمارا ارادہ بھی ہو رہا ہے شاباش لینے کا..... آگے اللہ کی مرضی۔ انہیں کاٹون کہانیاں اچھی لگتی ہیں فرمائش کر رہی تھیں کہ جوں کی Activities بڑھا دیں۔ پھر کہنے لگیں اداریہ یوں تو اچھا لگتا ہے لیکن اس بار اتنا پسند نہیں آیا۔

☆..... مغل پورہ سے ہی ایک اور کال تھی سنبلہ کی چھوٹتے ہی کہنے لگیں آپ کی کہانیاں اچھی لگتی ہیں خاص طور پر نسخہ بہت عمدہ لگا۔ انہیں شعر محل' اچھا لگتا ہے لیکن ان کی تعداد پر اعتراض ہے بچے جگنو کے مختصر ہونے پر اعتراض ہے۔ سرورق اتنا اداس تھا اس پر اداس تھیں۔ لیکن ٹیلی فونک کالم واہ کیا بات ہے۔ اور بچپن کے دن پر تبصرہ زبردست لگتے ہیں ماریہ 8Th سے بھی بات ہوئی۔

☆..... شکر گڑھ سے فرخ شہزائین سے بات ہوئی فرخ کو پھول بہت پسند ہے خاص طور پر اداریہ کہ اس میں سبق آموز باتیں ہوتی ہیں۔ انہوں نے اپنی بہنوں کے نام لکھوائے۔ صائمہ' عروج' عظمیٰ گرمش۔ نوٹ کیجئے پہ!

☆..... شادباغ لاہور سے افغان گل کا فون تھا جنہیں ٹائٹل ہی نہیں بلکہ منتظر چہرے کیا چیز ہیں یہ کھلاڑی بھی اور منظر بھی پسند آئے۔ کیسے اچھے اور پیارے ہوتے ہیں وہ لوگ جو ناپسندیدہ چیزوں باتوں اور خیالوں کو چھوڑ کر اچھی پسندیدہ باتوں چیزوں اور خیال کی بات کرتے ہیں اور لمحوں کو سکھ سے بھر دیتے ہیں۔ سکھی رہیئے چندا.....

☆..... لاہور کینٹ سے کرن ارشد 6Th کا مختصر ترین فون بھی آیا جس میں انہوں نے رسالے کی تعریف کی اور اپنے بھائی شبیر حسین شہاب اور باجی مہ جبیں 10Th کے نام لکھوائے۔

☆..... دیسم پورہ لاہور سے مریم تھیں لطیفہ سنانا چاہ رہی تھیں لطیفہ تھکا ہوا پرانا بلکہ پھٹا پرانا دادا لا تھا۔ اس پر کہا اچھا پھر خدا حافظ۔

☆..... کوٹ لاج پت رائے (چھانگا مانگا) سے غلام نبی خیال نے فون کیا اور ایک تحریر ہے بھجوا رہا ہوں ہم نے کہا بھجوا دیں لکھنے سے پہلے پوچھ لیتے تو شاید ہم آپ کے اداریے سے آپ کو پہلے ہی منع کر دیتے اب کیا فائدہ بھجوا دیں جناب۔ پھول کا تازہ شمارہ انہیں پسند آیا۔ ٹائٹل منتظر چہرے' ثبوت' وعدہ اور اگلی بریک بھی کہانیاں پسند آئیں۔

☆..... حسنین رشید نے ٹھوکر نیاز بیگ سے فون کیا اور عجیب فرمائش کی کہنے لگے بھیا مجھے کوئی کام دیجئے۔

☆..... گوجرانوالہ سے نائیلہ نے حاضر ڈلوائی اور کہا بھیا پھول فورم میں آنا چاہتی ہوں ہم نے کہا جم جم آیئے ہر ماہ کی دس تاریخ کو صبح 11 بجے فورم کا انعقاد ہوتا ہے بس اتنا کیجئے کہ آنے سے پہلے براہ راست ایڈیٹر بھیا یا انچارج پھول فورم آمنہ آپی کو اپنے آنے کی اطلاع کر دیجئے۔

☆..... بمبن آباد سے عائشہ انیس تھیں اپنی دوستوں کے نام لکھوانا چاہتی تھیں۔ حما حسین' حنا حسین' ثمر نگار' عائشہ رفیق' دیکھ لیں عائشہ چند نام پورے کرلیں کوئی کم ہے تو ہمارا ذمہ توش پوش۔

☆..... عبیر شفقت نے لاہور سے کیا اور پہلی بار کیا پوچھ رہی تھیں کہ کچھ بھجوا سکتی ہوں۔ انکے بھائی عثمان سے بات ہوتے ہوتے رہ گئی کیونکہ انہیں شرم آگئی تھی۔ ٹھیک ہے بھائی آپ رہنے شرماتے۔

☆..... حسن ٹاؤن سے عائشہ 9Th نے ہیڈ ٹائم کی پسندیدگی کا اظہار کیا اور کہا کہ چونکہ میں چائے نہیں پیتی تھی اس لئے Tea time نہیں پڑھی۔ انہیں کنجی کنج کی بھی زبردست لگی۔

☆..... حنا ساجد 10Th ثناء ساجد 7Th نے جوہر ٹاؤن سے فون کھڑکایا۔ انہیں رسالہ بہت پسند آیا لطائف اور ہیڈ ٹائم بھی پسند آئی۔ اپنی چھوٹی بہن عائشہ ساجد کا نام لکھوایا۔

☆..... عروج ظہیر نے وحدت کالونی سے فون کیا عروج اکنامکس کررہی ہیں۔ بتارہی تھیں کہ اپنی کزن عروبہ کے گھر آکر بہت دن بعد پھول پڑھنے کا موقع ملا۔ ہوں! تو دوسروں کے رسالوں پر مزے ہورہے ہیں۔

☆..... مثالی گاؤں شاکی بھٹیاں سے وحید الحسن نے فون کیا' انہیں ہیڈ ٹائم اور منتظر چہرے پسند آئی۔ کہہ رہے تھے عابد حسین عابد میرے سیکرٹری ہیں ان کا نام بھی لکھ لیں۔ سبحان اللہ کیا بھائی چارہ ہے۔ سبحان اللہ جناب۔

☆..... والٹن سے غزالہ سعید فون پر تھیں انہوں نے میٹرک میں 744 مارکس لئے ہیں۔ Weldon چند بتارہی تھیں کہ میرا نام چھپا ہے۔

☆..... سوچتا ہے تو کس خوشبو سے ہوں! اچھا مصرعہ تھا۔ یہ مصرعہ سمیعہ عارف فیصل آباد نے روانہ کیا تھا۔ انہیں اداریہ بہت اچھا لگا تھا۔ مشورہ دے رہی تھیں کہ پھول بڑا مقبول پرمیں ٹکٹ لگادیں۔

☆..... عائشہ خالد 9Th نے گلشن راوی سے آئی تھیں کہ رہی تھیں چھ سال سے پھول پڑھ رہی ہوں سائنس فکشن پر اتنا کم کیوں ٹائم دیتے ہیں۔ ٹھیک ہے جناب پکڑتے ہیں کی کوسائنس فکشن کے لئے۔ فرمائش کررہی تھیں کہ شعر نثر درد۔ دیتے رہا کریں واہ کیا بات ہے بہت اچھا لگتا ہے۔

☆..... سنگھ پورہ سے لبنیٰ نے کرنیں بھجوائی تھیں۔ اس کا پوچھ رہی تھیں کہ باری کب آئے گی۔ چندا اگر تو ان کرنوں کی تمازت نے اپنا اچھا اثر چھوڑا تو جلد باری آجائے گی۔

☆..... مزہ آیا جب آفتاب حسین نے کہا ایڈن کا میچ سے بدل رہا ہوں اور ہم نے روانی میں اسے ایڈیٹ کا میچ لکھ ڈالا لکھتے ہی احساس ہوا اور پوچھا بھائی یہ کہاں ہے؟ مراانعام نکلا ہے وہ اپنے رہائش کے مسئلے کو پس پشت کرتے ہوئے انعام کی طرف آئے۔ ہم نے کہا اچھا واقعی؟ تو بولے شعر یہ کہنا تھا۔ ہم نے انکریہ دسول کرلیا۔

☆..... گلبرگ لاہور سے نزہت اشرف کا فون تھا۔ شاہد آفریدی کے انٹرویو کی فرمائش کررہی تھیں اور ساتھ ہی دلی جذبات کا اظہار بھی کہ بالکل بھائیوں جیسا لگتا ہے۔

☆..... آپ کو اتنے لوگ اور ان کے لہجے کیسے پارہتے ہیں؟ ندا نے گلشن راوی سے پوچھا۔ ہم نے کہا ندا رانی جیسے آپ کو مرغی کریلے اور ٹنڈے کے سالن کے ذائقے یاد رہتے ہیں۔ یہ تو بس آپ پر منحصر ہے کہ کس چیز کو اہمیت دیتے ہوئے کس چیز کو یاد رکھتے ہو اور کس کو بھلا دیتے ہو۔ پھر کہنے لگیں بھیا آپ نے..... آج مراگلاب خراب ہے۔

☆..... بہاولپور سے ساجدہ غلام محمد کا فون آیا انہوں نے اطلاع دی کہ وہ کراچی سے بہاولپور شفٹ ہوگئے ہیں۔ اپنی کہانی کا کہہ رہی تھیں کہ ناقابل اشاعت میں شامل نہ کریں۔

☆..... ٹنڈو غلام محمد سندھ سے عدیلہ جبیں 7Th کا فون تھا۔ کہنے لگیں نیا شمارہ بہت اچھا لگا ہے۔ کہانیاں سب ہی بہت اچھی تھیں۔ خاص طور پر وعدہ اور ہیڈ ٹائم بتارہی تھیں کہ انہیں روزی باجی کو پھول پڑھتے دیکھ کر شوق ہوا۔ عدیلہ کہہ رہی تھیں کہ آپ کی کہانیوں میں اتنے سارے واقعات ہوتے ہیں ہمارے ساتھ کبھی پیش نہیں آتے۔ بی بی اس لئے پیش نہیں آتے ورنہ آپ کہاں لکھتے اور چھاپتے۔

☆..... مظفر گڑھ سے محمد مدثر ملک نے فون کیا اور ہماری گرائمر ٹھیک کرتے ہوئے کہا "میں نے خط لکھا تھا" وہ خط لکھتے ہیں' تم خط لکھتے ہو' ہم سب خط لکھتے ہیں۔ مدثر چندا ہم نے تو یونہی پڑھا تھا اب پتا نہیں گرائمر نہ بدل گئی ہو۔ بہر حال مدثر کو نیا شمارہ اچھا لگا خاص طور پر اداریہ بہت پسند آیا۔

☆..... سنبل نے سمن آباد سے فون کیا سنبل کو نیا شمارہ پسند آیا منتظر چہرے بطور خاص۔ ان کی باجی آمنہ اکبر کو وعدہ بہت دلچسپ اور پراسرار لگتی ہے۔ (حیرت ہے حمید اللہ مغل صاحب نے بھی یہی کہا تھا کہ کہانی دلچسپ اور پراسرار ہوگی)

☆..... ایک فون صفیہ انکل کا بھی تھا۔ صفیہ اصل میں انکل ہمیں کہہ رہی تھیں ہم نے بھی پورے یقین سے انکل لکھ ڈالا۔ انہیں وعدہ اور ہیڈ ٹائم پسند آئی۔ سلطان سے بھی بات ہوئی لیکن مختصر۔

☆..... شاہدرہ کے عرفان 1st ایئر کا فون آیا۔ انہوں نے بتایا ایم اے او میں پڑھتے ہیں۔ کہنے لگے سات ماہ سے پھول پڑھ رہا ہوں۔ اچھا لگتا ہے۔ چندا کچھ ماہ اور پڑھیے مزید اچھا لگے گا۔

☆..... گوجرہ سے عاضیہ نے فون کیا اور بتایا کہ 5'6 سال سے پھول پڑھ رہی ہوں۔ بہت اچھا لگتا ہے لیکن اس ماہ کا رسالہ کچھ اتنا اچھا نہیں لگا۔ کیا چیز اچھی نہیں تھی اس کا اندازہ نہیں ہے۔ کہہ رہی تھیں فرمائش کرنی ہے مگر کیا کروں سوچتی ہوں اور جب ان کی سوچ سامنے آتی تو ہمارے منہ سے استغفر اللہ نکل گیا۔ ریما کے انٹرویو کی فرمائش کررہی تھیں اندازہ کرو۔

☆..... حافظ احسان نے ملتان سے اور مدیحہ نصیر نے اعوان ٹاؤن سے بات کی۔ فیصل عظیم خان کا فون بھی آیا۔

☆..... طیبہ ایف اے نے گلشن راوی سے نئے شمارے کی پسندیدگی کا اظہار کیا لیکن ساتھ ہی افسردہ بھی تھیں کہ کسی سلسلے میں ان کا نام نہ تھا۔ طیبہ رانی حوصلہ کیجئے۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ انہیں بے خبر مائیں اور کھلاڑیوں کی باتیں اچھی لگیں۔

☆..... سپر ٹاؤن سے سعدیہ افضل 2nd ایئر نے پہلی بار فون کیا۔ ویلکم سعدیہ تو پھول ٹیلی فونک کالم کہنے لگیں بہت دیر سے پڑھ رہے ہیں لیکن ہمت نہیں ہوتی تھی۔

☆..... عروبہ کا فون بھی آیا تھا کہہ رہی تھیں کہ میں نے سارا شمارہ بہت جلدی پڑھ لیا تھا بہت اچھا لگا۔ ہم نے شکر کیا کہ کہیں یہ فرمائش نہیں ہوگئی کہ اگلا شمارہ بھیج دیں یا یہ کہ مہینے میں دوبارہ رسالہ کیوں نہیں آتا۔ ایسے میں ہمیں ہمارے دوست کی بات یاد آگئی جو نئے نئے نوکری کرنے لگے ہیں انہوں نے معصومیت سے اپنے فنانس منیجر کو کہا آپ ہمیں مہینے میں دوبار تنخواہ دیا کریں۔ فنانس منیجر نے آرام سے جواب دیا ٹھیک ہے آدھی اب لے لیں آدھی پندرہ دن بعد لے لیجئے گا۔

☆..... ہارون شفیق بی کام میں پڑھتے ہیں اپنا نام چھپنے پر شکریہ کہہ رہے تھے۔ ٹھیک ہے جناب شکریہ قبول کیا آئندہ ہم احتیاط کریں گے۔ کہہ رہے تھے اپنا فیملی انٹرویو چھاپیں (ہم نے کہا بھئی یہ کام فیملی میگزین والوں کا ہے آفاقی صاحب سے کہیں تو کوئی بات بھی ہے) اپنی چھوٹی بہنوں کا بھی نام لکھوایا سفینہ شنزینہ کہ دونوں پھول شوق سے پڑھتی ہیں کہنے لگے میرا نام چھپے نہ چھپے باتیں معیاری ہوتی ہیں۔

☆..... عفیفہ مجید نے سنت نگر لاہور سے فون کیا انہوں نے بھی پہلی بار فون کیا تھا۔ انہوں نے فون ہی ریکویسٹ سے شروع کیا تھا کہنے لگیں سپورٹس ٹائم کو بہتر بنائیں۔ ورلڈ کپ فائنل کے بارے میں کہہ رہی تھیں کہ ہمیں ہار جیت کو کھیل کا حصہ سمجھنا چاہئے۔ بی بی ہم تو یہ جانتے ہیں کہ دوسری ٹیم بھی گھر سے کھیلنے کیلئے اپنا گھر' وطن چھوڑ کر میدان میں آتی ہے۔ عفیفہ کہنے لگیں تین گھنٹے میں شمارہ پڑھ ڈالا۔ گوڈ لیکن وہ پیغام جو پھول کے شروع میں لکھا ہوتا ہے کہ "گھر کا کام کرلیا ہو۔ نماز پڑھ لی ہو' امی ابو نے جو کام کہے تھے وہ کرلئے ہوں" اس کو ضرور ذہن میں رکھا کریں۔ عفیفہ کو وعدہ' آیت من القرآن اور سپورٹس ٹائم پسند ہیں۔

☆..... لاہور کینٹ سے حافظ محمد قیصر نے فون کیا اور کہا کہ انہوں نے پرسوں رسالہ لیا تھا بہت اچھا لگا۔ کرنیں اور کنجی کنج کی بہت اچھی لگی۔ ہم آپ کی پسند ڈاکٹر صاحب تک پہنچائے دیتے ہیں۔ خواہش تھی کہ شعر سنائیں۔ سو سنا دیا کہ

جو شخص تجربہ دست ہے
اس سے کہو گلے ملے یہ ماہ اگست ہے

اچھا ہے کیونکہ اگست سے ہماری بھی اچھی یادیں وابستہ ہیں۔

☆..... گلشن راوی سے ایک عجیب و غریب فون آیا۔ فون پر رومینہ تھیں کہنے لگیں تب سے پھول پڑھ رہی ہوں جب پڑھنا بھی نہیں آتا تھا۔ حیرت ہے چندا پھر آپ کیسے پڑھ لیتی تھیں۔ کہیں "پڑ" کو "پڑھ" تو نہیں سمجھتی تھیں۔ ٹیلی فونک کالم کا کہنے لگیں کہ ایک ماہ سے کوشش کررہی ہوں۔ مزید حیرت مانا نوائے وقت کے نمبرز Busy ملتے ہیں لیکن اب ایسا بھی نہیں کہ ایک ماہ سے نمبر نہ مل سکے۔ حیرت صد حیرت بہتر ہے اپنا فون ہی چیک کروائیں ابھی حیرانگی پروگرام ختم نہیں ہوا تھا کہ کہنے لگیں لونے پونے کیوں نہیں دیتے۔ بی بی وہ تو عرصہ ہوا علی الاعلان بند ہوچکا ہے۔ انہیں ہیڈ ٹائم بھی اچھی نہیں لگی۔ "مسکرایئے آپ کی فیس ویلیو بڑھے گی" نام بھی پسند نہیں آیا۔ مرضی ہے صاحب آپ کی۔

احترام ..... جو جاتا رہا

ایک دکھ کا ماجرا

تعظیم کوثر

کم فہمی کی کئی شکلیں ہوتی ہیں کب ضروری ہے کہ سبھی شکلیں چھوٹوں کی ہی ہوں

ہمارے عربی کے استاد صاحب کے جاتے ہی ہمارا ایک پیریڈ فری ہو گیا تو فری پیریڈ میں شرارتیں سکول لائف کا ایک لازمی حصہ ہے۔ عربی کے فری پیریڈ میں کوئی بھی استاد ہماری کلاس میں آنا پسند نہ کرتا اور ہم لوگ اپنے شور سے پورے سکول کو سر پر اٹھا لیتے۔ چنانچہ ہماری شرارتوں سے تنگ آکر فوری طور پر عربی کے استاد کا انتظام کیا گیا۔

جس دن انہوں نے سکول جوائن کرنا تھا بہر حال وہ دن ہمارے لئے موت کا دن تھا۔ چھٹے پیریڈ میں ایک انجانی صورت نے کلاس میں جھانکا کالی سفید داڑھی سر پہ جناح کیپ پائنچے اوپر اٹھائے ہوئے اور ہاتھ میں بیگ خاصے معتبر لگ رہے تھے کلاس میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ انہوں نے آتے ہی کلاس میں اپنا تعارف کروایا ان کا نام قاری عزیز اللہ تھا۔

پہلے دن کلاس میں ان کا رویہ خاصا معقول تھا انہوں نے چنوں سے انکے نام پوچھے اور سلیبس پوچھا اور چند ایک باتوں کے بعد اپنی چھڑی کو ٹھوڑی سے لگا کر آنکھیں موند کر بیٹھے رہے۔ انکے احترام میں پہلے دن تو ساری کلاس خلاف معمول خاموش رہی لیکن بعد کے عرصے میں وہ حسب معمول سوتے رہے اور ہم لوگ حسب معمول شور مچاتے رہے۔

قاری صاحب باتھ روم میں جا پھنسے

ایک دن قاری صاحب کلاس میں پڑھا رہے تھے تو انہیں شاید کوئی ضروری کام یاد آگیا اور وہ کلاس سے باہر چلے گئے کافی دیر ہم لوگ اودھم مچاتے رہے لیکن جب پیریڈ ختم ہونے میں دس پندرہ منٹ رہ گئے تو ہمارے مانیٹر صاحب انہیں ڈھونڈنے نکل گئے سٹاف روم اور دفتر میں قاری صاحب کو نہ پا کر مانیٹر صاحب تشویش میں مبتلا ہو گئے اور لگے سارے سکول میں قاری صاحب کو ڈھونڈنے۔ بالآخر وہ باتھ روم سے مدد کے لئے آوازیں لگاتے ملے باتھ روم کا دروازہ خراب تھا اس لئے طالب علم اس باتھ روم کا رخ ہی نہیں کرتے تھے۔ قاری صاحب چونکہ نئے تھے اس لئے وہ سکول کے نشیب و فراز سے آگاہ نہ تھے اس لئے بیچارے باتھ روم میں پھنس گئے۔

اب صورت حال یہ تھی کہ قاری صاحب باتھ روم اور تمام سٹوڈنٹس کلاس میں شور مچا رہے تھے چند ایک نے کوشش سے قاری صاحب کو باہر نکالا قاری صاحب پسینے سے شرابور باہر آئے تو لوگ شاباش کے متوقع تھے مگر انہوں نے آتے ہی ساری کلاس کو کھڑا کر دیا کہ خواہ مخواہ شور مچانے کی کیا ضرورت تھی اور پھر ہم لوگوں کی خاصی درگت بنائی۔ اس واقعے سے ہماری کلاس سے قاری صاحب اور ہم لوگ قاری صاحب سے بدظن ہو گئے۔

نماز جنازہ میں اگر کانٹا تھے میں چبھ جائے تو

قاری صاحب کا رویہ خاصا لاپرواہی پر مبنی تھا۔ ان کے اس رویئے کی خبریں وقتاً فوقتاً پرنسپل صاحب کو مل رہی تھیں چنانچہ ایک دن وہ انسپکشن کیلئے کلاس میں آگئیں اور سارا پیریڈ ہمارے ساتھ گزارا۔ انہوں نے ہم سے کچھ سوال کئے جن کے ساری کلاس نے اعتماد سے جواب دیئے مگر آخر میں جب پرنسپل صاحبہ نے پوچھا کہ اگر نماز جناہ پڑھتے وقت آپ کی پیشانی میں کانٹا چبھ جائے تو کیا آپ کانٹا نکال دیں گے کہ ایسے ہی.....

تمام کلاس نے مختلف جواب دیئے اکثر کا کہنا تھا کہ وہ کانٹا نکال دیں گے اور اکثر نہ نکالنے کے حق میں تھی۔ بہر حال کوئی بھی صحیح جواب نہ دے سکا۔ تو پرنسپل صاحبہ نے تمام کلاس کو سزا دیدی اور قاری صاحب کی بھی جواب طلبی کی گئی۔

چیس دینے پر پٹائی

انسپکشن سے قاری صاحب کچھ محتاط ہو گئے ان کی احتیاط کی وجہ ہماری پڑھائی نہیں بلکہ ان کی متوقع ترقی اور اضافہ تنخواہ ہے۔ کچھ دنوں بعد ہمیں انکشاف ہوا کہ چار ایک لڑکے قاری صاحب کے کچھ قریب ہیں اس قربت کی وجہ چیونگم، ٹافیاں چیس وغیرہ تھے۔ چنانچہ قاری صاحب کی "قربت" کیلئے ہم نے بھی ہاتھ پیر مارنے شروع کئے۔ بد قسمتی سے ایک دن پیریڈ شروع ہوا تو ہم باہر تھے۔ کلاس میں لیٹ پہنچے تو قاری صاحب نے میرے لیٹ آنے کی وجہ پوچھی تو میں نے ساری کلاس کے سامنے چیس کا ایک پیکٹ انکے سامنے رکھ دیا اور کہا "یہ سر میں آپ کے لئے لائی ہوں کیوں کہ لیٹ ہوئی ہوں۔

قاری صاحب میرے جواب سے بوکھلا گئے اور انہوں نے فوراً ساری کلاس کے سامنے میری پٹائی شروع کر دی اور ساتھ میں یہ بھی کہتے رہے کہ تم مجھے رشوت دے رہی ہو۔ میں تقدیر کا اپنے ساتھ یہ مذاق دیکھ کر حیران رہ گئی وہ کان سے پکڑ کے کر کلاس سے باہر لے گئے اور بولے بیٹا اگر ایسی کوئی چیز دینی ہو تو چوری چھپے دیتے ہیں" ان کا یہ سبق میرے ذہن میں جڑ پکڑ گیا کہ ہر برا کام چوری چھپے کرنا ضروری ہے۔

نیاز کا وقت خوشگوار جلد لانے کا طریقہ

اسی طرح کچھ دنوں بعد ہمارے انگلش کے استاد صاحب کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو انکے ہاں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا قاری صاحب نے ہم سٹوڈنٹس کو اپنی ایفی شینسی دکھانے کے لئے یہ کہا گیا کہ آپ وقت جانے کے لئے قرآنی آیات پڑھنے کی جائے بسم اللہ کا ورد کرنا شروع کر دیں تاکہ جلدی جلدی قرآن پاک ختم کیا جا سکے۔ اور نیاز کا وقت خوشگوار جلد آئے۔

ساتھ ساتھ میں ہمیں محنت سے جی چرا کر شارٹ کٹ کا متبادل راستہ دکھایا گیا۔ ایگزامز کے دنوں میں تمام کلاس جب زور و شور سے پڑھائی میں مصروف ہوتی تو ہمارے چار ساتھی بے فکر پائے جاتے ان میں سے ایک میرا بہت قریبی دوست تھا ایک دن خاصا مکھن لگانے کے بعد اس نے اپنی بے فکری کی وجہ بتائی کہ قاری صاحب کی "قربت" کی بدولت انہیں سوال نامہ پہلے ہی دے دیا جاتا ہے تاکہ وہ بہتر تیاری کر سکیں اور امتحان میں ٹھیک ٹھاک رزلٹ دکھائیں۔

سٹوڈنٹس کے ساتھ ایسی زیادتی شاید بلکہ یقیناً اللہ پاک کو بھی پسند نہ آئی اور ایک دن ہماری ایک ساتھی پیپرز کے دوران سوال نامہ ملنے سے پہلے ہی پیپر شروع کر چکی تھی تاکہ ساری کلاس سے پہلے پیپر دیکر فارغ ہو جائے مگر ان نے جب یہ کارروائی دیکھی تو وہ فوراً اسے گھسیٹتی ہوئی پرنسپل صاحبہ کے سامنے لے گئیں پرنسپل صاحبہ نے اس معاملے کی تحقیقات کرائیں اور معاملے کے پیچھے کارفرما قاری صاحب کو اسکول سے نکال دیا۔

قاری صاحب کی سکول سے اس طرح رخصتی ہمیں ایک آنکھ نہ بھائی۔ شاید اس کی وجہ وہ دکھ تھا جو ہماری پوری کلاس کو تھا۔ بطور استاد ہم ان کا احترام کرتے تھے۔ بطور انسان ان کی غلطیوں سے درگزر کرتے تھے مگر مسلسل واقعات سے ہمارے دلوں میں ایسی آندھی چلی کہ سارا احترام جاتا رہا۔

ہماری شرارتیں بعد میں بھی جاری رہیں استاد آتے اور جاتے رہے مگر سچ یہ ہے کہ ایک استاد کی منفی خوبیاں کبھی نہ بھلائی جا سکیں اگر استاد سے محبت کرنے اور اس کی پیروی کرنے کا حکم ہے تو اسکی غلطیوں سے سیکھنے اور بچنے کا بھی تو کوئی حکم ہو گا ناں۔

محبت کی شیرینی

عائشہ جیلانی نیو کیمپس لاہور

"کاش سر ریاض کا اسٹوڈنٹ رہا ہو کر میرا شاگرد بنے اور میں بھی اس کی اسی طرح دھنائی کروں جس طرح سر ریاض ہماری کرتے ہیں"

خالد نے اپنی کمر سہلاتے ہوئے مجھ سے کہا۔ میں جو اپنے سرخ ہاتھوں کو گھور رہا تھا جو ابھی ابھی سر ریاض کے ستم کا نشانہ بنے تھے اس کا جملہ سن کر چونک اٹھا اور پھر اس کی خواہش پوری ہونے کی دعا کرنے لگا۔

"پتہ نہیں سر کو کیا ہے کبھی چھٹی بھی نہیں کرتے ان کا بس چلے تو تمام چھٹیوں پر پابندی لگا دیں لگتا ہے سکول سے جاتے ہی اگلا دن چڑھنے کا انتظار کرنے لگتے ہیں اور ساری ساری رات یہ سوچتے ہیں کہ صبح کس سٹوڈنٹ کی کس بات پر بے عزتی کرنی ہے"

عمیر بھی بول اٹھا۔ "پتہ نہیں ہم کب کالج جائیں گے اور کب آزادی نصیب ہو گی" میں تو دوبارہ اس سکول میں قدم بھی نہیں رکھوں گا" ہر کوئی اپنی اپنی رائے دے رہا تھا۔

یہ نہم کلاس کا سی سیکشن تھا جو نہم جناح کے نام سے موسوم تھا۔ سر ریاض ہمارے انچارج تھے اصولوں کے پابند صاف ستھرے رعب دار شخصیت والے وہ تھے تو بہت اچھے مگر ذرا سخت تھے پہلے پیار سے سمجھاتے اور جب کوئی رسپانس نہ پاتے تو دھنائی کر دیتے۔ ان کے کئی "اقوال زریں" ہمیں طوطے کی طرح رٹ گئے تھے "آپ سکول آتے کس لئے ہیں' اچھی عادات سیکھنے' ڈسپلن سیکھنے' اٹھنے بیٹھنے کے طریقے سیکھنے' آپ پرائیویٹ طور پر بھی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں' مگر یاد رکھیں استاد کے بغیر تعلیم تعلیم نہیں ہوتی"

اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں' میں بالادب بانصیب نما بہت قائل ہوں لہٰذا میں نے کبھی اپنے کسی استاد کی برائی تو نہ کی مگر دل میں ان کی قدر بھی کوئی خاص نہ تھی میں اساتذہ سے محبت نہیں کرتا تھا بس ان کی خالی عزت کرتا تھا۔ اور جس عزت میں محبت نہ ہو وہ پھیکی اور بے وقعت ہوتی ہے یہ بات میں نہیں سمجھ پایا تھا البتہ میں آنے والی نسلوں کو پڑھانے کا کام نہیں کرنا چاہتا تھا میرے خیال میں سب استاد پیسے کی خاطر اور اپنی پروموشن کے لئے ہم پر محنت کرتے تھے۔

وقت گزرتا گیا اور میں نے کیمسٹری میں ایم ایس سی کی ڈگری لے لی اس دوران بہت سارے اساتذہ سے واسطہ پڑا بہت نرم دل بہت شفیق کچھ نہ کہنے والے مگر میں سر ریاض کو نہ بھول سکا ان کی عادت تھی کہ کلاس میں جنرل نالج کے بہت سوالات کرتے تھے اور جواب نہ پا کر بہت ڈانٹتے تھے انہوں نے ہمیں بتایا کہ اخبار کیا ہوتے ہیں کتابیں کیوں ضروری ہیں ان کے ڈر سے ہم مطالعہ کرنے لگے ان کی سلیبس سے غیر متعلقہ باتوں کو ہضم کرنے لگے ہم نے سر ریاض کو کبھی اچھے لفظوں میں یاد نہ کیا ہمیں بس یہ ایک شکوہ رہا سر ہم پر اتنی محنت یقیناً اپنے کسی مقصد کے لئے کرتے ہیں یا پھر انہیں ہماری بے عزتی کر کے کوئی تسکین ملتی ہے۔

ایم ایس سی کے بعد پبلک سروس کمیشن کے امتحان ہوئے جو خالد نے با آسانی پاس کر لیا میرا استاد بننے کا کوئی ارادہ نہ تھا اور خالد فزکس میں ایم ایس سی کر چکا تھا اس نے لیکچرار کی جاب کر لی میں نے اس کا خوب مذاق اڑایا اور کہا "یقیناً تم اب سر ریاض کے بدلے کی دھنائی کر سکتے ہو"

وہ ہنس دیا اور بولا "دیکھتے جاؤ میں کرتا کیا ہوں آج کل استاد سب سے زیادہ پیسہ مار رہا ہے گورنمنٹ سروس اور ٹیوشنز اور

میرے استاد نے مجھ کو

ادب کرنا سکھایا میرے استاد نے مجھ کو
محبت کا خوگر بنایا میرے استاد نے مجھ کو
کبھی جب بھی ٹھوکر اس راہ زیست میں مجھ کو
بڑی محبت سے اٹھایا مرے استاد نے مجھ کو
مرے استاد نے ہی ضوئے علم مجھ کو بخشی ہے
اندھیرے میں دیپک جلایا مرے استاد نے مجھ کو
کبھی غوری بنایا میں نے، کبھی ایٹم چلایا میں نے
اک برق تپاں بنایا مرے استاد نے مجھ کو

حیات عبداللہ۔ میرپور سادات کمروڑ پکا

مفت کی عزت"

اور واقعی خالد نے اپنا کہا سچ کر دکھایا اب دوسرے کالجز کے لڑکے بھی اس سے وقت مانگتے ٹیوشن کے لئے خالد نے ایک ایک گھنٹہ کے دس دس ہزار کمانے شروع کئے کیریئر بنانے کے دھنی ایف ایس سی کے طالب علم اتنی فیس کے بعد بھی اس سے پڑھنا پسند کرتے میں نے جب خالد کی اتنی کمائی دیکھی تو خود بھی لیکچرار بننے کا سوچا۔

میں نے بھی امتحان پاس کر کے لیکچرار کی جاب کر لی اور دونوں ہاتھوں سے پیسہ کمانے کا سوچنے لگا مگر جانے کیا ہوا کہ پہلے دن ہی کلاس روم میں بیٹھے لڑکوں کے چہروں کی معصومیت نے مجھے مار دیا مجھے وہ ننھے منے چوزے لگے میرا دل چاہنے لگا اپنے ان ننھے ننھے پرندوں کو دانہ کھلاؤں ان کو لونچی اڑان سکھاؤں ان کا مستقبل مضبوط کر دوں مجھے لگا وہ سب چھوٹے چھوٹے چوزے ہیں اور میں ان کا رہبر جیسا کہوں گا ویسا کریں گے۔

مجھے ان کی محبت نے بدل دیا اتنی محبت کے باوجود میں نے اپنے طالب علموں کو کبھی پیار والی باتوں سے نہ بہلایا ان کو سکھایا اور جب وہ نہ سیکھتے تو مجھے لگتا ان کا مستقبل اندھیر ہو جائے گا میں انہیں خوب ڈانٹتا میں جانتا تھا عزت مری پیاری ہوتی ہے لہٰذا پازیٹو رسپانس نہ پا کر ان کو خوب سخت سست کہتا ان کا قیمتی وقت ضائع ہوتے دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوتا میرا بس نہیں چلتا تھا کہ ان کو الٹا لٹکا دوں اور کہوں کہ استاد تمہارے بھلے کا سوچتا ہے ایک بار میں نے سنا کہ ایک طالب علم کہہ رہا تھا "دیکھو سر شیخ سعدی تشریف لا رہے ہیں جن کی ہر حکایت میں پند و نصائح کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہوتا ہے میری آنکھوں میں پانی بھر آیا اور مجھے بے اختیار سر ریاض کی ڈبڈبائی آنکھیں نظر آئیں وہ جو مخلص تھے وہ جن کی میں نے ساری عمر خالی عزت کی تھی اس لئے اس عزت میں محبت کی شیرینی گھل گئی۔

یارو یہی دوستی ہے

"بے زبانی ہے زبان میری" کو دل سے ماننے والے ایک لڑکے کی کہانی ایک روز اسے بولنا آگیا تھا
کم گوئی اچھی عادت سہی مگر اتنی بھی نہیں

نادیہ نورین بہاولپور

"علی کہاں سے آرہے ہو" ابو کی گونج دار آواز سے علی ٹھٹھک کر رک گیا۔ ظاہر ہے کھیل کر آرہا ہوں اور میں نے کہاں جانا ہے۔ اس نے ناگواری سے سوچا گو لب باہم پیوستہ تھے۔ میں نے کچھ پوچھا ہے دوبارہ سوال کیا گیا۔ آپکا کام ہی صرف پوچھنا ہے اور بس۔ اندر سے پھر کوئی بولا مگر لب اب بھی سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔ ارے بھئی سامنے والے گراؤنڈ سے کھیل کر آرہا ہے۔ آپ بھی بچے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ چلو علی آپ اپنا کام کرو۔ امی نے ہمیشہ کی طرح مداخلت کر کے علی کی جان چھڑائی اور علی اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

یہ عادت ہمیشہ سے ہی اسکے ساتھ ساتھ چلی آرہی تھی وہ ہونٹوں کو زحمت کم ہی دیا کرتا تھا مگر دل ہی دل میں سارے حساب ساتھ ساتھ بے باک کر دیتا تھا۔ اور اس عادت سے اسے سراسر نقصان ہی اٹھانا پڑتا تھا۔ آج بھی ہوم ورک نہ کرنے پر ٹیچر نے اسے کھڑا کر دیا۔ "علی آپ نے ہوم ورک کیوں نہیں کیا" خاموشی..... "علی میں پوچھ رہی ہوں آپ نے ہوم ورک کیوں نہیں کیا" کل مجھے سخت بخار ہو گیا تھا ہوم ورک کیا خاک کرتا۔ اندر ہی اندر کوئی جھنجھلایا "علی آپ بہت لاپرواہوتے جارہے ہیں" جی نہیں میں بہت سمجھدار ہوں۔ ہر کام وقت پر کرتا ہوں۔ آپ کو شاید غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اسکا ضمیر اس ناانصافی پر خاموش نہ رہ سکا۔ ہاں لب ضرور خاموش تھے۔ چلیں آپ کلاس سے باہر نکل جائیں میں اتنے نالائق بچے کو اپنی کلاس میں برداشت نہیں کر سکتی۔ ٹیچر نے اسے کلاس سے نکل جانے کا حکم دیا اور وہ تیز تیز قدموں سے باہر نکل آیا۔

"ہوں کسی کی مجبوری کو سمجھتی ہی نہیں۔ میں بھاری سے بے شک مر جاؤں انکا ہوم ورک ہونا ضروری ہے"۔ ذہن برابر اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ یار تم نے ٹیچر کو بتایا کیوں نہیں کہ تمہیں بخار تھا اس لئے تم نے ہوم ورک نہیں کیا۔ "حمزہ نے بریک ٹائم میں اس سے پوچھا وہ کل اس سے ملنے گیا تھا اس لئے اس حقیقت سے باخبر تھا۔ "بس چھوڑ اس بات کو" وہ ناگواری سے بولا

"دیکھو علی جب تک تم خود کسی کو اپنا مسئلہ نہیں بتاؤ گے کوئی کیسے تمہاری بات سمجھے گا۔ اب اگر آج تم ٹیچر کو بتا دیتے کہ تمہیں بخار تھا تو وہ تمہیں کبھی سزا نہ دیتیں۔ حمزہ نے اسے سمجھایا

مگر وہ ہمیشہ کی طرح ٹال گیا۔ ابھی وہ دونوں لنچ ہی کر رہے تھے کہ سامنے سے طلحہ آتا دکھائی دیا "علی یہ تمہارے پیسے" طلحہ نے پچاس روپے علی کی طرف بڑھائے علی نے نظریں اٹھائیں تو اسے طلحہ کا چہرہ بالکل سپاٹ لگا۔ "تو نہ..... شکریہ کے دو بول بول دیتے تو کیا جاتا ہے تمہارا" اندر سے کسی نے اعتراض کیا دراصل کل طلحہ کے فیس کے پیسے گم ہو گئے تھے اور علی نے اسے پیسے دیئے تھے۔ آج وہ اس کے پیسے واپس کرنے آیا تھا۔ علی تمہارا بہت بہت شکریہ۔ کل آخری تاریخ تھی اگر تم پیسے نہ دیتے تو بہت مشکل ہو جاتی۔

طلحہ تشکر آمیز لہجے میں بولا تو علی کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ مسکرا دیا۔ اندر سے کوئی ہولے سے بولا کوئی بات نہیں طلحہ تم میرے کلاس فیلو ہو۔ طلحہ واپس مڑ گیا۔ تم اس سے کہہ نہیں سکتے تھے کہ کوئی بات نہیں چھوڑو اس معاملے کو وہ بیچارہ کتنا شرمندہ ہو رہا تھا۔ حمزہ نے طلحہ کے جاتے ہی اس کو جھاڑا "کہا تو تھا" علی ایک دم بول اٹھا کب "حمزہ نے حیرانی سے اسے گھورا" دل ہی دل میں علی نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ تو حمزہ کا جی چاہا کہ وہ اس کی بے وقوفی پر ماتھا پیٹ لے۔

اگلے دن جب علی سکول آیا تو ساتھ والی سیٹ پر شروع سے ہی حمزہ کے لئے مخصوص تھی وہ خالی تھی حمزہ پیچھے بیٹھا تھا علی نے چونک کر اسے دیکھا تو حمزہ نے منہ پھیر لیا۔ اور ساتھ بیٹھے وقاص سے باتیں شروع کر دیں۔ علی کے لئے یہ صورت حال پریشان کن تھیں۔ حمزہ اسکا بیسٹ فرینڈ تھا اسکا یہ رویہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ آخر بریک ٹائم میں اس نے حمزہ کو جا لیا۔ "حمزہ ناراض ہو" کیا بات ہوئی ہے" تمہیں اس سے کیا مطلب۔ حمزہ ناراضگی سے بولا پھر بھی کچھ تو بتاؤ وہ بے چین تھا۔ علی میں تمہیں اپنا دوست سمجھتا تھا مگر تم..... وہ تو مجھے وقاص نے بتایا کہ تم میرے متعلق اس سے کیا کیا باتیں کرتے رہے ہو۔ میں امتحان میں نقل کرتا ہوں اس لئے فسٹ آتا ہوں۔ میں نے کب تم سے 200 روپے ادھار لئے اور واپس نہیں کئے میں نے کب تمہیں برا بھلا کہا" حمزہ نے نفرت سے اسکی طرف دیکھا اور پلٹ گیا۔ یہ سب جھوٹ ہے بکواس ہے میں نے ایسا کچھ نہیں کہا اندر سے احتجاج بلند ہوا۔ مگر وہ اسے سرخ چہرے کے ساتھ جاتا دیکھتا رہا۔ لب یوں بھنچ لئے تھے جیسے دوبارہ کبھی نہیں کھولے گا۔ گھر آکر سخت پریشان رہا سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کرے۔ امی نے اسے پریشان دیکھا تو وجہ پوچھی اور اس نے سارا واقعہ گوش گزار کر دیا "علی تم جا کر حمزہ کو ساری بات کلیئر کر دو اسے بتاؤ کہ وقاص نے اس سے جھوٹ بولا ہے وہ جاؤ وہ اچھا لڑکا ہے۔ یقین کر لے گا امی نے اسے سمجھایا تو اس کی عقل شریف میں بھی یہ بات آگئی وہ اٹھا اور حمزہ کے گھر پہنچ گیا حمزہ بلیو می وقاص جھوٹ بولتا ہے۔ میں نے کبھی اس سے یہ سب کچھ نہیں کہا تم میرے بہترین دوست ہو میں بھلا ایسا کیسے کر سکتا ہوں ممکن ہے وہ ہماری دوستی سے جلتا ہو۔ اسی لئے یہ سب کچھ کر رہا ہو میرا یقین کرو حمزہ پلیز آخر میں وہ بے اختیار رو پڑا۔ تو حمزہ نے آگے بڑھ کر گلے سے لگا لیا۔ ارے مجھے یقین ہے میں تو صرف تمہیں سمجھانا چاہتا تھا کہ اپنی بات خود کرنا سیکھو۔ وقاص نے مجھے کچھ نہیں کہا میں تمہیں اعتماد دینا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا تم میری ناراضگی برداشت نہیں کر پاؤ گے۔ علی نے اسے حیرت اور غصے سے دیکھا اور پھر وہ دونوں ہی ہنس دیئے۔

"علی آپ نے ہوم ورک نہیں کیا" ٹیچر پوچھ رہی تھیں۔

"مس وہ کل ہم سب لوگ شادی پر گئے ہوئے تھے رات بہت دیر سے واپسی ہوئی اس لئے ٹائم نہیں ملا۔ آئی ایم ویری سوری" وہ اعتماد سے بولا ٹھیک ہے مٹھ جایئے آئندہ ایسا نہ ہو "ٹیچر رول کال میں مصروف ہو گئیں ساری کلاس حیرت سے علی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مگر حمزہ اس کی بات سن کر اطمینان سے مسکرا دیا۔

کریئر کونسلنگ

ایک قابل قدر سلسلہ

صدف باقر

اس دفعہ ایسے شعبے کے متعلق بات ہو گی جو شاید آپ سب میں سے بہت سوں کے لئے نیا ہو گا اور وہ ہے Cast and man-agement Accountant بھئی اتنے لمبے نام سے پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ جتنا لمبا نام ہے اتنے ہی فائدے کی چیز ہے۔ آپ نے کبھی کسی چیز کے بارے میں غور کیا ہو کہ وہ کیسے بنی' اسکے بننے میں کیا کیا چیزیں استعمال ہوئیں' کتنے لوگوں نے اسکے بنانے میں حصہ لیا' کتنی مشینیں استعمال ہوئیں' مارکیٹ میں وہ چیز کیسے آئی' اس چیز کی قیمت اور اسکا اسی طرح کی دوسری کمپنی کی چیزوں کے ساتھ موازنہ' کمپنی کو اس چیز کی فروخت کا فائدہ غرضیکہ اس طرح کے تمام سوالات کا جواب تلاش کرنا "کاسٹ اینڈ مینجمنٹ اکاؤنٹنگ" کہلاتا ہے۔ یہ شعبہ نیا ہے اور جو چند شعبے جو بہترین سمجھے جاتے ہیں ان میں سے ایک ہے۔ کاسٹ اینڈ مینجمنٹ اکاؤنٹنس کا کام ان اداروں میں ہوتا جو صنعت سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے ذمے انتظامیہ کا کنٹرول' مستقبل کی پلاننگ' بجٹ کی تیاری چیزوں کی قیمتوں کی پالیسی تیار کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ کاسٹ اینڈ مینجمنٹ اکاؤنٹنگ (CMA) کی ضروریات پوری کرنے کے لئے پاکستان میں 1951ء میں ایک ادارہ Institute of Cast and man-agement Accountants of Pakistan (ICMA) قائم کیا گیا جس کے مراکز لاہور' اسلام آباد' پشاور ایبٹ آباد' کوئٹہ' فیصل آباد' ملتان' حیدر آباد' سعودی عرب وغیرہ میں قائم ہیں۔

داخلے کی شرائط :۔

انسٹی ٹیوٹ میں داخلے کیلئے کم از کم گریجویٹ (A-levels' B-com' B.Sc' B.A) ہونا ضروری ہے اور داخلے کے لئے ایک ٹیسٹ لیا جاتا ہے جو انگلش' میتھ' جنرل نالج' اور Aptitude Test پر مشتمل ہوتا ہے اور امتحان میں کامیاب ہونے والے طلباء وطالبات کو اوپن میرٹ کی بنیاد پر داخلہ دیا جاتا ہے۔ یہ امتحان سال میں دو دفعہ یعنی جون اور دسمبر کے مہینوں میں ہوتا ہے۔

آئی سی ایم اے کے کورس کی ڈیوریشن اڑھائی سے تین سال ہے۔ البتہ طالب علم اپنا نصاب اضافی وقت میں بھی مکمل کر سکتے ہیں۔ آئی سی ایم اے میں سمسٹر سسٹم ہے۔ سال میں دو سمسٹرز ہوتے ہیں جو چھ چھ ماہ کے ہوتے ہیں اور اس دوران مختلف ٹیسٹ اور امتحانات لئے جاتے ہیں۔ چھ سمسٹرز میں کامیابی حاصل کرنے والے طالب علم Cast and Management Accoun-tant کی ڈگری حاصل کرتے ہیں۔ جو کورسز آئی سی ایم اے میں پڑھائے جاتے ہیں ان میں Foundation course کے علاوہ اکنامکس' بزنس کمیونی کیشن' سٹیٹ میتھ' رپورٹ رائٹنگ' بزنس لاء' آڈیٹنگ' اکاؤنٹنگ' آرگنائزیشن اینڈ مارکیٹنگ' مینجمنٹ کاسٹ اکاؤنٹنگ وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ آئی سی ایم اے میں پڑھنے کے دوران اگر آپ کہیں اور شفٹ ہو جاتے ہیں تو آپ کو یہ سہولت بھی ہے کہ آپ اپنے قریب ترین مرکز سے اپنا کورس مکمل کر لیں۔ یہاں داخلے' رجسٹریشن فیس اور امتحانات کی فیس سمسٹر وائز دی جاتی ہے۔ پاکستان میں آئی سی ایم اے کے کورس کے علاوہ سی آئی ایم اے یعنی چارٹرڈ انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اکاؤنٹنگ (برطانیہ) سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کا طریقہ کار بالکل آئی سی ایم اے کی طرح ہے مگر ٹیسٹ کا معیار آئی سی ایم اے پی سے کہیں بلند ہے۔ اس میں داخلے کیلئے کوئی ٹیسٹ نہیں اسکا امتحان ہر چھ ماہ بعد کراچی میں انسٹی ٹیوٹ آف چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس میں ہوتا ہے۔ آئی سی ایم اے تقریباً دنیا میں ہر جگہ Recog-nized ہے۔ مگر اس کی فیس چونکہ پاؤنڈز میں دینی ہوتی ہے اس لئے مہنگا ہے۔ مزید معلومات کے لئے آئی سی ایم اے پی کے مندرجہ ذیل مراکز پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ (ا) کراچی ہیڈ آفس' ایس ٹی سی-18' بلاک 6 نیپا چورنگی۔ (ب) ICMAP گلشن اقبال کراچی۔ (ج) کراچی' (سٹی کیمپس ICMA) حسین شہید روڈ' سولجر بازار کراچی۔ پرنسپل گورنمنٹ سندھ کالج آف کامرس' حیدر آباد۔ ICMAP-3' 42 فیروز پور روڈ لاہور ICMAP-4 پلاٹ نمبر 16 سیکٹر h-9 ریجنل ڈائریکٹر اسلام آباد۔ 5- پرنسپل گورنمنٹ کمرشل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ' دی گراؤنڈ پیپلز کالونی نمبر 1 فیصل آباد 6- ICMAP ریلوے اکاؤنٹس اکیڈمی' زرغون روڈ کوئٹہ 7- ایڈمنسٹریٹر نیو آفیسر انٹرنیشنل ڈگری کالج آف کامرس Oppsite علیم سکوائر کچہری روڈ ملتان 8- ICMAP اپارٹمنٹ نمبر 303/307 سٹی ٹاؤن یونیورسٹی روڈ P.O.Box 636 پشاور 9- مسٹر شیر افگن ملک P.O.Box 764 الخبر 31952 سعودی عرب یہ ایک ایسا شعبہ ہے جس میں ڈگری ملتے ہی معقول آمدنی شروع ہو جاتی ہے اور تجربہ اس میں اضافہ کرتا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ بھی اپنے سٹوڈنٹس کے بارے میں مختلف کمپنیوں کے تفصیلات فراہم کر کے ان کو نوکری حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے۔ پاکستان میں تقریباً پچیس ہزار طالب علم یہاں پڑھ رہے ہیں۔

آئی سی ایم اے کے ساتھ ایک اور شعبہ سی اے یعنی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کا ہے۔ چارٹرڈ اکاؤنٹنس عام طور پر حساب کتاب سے متعلق کام کرتے ہیں اور اپنے مؤکلوں کو اکاؤنٹنگ کی خدمات فراہم کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ AUDITING کرتے ہیں۔ جو لوگ سی اے کو بطور پیشہ اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے غیر معمولی صلاحیتوں کی نہیں بلکہ پر عزم سوچ کی ضرورت زیادہ ہے اور اس کا داخلہ ٹیسٹ جو نہایت مشکل تصور کیا جاتا ہے اپنی قوت ارادی اور اپنی بہتر تعلیم کے ذریعے کامیاب کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اس کا داخلہ ٹیسٹ کامیاب کرنے کے لئے جنرل نالج' انگلش میں مہارت اور خاص طور پر حاضر دماغی کی بہت ضرورت ہے۔ سی اے میں سٹوڈنٹ کو کسی بھی سی اے فرم سے وابستہ ہو کر تربیت کا معاہدہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ سی اے کی فرم سے وابستہ ہونے کے لئے ان فرمز کا انسٹی ٹیوٹ آف چارٹرڈ اکاؤنٹنسی سے اجازت یافتہ ہونا ضروری ہے۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں یہ FIRMS موجود ہیں جن کے تفصیل انسٹی ٹیوٹ آف چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس سے مل سکتی ہے۔ کسی فرم سے منسلک ہونے کیلئے سادے کاغذ پر ایک درخواست فرم کے پارٹنر کے نام دینی ہوتی ہے۔ جس میں اپنا بائیو ڈیٹا لکھنے کے علاوہ سی اے کرنے کی وجہ اور اس بارے میں ترجیحات لکھنی ہوتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں فرم ایک فارم بھی دیتی ہے جسے پر کر کے واپس بھیجنا ہوتا ہے۔ تربیت کے دوران امیدواروں کو مختلف PAY بھی دی جاتی ہے۔

نان گریجویٹ

وہ لوگ جو انٹرمیڈیٹ یا اے لیول وغیرہ کرنے کے بعد سی اے کرنا چاہتے ہیں ان کو پہلے ایک انٹیچیوڈ ٹیسٹ پاس کرنا ہوتا ہے جس کے بعد انہیں ایک فل ٹائم فاؤنڈیشن کورس (FTFC) یا بی اے سی میں داخلہ دیا جاتا ہے۔ اور دو سال مکمل ہونے کے بعد یہ افراد فاؤنڈیشن امتحان میں شرکت کرتے ہیں اور اس کے بعد انہیں فرم سے چار سالہ معاہدہ کرنا ہو گا اور ڈھائی سال کے بعد وہ پروفیشنل امتحان میں شرکت کے اہل ہوں گے۔ فاؤنڈیشن امتحان زیادہ سے زیادہ چھ بار دیا جا سکتا ہے۔ پروفیشنل امتحان پاس کرنے کے بعد امیدوار انسٹی ٹیوٹ کا ایسوسی ایٹ رکن بننے کے اہل ہو جاتا ہے۔

گریجویٹ :۔

وہ تمام گریجویٹس جنہوں نے کامرس یا کسی دوسرے مضمون سے گریجویشن کیا ہو وہ پری انٹری ٹیسٹ کے بعد کسی فرم سے وابستہ ہوئے بغیر فاؤنڈیشن امتحان دے سکتے ہیں۔

کامرس گریجویٹ یا پوسٹ گریجویٹ :۔

ان کو سب سے پہلے پری انٹری ٹیسٹ دینا ہوتا ہے اور اس کو پاس کرنے کے بعد وہ انسٹی ٹیوٹ سے رجسٹریشن کے اہل ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی انہیں اپنی فرم سے چار سالہ تربیتی معاہدہ کی نقل بھی منسلک کرنا ہوتی ہے۔ تربیت کے پہلے سال کے اختتام پر فاؤنڈیشن امتحان دیا جاتا ہے اور جیسے کہ اوپر بتایا گیا ڈھائی سال تربیتی معاہدے کے مکمل ہونے پر یہ پروفیشنل امتحان کے اہل ہو جاتے ہیں اور اس کے مکمل کرنے کے بعد انسٹی ٹیوٹ کے ایسوسی ایٹ رکن بننے کے اہل ہو جاتے ہیں۔ پروفیشنل امتحان کے دو حصے ہوتے ہیں اور دونوں چار سالہ تربیت مکمل ہونے سے پہلے کامیاب کرنا ضروری ہیں اور ان امتحانوں کی تیاری کے لئے انسٹی ٹیوٹ کا تربیتی پروگرام بھی مکمل کرنا ضروری ہے۔

سی اے کرنے والے افراد کی تنخواہ بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سی اے انٹر کرنے والے 20'15 ہزار صرف چار سال کی تربیت مکمل ہونے پر ہی دس بارہ ہزار کی نوکری مل سکتی ہے مگر اس سب کے لئے ضروری ہے کہ ہمت' حوصلے اور قوت ارادی کو بہت زیادہ کیا جائے۔ سخت محنت کے بغیر کوئی مقام حاصل کرنا بہت مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ اور چار پانچ سال کی یہ محنت آئندہ زندگی کے مکمل آرام کی گارنٹی ہے۔ تو اپنے آپ کو کسی بھی ناپسندیدہ صورتحال سے بچانے کیلئے ابھی سے سخت محنت کی عادت ڈالیں۔ بیسٹ آف لک۔

او بھائی
Jheovem

مونا سکندر۔ سیالکوٹ

میں تھرڈ ائیر میں پڑھتی ہوں مگر سکول کا سنہری دور اب بھی میرے ساتھ ہے۔ سکول کے اس دور کو سنہری بنانے میں "سر نوتو" کا بڑا ہاتھ ہے۔ میرے سکول کا نام ایف جی (فیڈرل گورنمنٹ سکول سیالکوٹ کینٹ) ہے 8th کلاس سے پروموٹ ہو کر 9th میں پہنچے تو جہاں کیمسٹری، فزکس اور بائیولوجی سے واسطہ پڑا وہاں "تھمس" نے بھی جان نہ چھوڑی وہ 9th کلاس میں ہمارا پہلا دن تھا۔ پہلے تین پریڈ گزر گئے چوتھا پریڈ "تھمس" کا تھا۔ "تھمس" مجھے شروع ہی سے سخت ناپسند تھا۔ چوتھے پریڈ میں "سر نوتو" کلاس روم میں داخل ہوئے۔ کلاس کو گھورنے کے بعد کچھ سوچتے ہوئے سر کلاس سے مخاطب ہوئے "ہاں تو بھائی اپنا تعارف کروائیے" ہم سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ ہم میں سے "سر" کا بھائی کون ہے اس پر سر پھر بولے "بے بی اپنا نام بتائیے" تو ہم پہ یہ راز کھلا کہ "بھائی" سر کا تکیہ کلام ہے اور وہ اکثر سکول کی پرنسپل کو بھی "بھائی" ہی کہتے ہیں۔ اس کے بعد سر نے انٹری ٹیسٹ لیا۔ سر نے اسی وقت چیک کر کے واپس کر دیئے۔ میں جانتی تھی کہ میرے نمبرز شاندار ہوں گے اور میری توقع کے عین مطابق میرے پیپر پر بڑے سٹائل سے "ویری گڈ" لکھا گیا تھا۔ مجھے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا اور اس وقت میری حالت یہ تھی کہ ایک ہاتھ میں پیپر پکڑے غصے سے آنکھیں باہر نکالے، دانتوں کو زور سے ایک دوسرے پر لگائے اور دوسرے ہاتھ کا مکہ بنائے بیٹھی تھی کہ سر اپنے ٹیبل پر جھک کر بولے "تو بھائی! کیا اب آپ اس کو کھانے والی ہیں" اس پر کلاس میں قہقہے گونج اٹھے اور میرا غصہ جاتا رہا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب سر "تھمس" کے "تھیورم" کروا رہے تھے۔ وہ تھیورم کو تھیورم کی بجائے مسئلہ کہا کرتے تھے اور جیسا کہ میں نے لکھا کہ وہ الفاظ کو لمبا کر کے ادا کرتے تھے تو ان کا مسئلہ ہم تک پہنچتے پہنچتے "مس آلا" بن جاتا اور ہم انکے "مصالحہ" یا "مس آلا" کو بہت انجوائے کرتے۔ سر کلاس روم کے بلیک بورڈ پر اتنی لمبی لائن کھینچتے کہ لائن کے ساتھ ساتھ بھاگتے بھاگتے وہ خود کلاس روم کے دروازے سے باہر نکل جاتے اور پھر وہاں سے واپس آتے اور دوسری لائن لگاتے ہوئے دیوار تک پہنچ جاتے اس طرح وہ جتنی لائنیں لگاتے اتنی ہی دوڑیں بھی لگاتے۔ وہ ایسا صرف ہمارے لئے "تھمس" میں انٹرسٹ پیدا کرنے کیلئے کرتے اور وہ اس میں کامیاب بھی رہتے۔ ایک مرتبہ سر نے بتایا کہ وہ کچھ کورسز کرنے کی غرض سے افریقہ گئے۔ وہاں اچھا موسم دیکھ کر ریسٹ ہاؤس سے باہر نکل گئے اور جنگل کی جانب چل دیئے تب کہیں سے کچھ حبشی وہاں آ گئے۔ انہوں نے صرف لنگوٹ باندھ رکھے تھے اور ان کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ سر سمجھے کہ یہ تو م خور قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں سر نے واپس دوڑ لگا دی مگر تو م خوروں نے انہیں پکڑ لیا اور ساتھ لے کر چل دیئے راستے میں وہ ہاتھ بلند کر کے لوگا ہو، لوگا ہو کے نعرے لگاتے رہے سر خوفزدہ تھے کہ تو م خور انہیں بھون کر کھا جائیں گے وہ لوگ سر کو ایک میدان میں لے گئے وہاں بہت سے لوگ تھے۔ ایک آدمی سر کے قریب آیا اور افریقی زبان میں کچھ کہا۔ سر سمجھے کہ وہ آخری خواہش پوچھ رہا ہے پھر اسی آدمی نے انگریزی میں پوچھا کہ آپ یہاں کیا کر رہے ہو؟ سر نے بتایا کہ "او بھائی! میں پاکستان سے آیا ہوں اور اس طرف سیر کرنے نکلا تھا کہ تو م خوروں نے پکڑ لیا۔ خدارا مجھے چھوڑ دو"۔ اس پر وہ آدمی ہنستے ہوئے بولا کہ یہ تو م خور نہیں ہیں پھر انہوں نے سر کی پھلوں اور دودھ سے تواضع کی اور انہیں واپس ریسٹ ہاؤس میں چھوڑ آئے۔ "سر نوتو" ایک دلچسپ آدمی ہیں انہوں نے اپنی باتوں سے "تھمس" جیسے بور مضمون میں رنگ بھر دیئے۔ خدا انہیں ہمیشہ اسی طرح خوش رکھے۔

شعر محل

پیارے پیارے جوں اور پیے پھول جگنوؤ! "شعر محل" اس مرتبہ چمک رہا ہے دمک رہا ہے آپ کے جذبوں اور محبتوں سے وطن کے اشعار کی صورت وطن چیز ہی ایسی ہے لہجوں میں مٹھاس اور عقیدت کو بھر دینے والی۔ ہم میں ہمارے ہونے کے احساس کو جگانے والی۔ جب دلوں میں وطن کی محبت جاگزیں ہو تو چہرے روشن بلب کی مانند نظر آتے ہیں۔ آنکھوں میں قندیلیں روشن ہو جاتی ہیں۔ 14 اگست ہمارے پیارے وطن کی سالگرہ ہمارے لہو میں بہت جذبہ حب الوطنی کو اور تیز رواں کر دیتی ہے ہمارے عہدوں میں اور پختگی پیدا کرتی ہے فرینڈز ممبر میں آپ اپنے دوستوں عزیزوں اقارب کو شعر دعاؤں کے پیغامات بھیجیں وہ بے حد خوش ہوں گے۔

خدا کرے میری ارض پاک رانے
وہ فصل گل جیسے اندیشہ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے کھلا رہے صدیوں
یہاں خزاں کو بھی گزرنے کی مجال نہ ہو
سمیعہ عارف - فیصل آباد

خون دل دے کے نکھاریں گے رخ برگ گل
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے
کامران خان جنید - پشاور

ہم سہل انگار سہی مگر کیوں اہل ہوس یہ بھول گئے
یہ خاک وطن ہے جاں اپنی جاں تو سب کو پیاری ہے
ثویہ کنول، صادق آباد

ابھری ہے زمانے میں نئے دن کی کرن دیکھ
مہکا ہے نیا جذبہ تعمیر چمن دیکھ
کر دیں گے قلم ہاتھ جو اٹھیں گے تیری سمت
اے ارض وطن عرض وطن ارض وطن دیکھ
رخشندہ ناز سرور - گوجرانوالہ

بعد اس کے بھی ممکن کہاں شناخت میری
میرا وطن ہے مجھے شجرہ نسب کی طرح
محمد عمر ساہی - گجرات

نہ دھوپ نہ چھاؤں نہ فضا مانگتے ہیں
اے وطن ہم تیرے جینے کی دعا مانگتے ہیں

ہم مانگتے تو نہیں اے خدا زیادہ
بس وطن کی ہر اوجد لا مانگتے ہیں
نور محمد جمالی - ارسته بلوچستان

جا کر کہہ دو مہتاباں سے اپنی کرنیں سنبھال کر رکھے
میں اپنے صحرا کے ہر ذرے کو چمکنا سکھا رہا ہوں
آصف محمود طاہر - قصور

اگر وطن کو ضرورت پڑی تو ہم دیں گے
لہو کا تیل چراغوں میں ڈالنے کے لئے
نجم اکبر - فورٹ عباس

میری مٹی نے دیا تھا مجھ کو میرا رنگ روپ
ڈالتی جاتی ہے دنیا اپنی صورت پہ مجھے
میں کہ میری خاک کی نوسے ہوا میرا ظہور
کاش ڈھونڈے میری خاک کے اندر مجھے
فوزیہ کنول، صادق آباد

یہ دھوپ چاندنی ہے، یہ پتھر بھی پھول ہیں
کیا جانے سحر کیا میری خاک وطن میں ہے
شہزاد - کوئٹہ

عشق و آزادی بہار زیست کا سامان ہے
عشق میری جان، آزادی میرا ایمان ہے
عشق پہ کر دوں فدا میں اپنی ساری زندگی
اور آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے
حافظہ خوشبخت منظور - ملتان

آؤ اپنا جسم چن دیں اینٹ پتھر کی طرح
بے در و دیوار ہے لیکن یہ گھر اپنا تو ہے
سید ذوالفقار حسین - جھاوریاں

وطن چمکتے ہوئے کنکروں کا نام نہیں
یہ تیری روح تیرے جسم سے عبادت ہے
شازیہ ولی - ننکانہ صاحب

وطن سے کہیں دور بے کس اسیر
نگہبان سے کہتا تھا وقت اخیر
ذرا چیر کر دیکھ میرا دل
ہے کیا لکھا ہوا دل پہ میرے وطن
رشتہ دیوار و در تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
مت جلا اس کو یہ گھر تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
حافظ صفی - لاہور

ضت سے کوئی شکایت ہے نہ افلاک سے ہے
یہی کیا کم ہے کہ نسبت مجھے اس خاک سے ہے
خواب میں بھی تجھے بھولوں تو روا رکھ مجھ سے
وہ رویہ جو ہوا کا خس و خاشاک سے ہے
فوزیہ صدیق، ملتان

سینچی ہیں دل کے خون سے میں نے کیاریاں
کس کی مجال میرا چمن مجھ سے چھین لے
نوشابہ نوریں - سر رحیم یار خان

جنوں کے بس میں ہے میرا پری جمال وطن
وہ ظلم اس پہ ہوئے ہیں کہ ہے نڈھال وطن
اسے رہائی ملے تو میری رہائی ہو
ازل سے ہے میری صورت، خراب حال وطن
محمد اعجاز فرید - وہاڑی

وہ شہر کے لوگوں کے آگے کہیں مہذب تھا
وہ ایک شخص جو شہروں سے دور بن میں رہا
چراغ جلتے رہے اور خواب جلتے رہے
عجیب طرز کا موسم میرے وطن میں رہا
سرفراز نواز گل - فیصل آباد

پوچھو کیا علم والے اور بلا علم والے برابر ہوتے ہیں۔ (القرآن)

ایسی تحریریں قسمت سے ہی پڑھنے کو ملتی ہیں

جس کی ہمت کم پڑ جاتی ہے اس کا مرتبہ کم ہو جاتا ہے اپنے وقت کے مایہ ناز استاد کی وصیت اپنے قابل قدر شاگرد کے نام

مرسلہ :۔ نسرین۔۔۔ دیوالی میانوالی

1-تب گفتگو کم کرنا جب سلطان حاشیہ نشینوں میں گھرا ہو

سلاطین کے پاس بہت کم آمد و رفت رکھنا ان سے ہر وقت اس طرح پر خطر رہنا جس طرح آدمی آگ سے پر خطر رہتا ہے۔ جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو دربار شاہی میں نہ جانا کیونکہ اس طرح اپنا اعزاز و اکرام قائم رہتا ہے اور اس لئے بھی کہ سلطان اپنے مقابلے میں ہر شخص کو بے حقیقت سمجھتا ہے۔ جب سلطان اپنے حاشیہ نشینوں میں بیٹھا ہو تو اس وقت اس سے زیادہ گفتگو نہ کرنی چاہئے۔ ایسے موقع پر وہ اپنے علم و فضل کا سکہ جمانے اور تمہیں نیچا دکھانے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح تم لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو جاؤ گے۔

2-پہلے تقرر کا مقصد پوچھ لو

اگر سلطان تمہیں قاضی مقرر کرنا چاہے تو پہلے دریافت کر لو کہ وہ تمہارے فقہی مسلک اور طریقہ اجتہاد سے واقف ہے یا نہیں ایسا نہ ہو کہ حکومت کے دباؤ سے تم اپنے فیصلے کے خلاف عمل کرنے پر مجبور ہو جاؤ پھر یہ بھی معلوم کر لو کہ تمہارے اس تقرر کی تہہ میں کیا مقصد کار فرما ہے تمہارے علم و فضل سے کچھ استفادہ یا کچھ اور ؟

3-وزراء اور حاشیہ نشینوں سے تعلقات مت قائم کرنا

سلطان کے وزراء اور اس کے حاشیہ نشینوں سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش نہ کرنا صرف سلطان سے تعلقات رکھنا۔ اس میں بھی خود پیش قدمی نہ کرنا اس لئے کہ جب خود پیش قدمی کرو گے تو وہ تمہیں اپنے اغراض کا آلہ کار بنائے گا۔ تم آلہ کار بن گئے تو تمہیں ذلیل و رسوا کرے گا۔ ہر کام میں تمہارے کیڑے نکالے گا۔

4-اظہار حق میں کسی کی پروا نہ کرنا

اظہار حق میں کسی کی پروا نہ کرنا خواہ وہ سلطان ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی محض دین میں کسی بدعت کا موجد ہو رہا ہو تو اعلانیہ اس کی غلطی بیان کر دینا۔ خواہ وہ شخص کتنے ہی جاہ و جلال کا مالک ہو کیونکہ اظہار حق میں خدا تعالیٰ تمہارا مددگار ہو گا اور اپنے دین کا محافظ اور وحامی بھی۔ اگر تم ایسا کرو گے تو لوگوں کو دین میں رخنہ اندازی کی جرات نہ ہو گی اور وہ تمہارے اظہار حق سے بھی خائف رہیں گے۔ خود بادشاہ سے کوئی نامناسب اور دین کے خلاف حرکت صادر ہو تو صاف کہہ دینا کہ عہدہ قضا کے لحاظ سے میں آپ کا مطیع ہوں لیکن کسی غلطی پر آپ کو مطلع کرنا میرا فرض ہے۔

5-جب تک لوگ لام نہ مائیں آگے نہ مرھو

اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہو۔ علم کی نگہداشت رکھو دنیا کو بالکل حقیر سمجھو، دنیا کے کسی کام میں مطمئن ہو کر نہ لگ جاؤ اللہ کے یہاں تمام باتوں کی باز پرس ہو گی، اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو عبادت اتنی ہی کرو جتنی عام لوگ کرتے ہیں ہمیشہ تلاوت قرآن پاک کرتے رہو جب تک لوگ تم کو لام نہ مائیں آگے نہ مرھو۔ ہر مہینے میں دو چار دن روزے کے لئے مقرر کر لو زیارت قبور کی عادت ڈالو ہمیشہ موت کو یاد رکھو۔

6-انسانوں کا تذکرہ بھلائی سے

جو لوگ اپنی خواہشات کے بندے ہو چکے ہیں۔ ان سے ربط ضبط مگر تبلیغ اور دعوت دین کی غرض سے ان سے ملنا یا تعلق قائم کرنا مناسب ہے۔ کسی پر لعن طعن نہ کرو۔ کسی انسان میں اپنی طرف سے رائی دیکھو تو اس کے لئے بھلائی چاہو اور بھلائی کے ساتھ اس کا تذکرہ کرو البتہ یہ رائی دین کے بارے میں ہے تو لوگوں سے اس کا تذکرہ کرو تاکہ لوگ اس کی اتباع نہ کریں اور اس سے محفوظ رہ سکیں۔

7-دولت مندوں سے کم میل جول رکھنا

تجارت اور کاروباری معاملات کے بارے میں زیادہ گفتگو نہ کرو ورنہ لوگوں کو خیال ہو گا کہ تم مال کے حریص ہو اور یہ بھی گمان ہو گا کہ تم رشوت لیتے ہو۔ عام آدمیوں بالخصوص دولت مندوں سے کم میل جول رکھنا ورنہ وہ سمجھیں گے کہ تم ان سے کچھ توقع رکھتے ہو۔

8-گفتگو میں سختی نہ کرنا

گفتگو میں سختی نہ کرنا اور درشتی بھی نہ ہو اور نہ ہی کبھی بلند آواز میں بات کرنا بلکہ متانت و وقار پیش نظر رہے۔ لہو و لعب سے پرہیز کرو لوگوں کے راز افشا نہ کرو۔ کوئی تم سے مشورہ کرے تو اپنی معلومات کے مطابق بتانے میں کوتاہی نہ کرو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ سے تقرب حاصل ہو گا۔ اپنے ہمسائے کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو اس لئے کہ یہ لعنت ہے۔

9-محل سے دور رہو

محل سے پرہیز کرو حریص نہ ہو اور نہ کبھی جھوٹ بولو بازاری لوگوں کی صحبت اختیار نہ کرو۔ ہر معاملے میں اپنی عزت اور وقار کا خیال رکھو ہمیشہ قلب میں استحضار رکھو۔ دنیا کی طمع و رغبت بالکل نہ کرو خواہ تم مفلس ہی کیوں نہ ہو۔

10-ہمت و جرات

ہر معاملے میں ہمت و جرات سے کام لو اس لئے کہ جس کی ہمت کم ہو جاتی ہے اس کا رتبہ بھی گر جاتا ہے۔

یہ وصیت نامہ امام ابو حنیفہ نے اپنے مایہ ناز شاگرد امام ابو یوسف کو لکھا تھا

PHOOL DAWN BREAD QUIZ

پھول ساتھیو! سدا خوش رہیں اور پھول انعامی سلسلوں میں حصہ لیکر قسمت کو آزماتے رہیں۔ پھول ڈان بریڈ انعامی مقابلہ میں جن ساتھیوں کے انعامات نکلے ہیں انہیں پھول کی جانب سے مبارکباد۔

انعامات کی تفصیل!

سکول بیگ

1- مغیرہ عصمت ف گوجرانوالہ 2- قرۃ العین لاہور
3-ماریہ رضا منڈی بہاؤالدین

تین کرکٹ سوٹ

1- حسین ایوب باجوہ لاہور 2-وقاص جہانگیر لاہور
3- محمد لویس ملک لاہور

تین ٹریول کٹس

1- ثمر کبیر منڈی مرید کے 2-راسل غفار لاہور
3-ہارون رشید لاہور

پندرہ پنسل بکس

1- محمد احسن ف لاہور 2- محمد عمر اسلام سانده لاہور
3- محمد لویس جاوید مصری شاہ لاہور 4-یاسر منظور ترک راولپنڈی 5- مدثر حسن ڈیرہ غازی خاں 6- محمد عدنان خبیر نارووال 7-ناہید اختر لاہور 8-ریحانہ کوثر ماتلی بدین سندھ 9-ثناء حنیف جڑانوالہ 10-ربعہ ف لاہور 11-صباء فردوس لاہور
12-طیبہ حیات اٹک 13- ثناء اختر لاہور 14-زینیرہ کفیل خانیوال 15- محمد رضا لاہور

2 وال کلاک

1-ملک فریال احسان سیالکوٹ 2-غلام مصر لاہور

ایک جوسر۔۔۔ عثمان جاوید خان لاہور

ایک ٹوسٹر۔۔۔ فائزہ اسلم پولیس لائن گجرات

اس ماہ قرعہ اندازی کرنل حیات نے کی۔

ایسا ٹیچر جو ○○○

زاہدہ پروین۔۔ بہاولپور

کل جو موسلادھار بارش ہوئی تھی اس کی وجہ سے آج موسم بہت خوشگوار تھا۔ اسی لئے میں نے سٹاف روم کی بجائے باہر لان میں چائے پینے کو ترجیح دی۔ چائے کا کپ اٹھائے میں اکیلا ہی بنچ پر بیٹھا تھا کہ میرے کانوں میں دو بچوں کے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ وہ میری موجودگی سے بے خبر خوش گپیوں میں مصروف تھے میں نے گردن گھما کر انہیں دیکھا لیکن پہچان نہ سکا کیونکہ ان کی پشت میری طرف تھی۔ "تمہیں پتہ ہے کہ اللہ میاں نے کہا ہے کہ امی ابو کے لئے ضروری ہے کہ وہ سب بچوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کریں" ایک بچہ بولا

"کل میرے ابو ٹافیاں لائے تھے اور ہم سب کو دو دو دی تھیں' دانش نے اور لینے کی ضد کی تو ابو نے اسے یہی بات سمجھائی" دوسرے کی آواز آئی۔ "یہی بات کل اسلامیات کے ٹیچر نے بھی تو بتائی تھی" ہاں یاد ہے۔ اس کے کچھ دیر بعد خاموشی رہی پھر ایک بچہ بولا "سنو! ٹیچر بھی تو ابو کی طرح ہوتے ہیں نا" "بالکل۔ اور ہم سب سٹوڈنٹس بچوں کی طرح" دوسرے بچے نے پرزور تائید کی۔ "انہیں بھی سب کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کرنا چاہئے....." انہوں نے اور کیا باتیں کیں میں کچھ نہ سن سکا' میرے سارے وجود میں اسی ایک جملے کی بازگشت تھی "ایک جیسا برتاؤ..... سب کے ساتھ ..... ایک جیسا برتاؤ"

بہت سال پہلے میں نے بھی اپنی حساب کی کاپی میز پر پٹختے ہوئے یہی جملہ کہا تھا۔ "انہیں سب کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کرنا چاہئے" اس دن پھر امی ابو کے درمیان تلخ کلامی ہوئی تھی میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی بلکہ اب تو مجھے عادی ہو جانا چاہئے تھا لیکن نہیں' ہر دفعہ جب بھی یہ نوبت آئی تو میری وہی کیفیت ہوتی جو پہلی دفعہ تھی میں اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے ایک کونے میں دبک جاتا اور اپنے ٹیڈی بیئر کو گود میں لیکر روتا رہتا' بے آواز..... چپکے چپکے اگلے دن حساب کا ٹیسٹ تھا میں اس ٹیسٹ میں بہت اچھے نمبر لینا چاہتا تھا ویسے بھی حساب میرا پسندیدہ مضمون تھا ابھی میں نے کتاب کھولی ہی تھی کہ..... وہی ہوا جو اکثر گھر میں ہوتا رہتا تھا اور میرا سارا دن اسی کونے میں اپنے ٹیڈی بیئر کے ساتھ آنسو بہاتے گزرا۔ امی ابو مجھے بالکل ہی نظر انداز کر دیتے تھے میں جو ان کی اکلوتی اولاد تھی! اگلے دن ٹیسٹ ہوا اور وہی ہوا جو بغیر تیاری ٹیسٹ دینے پہ ہوتا ہے میں بری طرح فیل ہو گیا سر نے کلاس روم ہی میں سب کی کاپیاں واپس کیں اور ساتھ ہی حکم دیا کہ جو جو فیل ہیں وہ کھڑے ہو جائیں میں تو جو کھڑا ہوا سو ہوا حیرت تو مجھے تب ہوئی جب عمر بھی کھڑا ہوا جو کلاس کا لائق ترین اسٹوڈنٹ تھا اور ..... ہر ٹیچر کا چہیتا بھی جس سے مجھے ہمیشہ چڑ رہی تھی حالانکہ اس کا رویہ میرے ساتھ بہت دوستانہ ہوتا سر کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا اور چہرے پہ غصہ۔ وہ ہر اس لڑکے کے پاس جاتے جو فیل ہوا تھا اور اس کے نمبروں کے لحاظ سے ہاتھوں پر ڈنڈے مارتے جاتے ایک دو لڑکوں نے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی لیکن سر نے انہیں موقع نہ دیا سر جب عمر کے پاس پہنچے تو ان کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ "عمر! کیا وجہ ہے' اتنے کم نمبر لئے تم نے" "سر کل میرے سر میں بہت درد تھا میں ٹیسٹ کی تیاری نہ کر سکا" اور سر نے اسے کچھ کہے بغیر بٹھا دیا۔

"میں بھی سر کو بتا دوں گا کہ میں کیوں ٹیسٹ کی تیاری نہیں کر سکا" میں نے سر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر سوچا اور مطمئن ہو گیا لیکن سر نے مجھ سے پوچھا ہی کب؟ انہوں نے میرے نمبر دیکھ کر مجھے کلاس کا نالائق ترین طالب علم ہونے کا لقب عطا اور خوب زور سے مارا میں کچھ بھی نہ کر سکا۔

لیکن سر کے اس رویے پہ میں بہت رویا سکول میں بھی اور گھر آ کر بھی "سر مجھ سے پوچھتے تو..... میں انہیں وجہ بتا دیتا سچ مچ" میں نے تکیے کو آنسوؤں سے بھگوتے ہوئے سوچا' سر کو تو چاہئے کہ مجھے زیادہ ٹائم دیں مجھے زیادہ توجہ چاہئے میں پیار کا زیادہ حقدار ہوں' سر..... سر..... آپ میرے پرابلمز تو سنیں سر پلیز۔ سر آپ نے بہت غلط کیا..... بہت غلط' عمر کی بات سن لی۔ میری کیوں نہیں؟ یہی سوچتے بڑبڑاتے میری آنکھ لگ گئی۔ اگلے ہفتے پھر حساب کا ٹیسٹ تھا اور شکر ہے کہ اس پورے ہفتے گھر کا ماحول نارمل ہی رہا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے ٹیسٹ میں پہلے سے کافی بہتر نمبر لئے سر ہر لڑکے کا نام پکارتے پھر اس کے نمبر بتا کر کاپی اس کے حوالے کر دیتے عمر نے سب سے زیادہ نمبر لئے تھے اور سر نے اسے کمر پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "شاباش عمر' اسی طرح محنت جاری رکھو' انشاء اللہ بورڈ میں پوزیشن حاصل کرو گے" محنت تو میں نے بھی کی تھی اور مجھے یقین تھا کہ سر میری بھی تعریف کریں گے زیادہ نہ سہی تھوڑی سی سر نے جب میرا نام پکارا تو میں بہت اعتماد سے چلتا ہوا سر کے پاس گیا سر نے حیرت سے پہلے میری کاپی کو اور پھر مجھے دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولے "کمال ہے! اتنے سارے نمبر..... اور کاپی مجھے پکڑا دی پتہ نہیں سر کی مسکراہٹ اور الفاظ میں طنز تھا یا استہزاء بہر حال وہ تعریف نہیں تھی۔ اس واقعہ سے میں بہت دلبرداشتہ ہوا اور عمر..... عمر..... پہ مجھے خوامخواہ غصہ آنے لگا اسے دیکھ میرا موڈ آف ہو جاتا "ہونہہ سر کا لاڈلا" میں سوچتا سر ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کیا میں بہت برا ہوں؟ بتاؤ نا! اپنے کمرے میں دروازہ بند کئے میں اپنے اکلوتے دوست "ٹیڈی بیئر" سے اکثر سوال کرتا۔ سر عمر کی اتنی تعریف کیوں کرتے ہیں۔ میری کیوں نہیں۔

تم عمر جیسے کیوں نہیں بن جاتے؟ کسی نے میرے اندر سے کہا۔ "ہوں..... میں چونکا' واقعی اگر میں بھی عمر جیسا ہو جاؤں تو سب میری بھی تعریف کریں گے اور میں نے ارادہ کیا کہ اگلے سے ہر بات میں عمر کی نقل کروں گا۔ یہ میرا اپنے آپ

سے وعدہ تھا۔ میں بہت کم گو' ایک لاہوری شخصیت کا مالک اور اپنی ذات کے خول میں بند رہنے والا لڑکا تھا اگلے دن سکول میں جو پہلی بات میں نے نوٹ کی وہ یہ کہ عمر ہر لڑکے سے مسکرا کر ملتا اور گرم جوشی سے ہاتھ ملاتا مجھے یہ کام کچھ مشکل لگا مگر بہر حال اپنے آپ سے کئے گئے عہد کو پورا کرنے کے لئے مجھے اپنی ذات کے خود ساختہ خول سے باہر آنا ہی پڑا اور اس کا جواب کچھ نے مسکرا کر اور کچھ نے حیرت سے دیا فرخ نے تو مذاق اڑانے کے سے انداز میں کہا "ذرا دیکھنا آج سورج کہاں سے نکلا ہے؟" بہر حال مجھے اپنے آپ میں ایک خوشگوار تبدیلی کا احساس ہوا۔ کلاس میں میں نے عمر سے درخواست کی کہ کیا میں اس کے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں کیونکہ اس دن اس کا دوست انور غیر حاضر تھا۔ "ضرور کیوں نہیں" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ حساب کے سر' سر جاوید ہی ہمارے کلاس ٹیچر بھی تھے۔ حاضری لگانے کے بعد انہوں نے پوری کلاس کو نصیحت کی کہ چونکہ ہم پانچویں جماعت میں ہیں اور اس دفعہ ہمارے بورڈ کے امتحان ہوں گے اس لئے ہمیں زیادہ سے زیادہ محنت کرنا ہو گی تاکہ وظیفہ حاصل کر سکیں۔ کون کون وظیفہ حاصل کرنے کا خواہشمند ہے۔ کسی خیال کے تحت اچانک ہی سر نے سوال کیا اور ساری کلاس کے ساتھ میرا ہاتھ بھی کھڑا ہو گیا سر نے کلاس پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور پھر بولے۔

"اس بات کی تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ عمر' حارث' ہادی' مجمل اور محسن پوزیشن نہ سہی تو وظیفہ تو ضرور حاصل کریں گے" سر نے میرا نام کیوں نہیں لیا؟ میں نے غصے سے سوچا حالانکہ اس ایک فضول ٹیسٹ کے بعد میرے سارے ٹیسٹ سلی خشی ہوئے تھے۔ سر! آپ کو سمجھ نہیں آتی میں نے مٹھیاں بھینچیں۔ میں نے بہت دفعہ کوشش کی کہ سر کو اپنا مسئلہ بتاؤں ان سے درخواست کروں کہ وہ میرے امی ابو کو سمجھائیں میری مدد کریں مگر مجھے کبھی بھی ان کا رویہ (اپنے ساتھ) تنا دوستانہ نہ لگا کہ میں کچھ کہنے کی ہمت کرتا جبکہ عمر (کہ میں ہر بات میں عمر ہی سے اپنا موازنہ کرتا تھا) ہاں عمر وہ ہر ہر بات سر سے کہہ سکتا تھا شاید میں ہی بزدل تھا یا شاید بد ھو..... اس دن سر پتہ نہیں کس موڈ میں تھے کہ کہنے لگے "آج مجھے بتائیں کہ آپ بڑے ہو کر کیا بنیں گے" جواب میں سب بول اٹھے ہر ایک کی کوشش تھی کہ پہلے سر اس کی بات سنیں' ایک شور مچ گیا' سر نے سب کو خاموش کروایا' بھئی ایسے نہیں باری باری بتائیں چلیں انور پہلے آپ بتائیں۔ "سر میں آرمی جوائن کروں گا" اس نے اٹھتے ہوئے جواب دیا "بہت اچھی بات ہے اور عمر آپ" سر نے عمر سے پوچھا۔ "ڈاکٹر..... اور پھر پائلٹ' انجینئر' کھلاڑی' وکیل' کمانڈو وغیرہ جیسے بہت سے جوابات آئے۔ میں تو تب چونکا جب سر نے میرا نام پکارا "جی انس..... آپ کیا بنیں گے"

میں گڑبڑا گیا سر میں..... میں نے کچھ سوچا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ سر پتہ نہیں' میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ سب لڑکوں کے ساتھ ساتھ سر بھی ہنس پڑے میں نے غصے سے کلاس کی طرف دیکھا اور ایک عزم سے سر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "سر میں آپ کو جلد ہی بتا دوں گا" اسی دن سائنس کے سر نے Viva ٹیسٹ کی خوشخبری سنائی جو دو دن بعد ہونا تھا اس ٹیسٹ میں ہر اسٹوڈنٹ باری باری سر کے پاس جاتا سر اس سے مختصر سوالات پوچھتے اور اسی وقت نمبر لگا دیتے سائنس کے سر مجھے نسبتاً اچھے لگتے تھے اس لئے کہ میں نے ٹیسٹ کی بہت اچھی تیاری کی باوجود اس کے کہ امی ابو میں لڑائی بھی ہوئی (میں بدل رہا تھا نا!) لاشعوری طور پر میں عمر سے بہتر کارکردگی دکھانے کا خواہشمند تھا۔ لیکن جس دن ٹیسٹ تھا تو سائنس کے سر کی بجائے سر جاوید کلاس میں آئے اور بولے۔

"آپ لوگوں کا Viva میں لوں گا کیونکہ سر افتخار کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ گھر چلے گئے ہیں" "لیکن سر آپ تو حساب کے ٹیچر ہیں اور ٹیسٹ تو سائنس کا ہے" ایک لڑکے نے اعتراض کیا "بھئی اتنی سائنس تو مجھے بھی آتی ہے" انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اگلی قطار میں بیٹھے پہلے لڑکے کو بلا کر viva شروع کیا۔ سر نے عمر سے کافی سوال پوچھے اور اس نے سب کا جواب دیا اور ظاہر ہے اسے نمبر بھی اچھے ملے مجھے بھی وہ سب سوال آتے تھے میں سر کے پاس گیا تو بہت پر اعتماد تھا سر مجھ سے پورے کا پورا Chapter بھی سن لیتے تو میں سنا سکتا تھا مگر سر نے صرف دو سوال پوچھے۔ صرف دو سوال: اور وہ بھی اتنے آسان کہ نالائق سے نالائق لڑکے کو بھی آتے ہوں گے' اور بس..... مجھے جانے کا اشارہ کر دیا "It is nor fair" میں آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو پیتے ہوئے بڑبڑایا اور اپنی سیٹ پہ بیٹھ گیا۔ اس دن میں پھر بہت رویا تھا میں اندر سے کچھ ٹوٹ سا گیا تھا۔ میں نے ہمیشہ ٹیچرز کا بہت احترام کیا تھا پچھلے سکول میں کبھی میری ایسی کیفیت نہیں ہوئی تھی مگر اب..... اب میرا دل ٹیچرز کے لئے ان جذبات سے خالی تھا بالکل خالی

رو دھو کر فارغ ہوا تو ہوم ورک کرنے بیٹھا حساب کی کاپی کھولی تو کچھ دن پہلے کلاس میں پوچھا گیا سر کا سوال یاد آ گیا "آپ بڑے ہو کر کیا بنیں گے" "میں..... میں نے کچھ سوچا اور اسی کاپی سے صفحہ پھاڑ کر لکھنا شروع کیا۔ "میں بڑا ہو کر ٹیچر بنوں گا..... ایسا ٹیچر جو سب طالب علموں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرے' اس کا رویہ سب کے ساتھ دوستانہ ہو جس کی کلاس میں کوئی عمر نہ ہو اور نہ ہی اس کے رویے کی وجہ سے کوئی نیا انس پیدا ہو جس کے شاگرد اپنا کوئی بھی مسئلہ اس سے ڈسکس کرنے میں نہ جھجکیں جو اپنے ہر ہر شاگرد سے واقف ہو ایسا ٹیچر جو سب کی حوصلہ افزائی کرے جو کسی شاگرد کا مذاق نہ اڑائے' جو سب سے ایک جیسا Viva لے سب کو ایک جیسی اہمیت دے جو اس شاگرد کو زیادہ توجہ دے جو پڑھائی میں کمزور ہو..... سر جاوید! میں آپ جیسا ٹیچر نہیں بنوں گا۔ میں نے حتی المقدور اپنی ذہنی کشمکش کو مہذب انداز میں سر جاوید تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اگلا دن سکول میں ہمارا آخری دن تھا کیونکہ چھ دن بعد پیپرز شروع ہونے والے تھے اور امتحانی سنٹر ہمارا سکول نہیں تھا۔ چھٹی کے وقت میں نے وہ صفحہ سر جاوید کے حوالے کیا اور مطمئن ہو گیا۔ اسی دن ابو سرکاری دورے پہ دو ہفتے کے لئے کراچی چلے گئے میں نے اندر ہی اندر شکر کیا کہ جب تک میرے امتحان ہوں گے گھر میں سکون رہے گا سر جاوید اور عمر..... سب کچھ بھلا کر دل و جان سے میں امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گیا' امی نے بھی بہت مدد کی مجھے تو بس ایک ہی دھن تھی بورڈ میں پوزیشن لینی ہے' میں نے خلوص دل سے اللہ میاں سے بہت ساری دعائیں مانگی تھیں۔

پیپرز ختم ہوئے اور پھر رزلٹ آ گیا اس دن امی' ابو بہت خوش تھے اور میں..... میرے تو پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ آخر بورڈ میں دوسری پوزیشن حاصل کی تھی۔ اسی خوشی میں امی' ابو نے بہت بڑی پارٹی کا اہتمام کیا جس میں میرے سارے کلاس فیلوز اور ٹیچرز کو بلایا سر جاوید کو بھی۔ سب نے تحائف کے ساتھ گرم جوشی سے مبارک باد دی۔ سر جاوید سب سے آخر میں آئے اور سب سے پہلے میں نے ہی انہیں دیکھا بھاگتا ہوا ان کی طرف گیا اور مسکراتے ہوئے سلام کیا سر نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا اور میرا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے ایک خوبصورت گفٹ پیک میری طرف بڑھا دیا۔ "مبارک ہو" "تھینک یو سر" میں منمنایا "ایک اور بات بتاؤں" سر ایک دم سے سنجیدہ ہو گئے۔ میرا دل زور سے دھڑکا اور میں سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا' میں نے اپنے آپ کو بدلنے کا فیصلہ کیا ہے اب میں ایک ایسا ٹیچر بن کر دکھاؤں گا..... ایسا ٹیچر..... سر نے کچھ بھولنے کی ایکٹنگ کی اور اپنی جیبیں ٹٹولنے لگے آخر ایک جیب سے تہہ شدہ کاغذ نکالا اسے کھولا اور سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا "ہاں تو..... ایسا ٹیچر جو سب طالب علموں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرے اس کا رویہ سب کے ساتھ دوستانہ ہو جس کی کلاس میں کوئی عمر..... میں نے جھینپتے ہوئے ان کے ہاتھ سے وہ صفحہ چھین لیا جس سے دیکھ کر وہ یہ سب باتیں پڑھ رہے تھے۔ یہ وہ صفحہ تھا جو میں نے آخری دن سر کو دیا تھا "انس..... بیٹا تم نے بہت اچھا کیا یہ سب کچھ لکھ کر' مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ میں بدانستگی میں کتنی غلط حرکت کر رہا تھا تھینک یو انس انہوں نے میرا گال تھپتھپایا۔ "سر..... یو آر گریٹ" میں کچھ اور نہ کہہ سکا۔ "تم ضرور ٹیچر بنا' ایسا ٹیچر جو..... اور سر نے ہنستے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی میں بھی ہنس پڑا۔ میں نے محنت کو اپنا وطیرہ بنایا' اپنا مقصد نگاہ میں رکھا ہر امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی اور الحمد اللہ آج میں شہر کے بہترین سکول میں ایک ٹیچر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہوں ایسا ٹیچر جو..... اب کیا کہوں آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے۔

انعامی خط۔۔1

سب سے پہلے "کرنیں" پڑھ کر من کو اجلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ "اولاد یہ" میں خوف کا ذکر تھا۔ واقعی انسانی زندگی کا ہر لمحہ خوف کے سائے میں گزر رہا ہے۔ ہم (جو کہ مسلمان ہیں) خدا کے سوا ہر چیز سے ڈرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے اعمال کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے موت سے بھی خوف کھانے لگے ہیں۔ اللہ اللہ کیسے مسلمان ہیں ہم۔ اس موضوع پر مجھے ایک قطعہ یاد آرہا ہے۔ آپ بھی پڑھئے (جی ہاں!! خط میں جو لکھ رہے ہیں۔ قول شاعر:۔

یہ کیسا خوف تھا رخت سفر بھی بھول گئے
وہ کون لوگ تھے جو اپنے گھر بھی بھول گئے
یہ کیسی قوت پرواز ڈر نے پیدا کی
پرندے اڑتے ہوئے اپنے پر بھی بھول گئے

حالانکہ کسی چیز کا ڈر یا خوف رکھنا (سوائے اللہ کے مسلمان قوم کا شیوہ نہیں۔ "منتظر چہرے" میں بھی خوف خدا کو بھول جانے والوں کا تذکرہ تھا۔ بعد میں ان گمراہوں کو ہدایت بھی مل گئی۔ یہ اللہ کا ان پر کرم تھا۔ نہ کہ انکی اپنی کوئی نیکی یا اچھائی۔ کہانی "ثبوت" پرانے آئیڈیے کی کہانی تھی۔ کوئی نیا سبق یا نتیجہ نہ تھا۔ کوئی انفرادیت نہیں تھی۔ البتہ لفظوں کا ہیر پھیر مختلف تھا۔ شاہدہ تو ایک نیا جہاں لگانے میں مصروف نظر آرہی تھی۔ "کیا میں ریکارڈ کرتا ہوں" کہانی پڑھی تو یوں لگا جیسے یہ میری اپنی کہانی دہرائی جارہی ہو۔ بیان کی جارہی ہو۔ آپ سوچ رہے ہونگے کہ بھلا وہ کیسے؟؟؟ وہ ایسے کہ تقریباً تین ماہ پہلے تک میں اور میری دو عدد کزنز گھر میں سارا دن فارغ رہتی تھیں۔ ہم چونکہ دیہات میں رہتے ہیں تو گھریلو کام کاج کے علاوہ اور کوئی مصروفیت نہ تھی۔ اس دیہات میں رہتے ہوئے ہم نے محسوس کیا کہ بہت سی چیاں مختلف وجوہات کی بناء پر تعلیم سے محروم ہیں۔ لہٰذا ہم نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے اپنے گھر کے ایک کمرے کو سکول کا نام دے کر "تعلیم بالغاں" کی طرز پر پانچ سے بارہ تیرہ سال کی بچیوں کو تعلیم دینا یعنی پڑھانا شروع کر دیا ہے۔ ماشاء اللہ بچیاں ذہین ہیں اور پڑھنے کا شوق رکھتی ہیں۔ اور ہم بھی محنت، لگن اور پیار سے انہیں پڑھا رہی ہیں۔ جس میں ہمیں ابتدائی کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔ "اپنی مدد آپ" کے تحت دوست احباب اور چند ایک معزز خواتین نے ہماری مدد کی ہے۔ ہمیں قاعدے، تختیاں اور سیاہی وغیرہ دی ہیں۔ جس پر ہم ان کے شکر گزار ہیں..... بھئی!! یہ ہے ہماری کہانی۔ "انگلی ریک" اور "ڈراپ سین" دلچسپ "آپ بیتیاں" تھیں۔ "شکایت کیوں نہیں کی" اس کی مجھے "سمجھ کیوں نہیں آئی"۔ آخر کو کہانی جو "ایویں" سی تھی۔ ہمارے بزرگ، ہمارے محسن..... حضرت اکبر آلہ آبادی کے حالات زندگی پڑھ کر ہمارے جذبوں اور ولولوں میں دوگنی طاقت بھر گئی۔ ان کے بیماری والے واقعے نے ہمیں بھی 1860ء کے زمانے میں لے جا کر حیران و پریشان کر دیا۔ ہم تصور کی آنکھ سے واقعہ دیکھ کر مبہوت رہ گئے۔ واقعی وہی لوگ، عظیم لوگ کہلانے کے صحیح حقدار ہیں۔ اگر یہ سلسلہ ہے تو پھر اسے ضرور جاری رکھیں۔ اسے میری گزارش اور خواہش سمجھ کر قبول کریں۔" کے ایل نیشنل میوزیم" پڑھ کر معلومات کے ذخیرہ میں اضافہ کیا۔ "سپورٹس ٹائم" میں "تصویری جمہوریت" تھی جبکہ خبروں اور نیوز میں ایک کے علاوہ باقی "کرکٹ اور کرکٹرز" چھائے ہوئے تھے۔ اس سال کی گریٹنگ کارڈ کا اندازہ تو ہمیں صفحات دیکھ کر ہو گیا اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ آپ لوگوں نے بہت انجوائے بھی کیا۔ جہاں ڈھیروں پیارے پیارے لوگ ہوں، پیار کے لمحے ہوں، پیار بھری باتیں ہوں تو وہ گریٹنگ کارڈ ہی ہوگی۔ یہ کیا بھیا! جب سلسلہ "ایڈیٹری ایک دن کی" تھا جو تو صرف ایک ہی "وعدہ یا" ہدی" آیا کرتے تھے۔ Change لاتے ہوئے جیسے ہی "ہاؤس فل" کا سلسلہ شروع کیا ہے تو فلاور زاپنے پورے "نہر" کیساتھ ہی ایڈیٹری کیلئے آجاتے ہیں۔ کیا ایسی کوئی پابندی نہیں۔

"ولو کیلاب ہے" میں "آسیہ کنول" کی جائے "عمر سیاہی" آموجود ہوئے ہیں۔ Well Come بھیا۔ "ہیڈ ٹائم سٹوری" میں حکیم صاحب نے جو آپ کو "نسخہ" دیا اس کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ اسے آپ "رات کو سونے کے بعد اور صبح اٹھنے سے پہلے" استعمال کریں۔ دوائی کی تعریف میں یہ بھی نہ کہا کہ یہ آپ کو اس حد تک سمارٹ کر دے گی کہ گھر والے آپ کو "آندھی" کے موسم میں بالکل باہر نہیں نکلنے دیں گے۔ نیند بہت آرہی تھی بہت کر لیا تبصرہ۔ اور ہاں تو ساتھیو "آپ کو پورا" بھیا آپ کو اور پوری پاکستانی قوم کو "جشن آزادی" مبارک ہو۔ جشن آزادی کی تیاریاں بھی خوب ہو رہی ہیں۔ اس دن کو محض قومی دن سمجھ کر، واقعات دہرا کر، قائدین اور شہیدوں کو خراج تحسین پیش کر کے، جھنڈیوں اور پرچموں سے گلستان چمن کو سجا کر چراغاں کر کے نہ گزار دینا چاہئے بلکہ اس دن کے کچھ تقاضے ہیں۔ اس دن کا ہم پر کچھ قرض ہے۔ یہ دن آپ سے، ہم سے بلکہ پوری قوم سے کچھ مطالبہ کرتا ہے۔ اسلئے اس دن کو اپنا اپنا احتساب کیجئے اور مادر وطن سے تجدید عہد کیجئے کہ ملک کی ہر آواز پر سروں پر کفن باندھ کے لبیک کہیں گے۔ ہماری خواہش ہے کہ کشمیری بھی ہمارے ساتھ اپنی آزادی، سلامتی اور بقاء کا جشن منائیں۔ آمین۔ فاطمہ۔ وہاڑی)

انعامی خط۔۔2

اپنی خبر بھی میں آپ کو بتاؤں گی لیکن ٹائٹل پر تبصرہ کرنے کے بعد۔ ٹائٹل بہت زبردست تھا۔ یہ ایک جی نہیں اس جیسے کئی اور بھی ہوں گے جن کے سروں پر سے ظلم کی اس چبتی دھوپ میں محبت اور ٹھنڈک کا سائبان اٹھ گیا ہو۔ آزادی کی قیمت بھی تو دینی پڑتی ہے۔ اتنا عرصہ گزر گیا کشمیری مسلمانوں کو قربانیاں دیتے، صبر کرتے، ظلم کو برداشت کرتے آخر کبھی تو ان کا لہو رنگ لائے گا۔ ہم جو آزاد فضا میں بس رہے ہیں اپنے بہن بھائیوں کی حالت پر کڑھنے اور اللہ کے حضور دعائیں کرنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتے ہیں۔ جب لاتعداد قربانیاں، دعائیں، صبر اور نیک جذبہ یکجا ہو جاتے تو پھر غلامی کی زنجیریں کٹتے، ظلم کے بادل چھٹتے اور خوبصورت صبح طلوع ہوتے دیر نہیں لگتی۔ خدائے باری تعالیٰ بھی وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ یہ تو ہے کہ اللہ ظلم کی رسی دراز کر دیتا ہے اور اس کے ہاں دیر ہے پھر اندھیر نہیں۔ انشاء اللہ وہ وقت آئے گا جب کشمیری فخر کر سکیں گے کہ ان کی قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں۔ جون کا پورا مہینہ اپنے خط کے بارے میں خوش فہمیوں اور خوش آئند خوابوں کے ساتھ گزارا اور اب یہ دیکھ کر کہ میرا خط تو کیا کسی اور چیز میں بھی ہم نہیں آیا۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ میرا کیا حال ہوا ہوگا۔ میرا تو جو ہونا تھا سو ہوا خط چارے پر پتہ نہیں کیا گزری۔ ردی کی ٹوکری نگل گئی یا پھر ہمارے محکمہ ڈاک کی ذرہ نوازی لے ڈوبی۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ اب گڑے مردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ اب دوبارہ بکھری ہوئی ہمت کو جمع کیا ہے پھر وہی دوبارہ ہونے کا خوف ہے۔ لیکن اولاریہ بھی تو پڑھ لیا ہے۔ یہ سب اسی کے اثر کے نتیجے میں ظاہر ہوا ہے۔ ہر دفعہ ایک نئی اور خوبصورت بات ہوتی ہے اتنے چھوٹے چھوٹے واقعات جنہیں ہم Ignore کر دیتے ہیں۔ آپ بہت خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اب تو ہمارے پاس تعریف کے الفاظ بھی ختم ہوتے جارہے ہیں۔ "کرنیں" پڑھیں اور ان کی روشنی کو دل و دماغ میں اترنے دیا۔ اللہ سے دعا کی کہ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین "منتظر چہرے" بہت اچھی لگی۔ کسی کو کسی کی کوئی پروا نہیں۔ دولت کی ہوس نے لوگوں کو دیوانہ کر رکھا ہے۔ غریبوں کو کوڑا کرکٹ کی طرح غلیظ سمجھا جاتا ہے کیا وہ انسان نہیں ہیں۔ کاش اس کہانی کے End کی طرح ہی ہمارے معاشرے میں بھی ہو جائے کتنا اچھا ہو۔ "بے خبر مائیں" بہت اچھی تحریر تھی۔ اگر ایسی ماؤں کو پتہ ہو کہ شہید کا کیا درجہ ہوتا ہے تو وہ ایسا پیار کبھی نہ کریں جس میں آخرت کو تباہ و برباد کرنے والے ان دیکھے جراثیم ہوں۔ آج کل مرتبہ اور پیسہ ہی معیار بن گیا ہے۔ اسلام سے دوری کا یہ ہی نتیجہ ہے۔ اسی لئے تو مائیں بے خبر ہو جاتی ہیں۔ آج کل کے دور میں تو ایسے لوگ مبارک کے مستحق ہیں جو اپنے بچوں کی اسلامی اصولوں پر تربیت کرتے ہیں۔ "نیا جہاں" اچھی تو تھی لیکن ذرا dramatic سی لگی۔ سب کچھ ایک دم سے ہو گیا۔ باقی کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی سبق تھا۔ "انگلی ریک" نئے سائیکل چلانے والوں کیلئے ایک اہم انفرمیشن لئے ہوئے تھی۔ مزہ آیا پڑھ کر۔ "کیا میں ریکارڈ کرتا ہوں" بہت پسند آئی۔ ایک ان پڑھ لیکن سمجھدار بچے کے اتنے خوبصورت خیالات، جو اپنے گھر والوں کیلئے ایک بڑی قربانی دے رہا ہے۔ حالات بھی انسان کو بہت کچھ سکھا دیتے ہیں۔ "مزے سینگوں والی" بھی بہت زبردست کہانی تھی دل میں ایک درد سا بھر گیا پڑھ کر۔ باقی چھوٹی کہانیاں بھی بہت زیادہ اچھی تھیں۔ اچھا تو بلا دو بلا دو اور سلما آخر کار ختم کر دی گئی۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ End بہت خراب تھا۔ یہ خواہش تو تھی کہ جلد ختم ہو جائے مگر اس طرح نہیں کہ With out an thrilling climax ذرا مزہ نہیں آیا۔ "کنجی کنج کی" پڑھی۔ اچھی لگی۔ میرے خیال میں ڈاکٹر صاحب پہلی ساری بدمزگی کا ازالہ کر دیں گے۔ بہت خوبصورت لکھا تھا۔ "وعدہ" ہر دفعہ ایک نئے سبق کے ساتھ آتی ہے۔ اس دفعہ بھی اچھی لگی۔ کے ایل نیشنل میوزیم کی سیر میں بہت مزہ آیا۔ Skyland کی سیر کی جھلکیاں پڑھیں۔ بہت افسوس ہوا اتنے سارے لوگ گئے، گئے تو ہم نہ گئے۔ اور چاند گود میں آگیا بہت اچھا لگا۔ "یہ کھلاڑی بھی کیا چیز ہیں" اچھا آرٹیکل تھا۔ ہاؤس فل کے شرکاء پر رشک آنے لگا۔ کتنا مزہ آیا تھا نہ انہیں بھیا! ان فروٹی تو بہت خوش گفتار اور خوش اخلاق یقیناً خوش ذائقہ بھی ہوگا۔ "پھول بنا مقبول" میں انعامی خط اچھے تھے۔ خاص کر پہلا خط بہت اچھا تھا۔ اچھا ہوا اپنے "لطیفہ کچھ یوں ہے" بدل دیا۔ اچھا نام ہے۔ غزالہ سعید تو بہت خوش ہوں گی لو جی کما لو جی فرمائش پوری ہوئی۔ ہاں جی اب باری ہے Bed time story کی۔ بہت زیادہ اچھی تھی۔ اور اقوال اخبار نوٹ کر لئے ہیں۔ آخر میں آیت من القرآن پڑھا۔ یہ بھی بہت اچھا سلسلہ ہے۔

سارہ حفیظ۔ رینالہ خورد

انعامی خط - 3

قائداعظم کا فرمان ہے کہ "میں پاکستان کے ہر باشندے بالخصوص نوجوان کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرا دینا چاہتا ہوں کہ خدمت، ہمت اور برداشت کے سچے جذبے کا مظاہرہ کریں، ایسی شریفانہ مثال اور بلند مثال قائم کریں کہ آپ کے ہم عصر اور آنے والی نسلیں آپ کی تقلید کریں۔ (30 اکتوبر 1947ء طلباء سے خطاب لاہور) اس فرمان میں ہر پاکستانی کو بتایا گیا ہے کہ وہ علم اور عمل سے وطن کو سنواریں۔ ہمارا پھول جیسا کہ سب جانتے ہیں 107 ماہ سے اس میدان علم میں پیش پیش ہے۔ نہ صرف یہ وطن عزیز کو اپنی روشنی سے منور کر رہا ہے بلکہ اس سے دنیا کے بہت سے ممالک روشن ہو رہے ہیں یہ ایک منی سورج ہے جو غروب نہیں ہوتا ہمہ وقت روشنی مہیا کرتا ہے۔ یقیناً اس سے ہمارے قائد کی روح کو تسکین مل رہی ہوگی اگست کے مہینے کی آمد آمد ہے اور اس بار بھی اگست ہم سب ذوق و شوق سے منانے کیلئے بالکل تیار بیٹھے ہیں ہر دفعہ کی طرح اس بار بھی ہم بھائی چارہ، روایت اسلامی کیلئے دعا کریں گے اور پھر اس کے فوراً بعد ہمارے پیارے پھول کی سالگرہ ہے جو ہمیں دھوم دھام سے منانی ہے۔ لیکن ہمارا ہمسایہ اور ازلی دشمن ہندو بنیا جو ہم پر 71ء کی بھول میں جنگ مسلط کرنا چاہتا ہے اس کو 65ء کی جنگ سے سبق حاصل نہ ہوا تو 71ء میں ہم پر حملہ کیا لیکن افسوس کہ اپنے چرکوں سے مگر کو آگ لگ گئی غداروں کی وجہ سے ہمارا مشرقی بازو بنگلہ دیش میں تبدیل ہو گیا جس سے ہندو بنیئے کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ اب اپنے آپ کو ایشین سردار سمجھ بیٹھا ہے۔ ہم سب کو یہ دعا بھی کرنا چاہئے کہ دونوں جوہری قوت والے ممالک ایک دوسرے سے دور رہیں تو اچھا ہے ورنہ یہ جنگ اس صدی کی بدترین عالمی جنگ بھی ہو سکتی ہے لہٰذا پاکستان اور بھارت مقابل ہیں تو دوسری طرف شمالی کوریا اور جنوبی کوریا جیسی دو ایٹمی قوتیں مقابلہ کے میدان میں ہیں خدانخواستہ اگر یہ جنگ ہوئی دنیا میں لوگوں کو پناہ نہ ملے گی اگر بھارت پھر بھی جنگ کا محاذ لگاتا ہے تو ہمیں اس کے خلاف سینہ سپر ہو جانا چاہئے قائد کے فرمان میں بھی ہمیں یہی درس ملتا ہے "اپنا اخلاق ہر صورت بلند رکھو" موت سے کبھی نہ ڈرو ہمارا مذہب بھی سکھاتا ہے کہ ہمیں موت کیلئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔ اسلام اور پاکستان کی عزت بچانے کی خاطر موت کا مقابلہ بہادری سے کرنا ہے مسلمان کیلئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نجات نہیں کہ وہ صداقت کی خاطر شہید ہو جائے" (30 اکتوبر 1947ء طلبا لاہور سے خطاب) اگست کے مہینہ کے بعد ستمبر آتا ہے جو ہماری بھارت کے خلاف فتح کا دن ہے اگر بھارت نے جنگ مسلط کی تو ہم 65ء کی بدر پھر دہرا دیں گے اور ہندو بنیا کو 65ء کی طرح بھاگنے کیلئے راستہ نہ ملے گا ہم اس کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گے۔

خیر چھوڑیے اب ہم پھول جولائی کا خاص الخاص جائزہ لیتے ہیں جو انتہائی ضروری ہے۔ پھول کا سرورق حسب سابق رنگین ساتھ اس پر ایک معصوم اور خوبصورت سی بچی روایتی سالیاں پہنے نجانے کن سوچوں میں غرق نظر آتی ہے اس کے ساتھ ہی ایک کونے میں رنگین سا انڑپارک کا میلا بھی نظر آرہا ہے۔ کرنیں حسب سابق اپنے نور سے ہمیں منور کر گئیں اولاریہ جو جنگ "مٹی سے محبت اور معصومیت کے ملے جلے تاثرات پیش کر رہا تھا اچھا تھا۔ منتظر چہرے انسان کے کردار کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے لیکن ایک ہم ہیں کہ چوٹ پہ چوٹ کھا کر جب زخم مندمل ہو جاتا ہے۔ تو سب کچھ بھول چکے ہوتے ہیں۔ شہید کی ماں کے جذبے قابل قدر تھے جو خدا کی ذات، وطن کی ہر عورت کو دے کر وہ اسلام اور وطن کیلئے کٹ مرنے والے سپوت پیدا کریں۔ محبت کیا قوت رکھتی ہے اس کی مثال "ثبوت" اور "نیا جہاں" سے ملتی ہے۔ ندیم شنزلو صاحب نے سائیکل کو صحیح گھسیٹا ہے۔ ڈاکٹر اظہر صاحب اس بار کنجی کی کنجی لے کر آئے ہیں ان سے ایک شکوہ ہے کہ وہ کہانیوں کے کردار کو ادھورا چھوڑ دیتے ہیں اس لئے اس بار ان سے یہ کنجی لے لینی چاہئے تاکہ ان کے پاس آئندہ ایسا القلید نہ رہے۔ وعدہ تقریباً دو قسطوں سے ڈل آرہی ہے لیکن اس بار کچھ تبدیلی نظر آئی ہے۔ سپورٹس بھیا ہم سب کیلئے بہت دکھ کی بات ہے کہ ہماری قومی ٹیم اس بار ٹائٹل سے بری طرح پٹ کر واپس آئی کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ انہوں نے جواء لگایا تھا کچھ قسمت کو دوش دیتے ہیں دونوں باتیں برابر اہمیت رکھتی ہیں۔ لیکن باقی کا حال اللہ ہی جانے۔ اس بار سپورٹس کے ڈیزہ چینل چل رہے تھے ڈیزہ اس لئے کہ ایک تو نایاب صاحب کی طرف سے حسب سابق ہے ہی اوپر سے رفیعہ صاحب اپنا معلوماتی ذخیرہ لے کر تشریف لائیں ہیں۔ سپورٹس سے لمٹ کر ہم جگنو دیکھنے چلے اس میں صدف صاحب اور بولی بھائی کا انٹرویو خوب تھا اچھی محنت کی گئی ہے اس کے علاوہ خط۔ ٹیلی فونک کالم، No Problem اور فیروز زیادہ تفریح کے قابل نہیں آخر میں بھیا ایک نئے انداز میں نظر آرہے ہیں یعنی نسخے خرید رہے اگر آپ کو نسخہ ہی خریدنا تھا تو فورٹ عباس آجاتے ہم آپ کو ایسا مفید نسخہ مفت تجویز کر دیتے کہ آپ کا موٹاپا چند ہی ماہ میں دور ہو جاتا اور اس کے بدلے ہم آپ کی محبت اور اس خط کی یقینی شاعت دو (WITH) انعام بانگ لیتے۔ (محمد طاہر عظیم۔ فورٹ عباس)

(انعام لینے آئیں تو آپ سے بھی نسخہ لیں گے)

☆ میری خواہش یہ ہے کہ میں پھول کی ایک دن کی ایڈیٹری کروں بھیا جان مجھے موقع جواب نہ دیجیے گا۔ مجھے انگلش اچھی خاصی آتی ہے اور میں آپ کو بالکل فارغ رکھوں گا۔ آپ آرام کریئے گا۔ (ایڈیٹر صاحب اپنے شہر کا نام اور اپنا نام بھی لکھ دیتے)

☆ شعر محل والا نام تبدیل کر کے "محفل کچھ شعراء کی" یا کوئی اور ہم اشعار کیلئے تجویز کریں۔ شعر محل میں تصاویر والا سلسلہ ختم کر کے اسے دو حصوں میں تقسیم کریں۔ ایک میں ہمارے بزرگ شعراء کا منتخب کلام اور دوسرے میں اسی ماہ پیدا ہونے والے ساتھیوں کا منتخب کلام شائع کریں۔ محمد یامین۔ سرگودھا۔ (کچھ اچھے نام آپ اور منتخب کر کے بھیجیں)

☆ ہمارے شہر چونیاں میں نوجوانوں کیلئے کشمیر کیلئے تربیتی کیمپ لگا ہے۔ اے کاش عورتوں کیلئے ہوتا تو سب سے پہلے میں اپنا نام درج کروالتی۔ شاہین کوثر۔ چونیاں

☆ پھول فورم میں انور سدید کی ملاقات بہت اچھی رہی بھئی کافی Informative ہمارے بزرگ ہمارے محسن ہیں اکبر الہ آبادی کے متعلق معلومات حاصل کر کے بہت خوشی ہوئی کیونکہ ان کا شمار ادب کی بہت اہم شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ جو ہمارے لئے قیمتی اثاثہ چھوڑ گئے ہیں جگنو میں صدف اقبال اور پھول کے کارفونسٹ عمران سہیل بھائی سے ملاقات ہوئی ان کے متعلق بہت سی اچھی باتوں کا پتہ چلا۔ شاذیہ عدیل۔ لاہور

☆ "ادھورا" کو کہانیات ہے کو عمر ساہی نے تین حصوں میں تقسیم کر ڈالا' عمر رحمٰن سے اچھا کام کیا' تقسیم کرنا تو ہمیں ورثے میں ملا ہے' مصیبت تو یہ ہے کہ ضرب کرنا نہیں آتا چلو ہم ہی کوشش کرتے ہیں کہ آپ کی "گھنٹو سی تحریر بھی پھول میں سیٹل جگہ پائے گی۔ عمر ان کیوں ہوئے' آپ کے ہم وہ صفحات ہیں بھئی پھول کے۔ خالد رزاق جمالیاں

☆ "کے ایل نیشنل میوزیم" راحت نے جو ملت دوسروں ملکوں کی سیر کروائے کیسے وہ اللہ ہے اللہ انہیں ضرور اس کا پھل دیں گے۔ ڈاکٹر انور سدید کا پھول فورم میں انکشاف خیال اچھا تھا۔ کیونکہ ان کے کالم میں خوشی سے پڑھتا ہوں۔ آصف شاہین ڈی جی خان

☆ صوفیہ آپی آپ کہاں سے اتنا ڈھیر سارا پیار اکٹھا کر لیتی ہیں اور پھر اسے بانٹ دیتی ہیں۔ آپ نے ہمارے دلوں میں اللہ کا خوف بھرنے کی بجائے اس کا پیار بھر دیا ہے کبھی نہ ختم ہونے والا۔ لطائف اس دفعہ اچھے تھے اور "ادھورا کہانیات ہے" کا معیار پہلے سے اچھا ہوا ہے۔ "پھول انٹرویو" "ٹیلی فونک کالم" "Taste time" "ایڈیٹری ایک دن کی" نیا ہم "ہاس فل" اور دیگر روایتی سلسلے اچھے جا رہے ہیں۔ آمنہ یعقوب زیر آباد

☆ "ادھورا کہانی" کے بارے میں اتنا ضرور کہوں گا جس طرح کہانی شروع میں سنسنی خیز تھی اب اس کا پاسنگ بھی نہیں رہی کیونکہ کہانی اصل موضوع کی بجائے کسی اور طرف نکل گئی ہے حمید صاحب سے گزارش ہے کہ آپ اتنے دور مت جائیے گا جہاں سے آپ کو واپس آنے کے لئے علی سفیان آفاقی کی طرح آنکھ کھلونی پڑ جائے۔ شوکت علی ایم۔ جھنگ

☆ جولائی 99ء کا شمارہ خریدا پڑھا بہت پیارا لگا۔ کہانیوں میں مجھے جو سب سے Best لگی وہ تھی "مزے سینگوں والی" بھیا کہانی تو یہ چھوٹی سی تھی لیکن سبق اس میں بہت بڑا دیا گیا ہے۔ ایم شبیر احمد۔ سرگودھا

☆ یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ لوگ دوسروں کو عجیب عجیب ناموں سے پکارتے ہیں اگر اصل نام لے لیا جائے تو کیا قباحت ہے۔ جتنا وقت بدلنے والے بیٹھے میں لیتا ہے اگر سیدھا اور اصل نام لے لیا جائے تو زبان میں تھکن تو نہیں ہونے لگتی۔ بلکہ صحیح نام لینے سے بندے کے اپنے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ غزالہ تبسم۔ میاں چنوں

☆ Hot picnic at cool place کی تصاویر بہت زبردست تھیں۔ خاص طور سے آپ کی جینک۔ ویسے ہم نے غور سے نہیں دیکھی کہیں سن گلاسز تو نہیں تھے۔ رابعہ قدوس۔ انیس احمد (وہاڑی)

☆ "ادھورا کہانیات ہے" میں ویسے تو سب کچھ ہی اچھا تھا لیکن Mini Break پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ سمیرا اقبال کی تحریر "واپسی" کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے "منتظر چہرے" اور "بے خبر مائیں" اچھی کہانیاں تھیں۔ لیکن "بے خبر مائیں" پڑھ کر مسلمانوں کی سوچ پر دکھ بھی ہوا۔ ہالہ بیہ مہشر مغل۔ شکر گڑھ

☆ میں 6th کلاس کی طالبہ ہوں میرا نام رابعہ بشیر ہے۔ میں نے جون میں بھی خط بھیجا تھا۔ شاید وہ آپ کے پاس دیر سے پہنچا ہو یا شاید پہنچا ہی نہ ہو۔ (رابعہ بشیر نے فرمائش اور دعائیں تو بھیجیں لیکن نامعلوم کس شہر سے)

☆ کیا چیز ہیں یہ کلاسز بھی کیا عنوان ہے بھئی کلاسز یوں کی دعوت سے ملاقات اچھی رہی۔ سب سے ہنستا مسکراتا کپل تو انعام الحق کا لگ رہا تھا۔ اعجاز صاحب آپ کے پاس تو ہر نام کا سوچ لینے مت کرتے دستخط۔ مگر بھی ہوئی کو کون ٹال سکتا ہے۔ ثمانہ مقبول۔ بہاولپور

☆ انکل ریک تو ہلکی سی تھی "شرارتی سی باتیں پڑھ کر سوچتے ہیں کہ ہم کیوں نہیں کوئی ڈراپ سین کرپاتے" کنجی کنج کی ذرا سی سمجھ سے باہر تھی۔ ڈاکٹر صاحب پہلا حصہ [illegible] "اتنا تو ہوا کہ [illegible] کو مل جاتا

☆ ہے تو دل مچھ جاتا ہے نور پر ظلم بےحساب لوگوں کے مسائل حل کرنے میں پیش پیش ہے۔ مقصود قادر بیگ۔ گوجرانوالہ

☆ بہت بہت اور بہت ہی پیاری دوست مدثرہ کے نام اس کی خوشیوں بھری سالگرہ کے سنہرے موقع پر

کہیں بارش برس جائے
کہیں صحرا ترس جائے
کہیں بادل گھرے
تمہارے اور میرے درمیان آکر
خدا ٹھہرے
تو میری زندگی کے اول و آخر
تم اس لمحے
خدا کے بعد آتے ہو
مجھے تم یاد آتے ہو..... شکیلہ تبسم۔ حافظ آباد

☆ "تو لیہ" پڑھ کر تو 1971ء کی جنگ کی یاد تازہ ہوئی پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے "منتظر چہرے" پڑھ کر پتہ چلا کہ ذخیرہ اندوزی بہت بڑا جرم ہے یہ کہانی ذخیرہ اندوزوں کے لئے ایک سبق تھا "اعتبار" کہانی بہت ہی اچھی تھی پڑھ کر لطف آگیا۔ وحید الحسن بھٹی۔ شاکر کالونیاں

☆ یہ جگنو بہت اچھا سلسلہ ہے اس دفعہ عمران سہیل بھائی کے کارٹون تو نہیں تھے مگر ان کی جگہ ان کی تصویر اور انٹرویو نے کافی حد تک کارٹونز کی کمی پوری کر دی تھی۔ اب تک "یہ ہے جگنو" میں آنے والے تمام انٹرویز میں مجھے شگوفہ کا انٹرویو بہت پسند آئی۔ ٹیلی فونک کالم بھی بے حد اچھا جا رہا ہے غلطوں اور ٹیلی فونک کالم کے درمیان بھیا کے تبصرے بہت اچھے لگتے ہیں۔ لبنیٰ اخلاق جلد۔ لیل آباد

☆ راحت صاحب کو گھر بیٹھے بٹھائے ہمیں دنیا کی سیر کرا دیتی ہیں۔ Thank you راحت اس کے بعد انور سدید صاحب سے تفصیلی سیکھنا۔ اعتبار بھی Top پر تھی No problem پڑھا۔ صوفیہ آپی کی باتیں بہت اچھی لگیں۔ اور جواب دینے میں وہ لاجواب ہیں۔ شبیر احمد خٹک۔ ترنڈہ محمد پناہ

☆ میری دلی خواہش کشمیر میں جا کر بھارتی فوجیوں سے لڑنا اور جام شہادت نوش کرنا ہے۔ پہلے بھی دو دفعہ گھر سے بھاگا تھا اور آزاد کشمیر کے ٹریننگ سنٹر میں پہنچ گیا تھا۔ لیکن پیچھے گھر والے آگئے۔ اب والدین کی اجازت سے ہی مقبوضہ کشمیر جاؤں گا۔ اگر والدین نے اجازت نہ دی تو پھر فوج میں بھرتی ہو جاؤں گا اور وطن عزیز کا دفاع کروں گا۔ اعجاز احمد کاشمیری۔ جمن شاہ

☆ میں نے نور بانی نے پورا رسالہ پڑھ ڈالا مگر "چاندی کروائے" رکھی "فقرہ نہیں ملا پلیز خط کے جواب میں بتائیے کہ یہ فقرہ ہے بھی کہ نہیں اور کون سے صفحے پر ہے تاکہ میری پریشانی دور ہو۔ نعمان صدیق۔ آزاد کشمیر (61 صفحہ پر موجود ہے)

☆ "شعر محل" میں اپنا شعر نظر نہیں آیا کیوں بھئی ؟ کیا قصور ہوا مجھ معصوم سے ؟ بھیا میرا دل چاہتا ہے کہ میرے شہر میں بھی پھول کلب موجود ہیں اس کیلئے مجھے کیا کرنا چاہئے۔ سلمیٰ فیصل لوچ شریف۔ (اپنا مکمل پتہ بھیج کر ممبر شپ فارم منگوائیے اپنی ممی مائیں پھر آپ کے شہر میں بھی پھول کلب بن سکتا ہے)

☆ Time bring a lot of changes but one thing can-not be change that is my love for you

Ishtiaq Saleemi qabula sharif

☆ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ آپ نے سرورق کے بعد والے صفحے پر یہ کیوں لکھا ہے کہ پاکستان اور آزاد کشمیر کے تمام تعلیمی اداروں کیلئے منظور شدہ اس کا کیا مطلب ہے کیا یہ سکول کے نصاب میں شامل ہو سکتا ہے۔ شمع ایوب گل ایوب کراچی (اس کا مطلب سکول کے نصاب میں شامل ہونا نہیں حکومت سے منظور ہونا ہے لائبریریوں کیلئے)

☆ کہانیاں تقریباً سبھی اچھی لگیں لطیفوں میں بھی کچھ جان پڑی ہوئی معلوم ہوتا ہے ٹیلی فونک کالم ہمیشہ کی طرح مزیدار اور Taste time ہمیشہ کی طرح نکھارے دار پلے (حافظ رابعہ شریف کا خط اچھا تھا نعماں ہو جاتا اگر کوئی پتہ یا شہر کا نام معلوم ہو جاتا)

☆ آپ کو ایک مزے کی خبر سناؤں جسے سن کر آپ ساری غلطی بھول جائیں گے۔ پتہ ہے میرا میٹرک کا رزلٹ آگیا۔ میں نے 740 مارکس لئے ہیں۔ اپنے سکول میں ٹاپ کیا ہے اور بورڈ میں Top ten میں سے ہوں۔ تھاپیاں اور گفٹ سنبھال کر رکھ لیں پارسل کر دیں۔ میں نے مبارک کی مٹھائی سنبھال کر رکھ لی ہے۔ آپ کیلئے (آپ کو بہت مبارک ہو) سائرہ شفیع۔ سرگودھا

☆ بھیا واقعی ہاس فل پہ نسبت ایڈیٹری ایک دن کی اچھا ہے۔ اس طرح خوب انجوائمنٹ ہو جاتی ہے اور کام بھی کم ہو تو بہتر ہے بھی نہیں ہوتی۔ عمران سہیل بھائی کی سنجیدہ سنجیدہ باتیں پسند آئیں۔ آمنہ لقمان۔ نوشہرہ

☆ "سپورٹس ہائم" میں پاکستان کے ورلڈ کپ جیتنے کی وجہ سے کوئی خبر اچھی نہ تھی۔ آخر ان کلاسز یوں پر تنقید کرنے اور جواب کے الزامات کیوں لگائے جاتے ہیں۔ آخر ان کلاسز یوں کا بھی تو کچھ قصور ہے۔ حالانکہ انہوں نے اپنی طرف سے [illegible] پر فار منس دی تھی پاکستان کے ہارنے پر کسے خوشی ہوئی ہو گی سب کو ہی دکھ ہوا ہو گا۔ لیکن ہار جیت تو کھیل کا حصہ ہے۔ زاہد سعید۔ لاہور کینٹ

☆ شگوفہ کی لکھی ہوئی تحریر "نیا جہاں" نے پھول کی رونق میں مزید اضافہ کر دیا ہے پھول کو چار چاند بھی لگائے۔ ماہ وار میں "شگوفہ" کہانی بہت پسند آئی۔ دعا والے عروج پر پہلے کی طرح ہاری ہے۔ سائرہ نعیم۔ کھاریاں

خدا عروج تجھے اس قدر نصیب کرے
کہ تیرے ہم کے آگے کسی کا ہم نہ ہو شمیم اختر۔ مظفر گڑھ

☆ بھیا میں 9 سال کا ہو جاؤں گا اگست میں۔ میں اپنے ہوش میں آنے سے پہلے کا پھول دیکھ رہا ہوں۔ اب تو پڑھنا آگیا ہے اور پڑھتا بھی ہوں۔ بچ بہت مزے کا ہے میں پھول سے صرف ایک بات کہوں گا۔ عبدالاحد رانا۔ نوشہرہ

☆ ..... دو سال سے پھول پڑھ رہا ہوں مگر یہ میرا پہلا خط ہے اس امید سے لکھ رہا ہوں کہ آپ اسے اگست 99ء کے شمارے میں شائع ضرور کریں گے (بلال حسن۔ کلاسوالہ۔ نیا لکوٹ)

☆ ..... ٹائٹل لو اسی کا تاثر سالئے ہوئے تھا لیکن بہر حال حالات کی مناسبت سے تھا۔ سارا رسالہ چند گھنٹوں ہی میں پڑھ ڈالا۔ ہمیشہ کی طرح پہلے کرنوں کی روشنی سے دل و دماغ کو منور کیا (قدوہ خلیل۔ میرپور)

☆ ..... سرورق پر معصوم سی صورت جس کو ہنسنا چاہئے جس کو کھیلنا چاہئے بچاری اپنا حق مانگتے مانگتے اپنے پیارے محبت کرنے والے باپ سے محروم ہو گئی۔ ایسی ہی کئی بہنیں کئی مائیں کئی بیٹیاں جن کے بھائی جن کے بیٹے اور جن کے ماں اور باپ ان ظالم بھارتی فوجیوں کی ظلم و بربریت کا شکار ہو گئے۔ (حافظ عابد حسین تبسم۔ لیہ)

☆ ..... کے ایل نیشنل میوزیم کی سیر اچھی لگی "وہ مولائے کل والا نے سیل بہت ہی اچھا لگا" "سپورٹس ہائم" پڑھنا اچھا لگتا ہے اس لئے کہ اس میں مزے کی معلومات ہوتی ہے "سال کی سب سے بڑی چیک" پڑھی تو ایسا محسوس ہوا جیسے ہم بھی اس چیک میں شامل تھے۔ (فریحہ۔ نارووال)

☆ ..... آپ نے ڈیڈ ہائم کو دوبارہ شروع کر کے بہت اچھا کیا ہے۔ فی ہائم سنوری کے بعد تو ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ اب شاید فی ہائم سنوری شروع کر دیں گے لیکن یہ ہمارا وہم ہی ثابت ہوا۔ باقی کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں۔ یہ جگنو میں عمران سہیل بھائی کے بارے میں جب یہ پڑھا کہ وہ بہت سنجیدہ ہیں تو ہمیں بہت حیرت ہوئی۔ (نعیمہ نورین۔ نارووال)

☆ ..... سکائی لینڈ واٹر پارک کی سیر کا بہت زیادہ مزا آیا تھا اور یہ زندگی بھر نہ بھلانے والی چیک تھی۔ اللہ تعالیٰ پھول کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ (عبدالناصر جوئیہ۔ ہارون آباد)

☆ ..... منتظر چہرے' نذیر انبالوی کی ڈیپ اور مزیدار تحریر تھی جو کہ سرمایہ داروں کی آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی ہے۔ انکر اے انور کی تحریر "کنجی کنج کی" بہت ہی اچھی تحریر تھی۔ (عندلیب عزیز۔ آزاد کشمیر)

☆ ..... نظر زیدی کا ہمارے بزرگ ہمارے محسن بہت پسند آیا اس سلسلے کو جاری رہنا چاہئے رفیعہ آپا نے کھلاڑیوں کی باتوں سے خوب ملاقات کروائی اگلی بریک بالکل پسند نہیں آئی۔ رائیٹر نے زبردستی ہنسانے کی کوشش کی ہے (روبا اکرام۔ سمن آباد)

☆ ..... "ڈراپ سین" سے معلوم ہوا کہ ہارٹ اٹیک میں ہاتھ کی سنسنی دکھانا بے حد ضروری ہے۔ (ہاتھ ہی بے چارے نے غلط جگہ پر رکھا لیا تھا ورنہ ایکٹنگ تو اچھی خاصی تھی) "کنجی کنج کی" کی پہلی قسط پسند آئی۔ (ثمینہ خان۔ گوجرانوالہ)

☆ ..... "نو پرابلم" ایک بہت سلسلہ ہے جس میں ساتھیوں کو اپنی پرابلم شیئر کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ ایڈیٹر لالہ کا "نسخہ" بہترین تھا۔ روحانی سلسلہ آپ من القرآن بھی دست ہے۔ (مریم خالد گوجرانوالہ)

☆ ..... ایس ماہ وار رسالہ دی جھلیاں شماریاں واقعی ساڈے دل لے گیا۔ ایدے ہر لفظ وچوں خوشبو پئی آندی سی۔ لگدا ای ہر پاسے اتھی تے عمدہ عطر ڈھلے ہوئے نیں۔ (فریحہ۔ نور۔ سعدیہ۔ سوزیر آباد)

☆ ..... "کیا میں ڈرا کرتا ہوں" ایک چیز کے انٹرویو نے بہت متاثر کیا۔ ندیم احمد کی "انکل ریک" کچھ عجیب سی لگی۔ "مزے سینگوں والی" کچھ سمجھ میں نہ آئی۔ "ڈراپ سین" بھی اچھی تھی۔ "وہ کچھ بڑے زور کے تھے" بہت اچھی تھی۔ (قندیل ارم۔ ٹھٹھہ گنگ)

☆ ..... "بے خبر مائیں" شوت اور نیا جہاں" ایک طرف تو بے حد اچھی تھیں تو دوسری طرف چند ایک سبق بھی سکھا گئیں۔ واقعی اگر ہم نالائق کو نالائق کہنا چھوڑ دیں تو وہ بہت حد تک سدھر سکتا ہے۔ (بلال چودھری۔ اسلام آباد)

☆ ..... "کنجی کنج کی" ایک بہت اچھی نئے موضوع اور نئے انداز میں لکھی گئی جو کافی پسند آئی۔ اس کہانی کے شائع ہونے کے بعد لگتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس

پھول بڑا مقبول پھول بڑا مقبول پھول بڑا مقبول پھول بڑا مقبول پھول بڑا مقبول پھول بڑا مقبول

لئے بار بار دہرایا سلا کو آگے نہ بڑھا سکے۔ جس کا افسوس بہر حال ہمیں ہو گا کیونکہ ان کہانیوں کا end جیسا بھی ہو ہیرو کے شایان شان تو ضرور ہو۔ (اختر ملک ترنڈہ۔ محمد پناہ)

☆..... حمید اللہ مغل کا سلسلہ وار ناول "وعدہ" پر زیادہ تجسس ہوتا جا رہا ہے کاش کوئی پاکستان میں حقیقتاً ذار صاحب جیسا انسان ہو اور دشمنان پاکستان کو نیست و نابود کر دے۔ "وہ دانائے سبل" جیسا کالم ہر ماہنامے میں شامل ہونا چاہئے تاکہ بچے زندگی کے ساتھ ساتھ حقیقی زندگی یا اخروی زندگی کیلئے ابھی سے سامان تیار کرنا شروع کر دیں۔ (عبدالرحمن سرخسانہ رحیم۔ ملتان)

☆..... نائل پر کشمیر کی ایک بیٹی جی بے بسی کے ساتھ کسی کو تک رہی تھی۔ ان جیسے جوں پر آخر کب تک ظلم ہوتا رہے گا۔ اس کے باپ کی شہادت پڑھ کر دل بہت دکھی ہوا۔ کشمیر اب آزاد ہونے والا ہے۔ بھارتی اب دم دبا کر بھارت بھاگیں گے۔ (عبدالرحمن فاروقی۔ ترنڈہ محمد پناہ)

☆..... "حضرت اکبر الہ آبادی" کے بارے میں مضمون بہت اچھا لگا اور ان کی بصارت پر رشک آیا کہ وہاں میں ہوتی تو کتے کو دیکھ کر 150 کلو میٹر کی رفتار سے دوڑنا شروع کر دیتی۔ کرکٹرز اور ان کی بیویاں انٹرویو اچھا لگا۔ Taste Time میں مزے مزے کی تراکیب اچھی تھیں۔ (فریحہ منیر۔ ملہ گنگ)

☆..... اس مرتبہ کہانیوں کی تعداد اور معیار دیکھ کر حیرت کا جھٹکا لگا اور ہم اس جھٹکے پر غالب آگئے ورنہ ہم فرشتوں کا دیدار کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ نذیر انبالوی "منتظر چہرے" اور شاہنٹ "نیا جہاں" زبردست اور نئے خیالات پر مبنی تحریریں تھیں۔ (اسماء شاہین۔ نوبہ ٹیک سنگھ)

☆..... یوسف یوحانا' باسط علی' ڈاکٹر یونس کے انٹرویو دیئے جائیں ہاں ایک مشورہ' جب غیر ملکی کھلاڑی پاکستان ٹور پر آئیں تو ان کے انٹرویو بھی دیا کریں۔ (عادل خان۔ ٹوپی شہر)

☆..... جون میں میں نے خط آپ کو لکھا تھا پتہ نہیں آپ کے پاس میرا خط پہنچا نہیں یا آپ نے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ بہر حال اس دفعہ میں پھر خط لکھ رہا ہوں برائے مہربانی آپ میرا خط ضرور شائع کر دیں۔ (نصیر احمد۔ منڈی روڈ الہ روڈ)

☆..... پھول بہت زبردست تھا اور شاہنٹ کی نیا جہاں ہمیں بہت اچھا سبق سکھا گئی۔ (سمیرا عبدالقیوم۔ ایبٹ آباد)

☆..... ہر بار آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ برتھ ڈے کارڈ بھیج دیں لیکن ہماری کوئی سنتا ہی نہیں آپ کی مرضی ہے۔ (شاہد اختر شاہ۔ ملتان)

(نادان صاحب۔ شاید بار بار لیکن فارم کیلئے اپنا مکمل پتہ لکھ بھیجئے)

☆..... کنجی کنج کی بے حد پسند آئی۔ بیڈ نائم سٹوری کو دوبارہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ لیکن کی نائم ختم ہونے کا بھی افسوس ہوا۔ (سائرہ اصغر۔ گوجرانوالہ)

☆..... سرورق پر کشمیری بچی کی تصویر دیکھ کر اور ان کے بارے میں پڑھ کر ہم بھی افسردہ ہو گئے کہ ان کے سر سے ٹھنڈی چھاؤں کی چادر چھن لی گئی ہے۔ میری اپنی بہن کے لئے اور کشمیر کی سب بہنوں کیلئے دعا ہے خداوند کریم ان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ (گندم راج سے یہ بھائی ان دعاؤں میں اپنا نام لکھنا بھول گئے۔)

☆..... رفیعہ ناہید پاشا نے "کیا چیز ہیں یہ کھلاڑی بھی" میں کرکٹرز کی رومانس کی متعلق معلومات دے کر ہمارے دل جیت لئے ہیں۔ واقعی پھول بچوں کی رومانی و اخلاقی تربیت کے لئے اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ (حافظ ماریہ نظیر۔ سرگودھا)

☆..... یہ کونسا موقعہ تھا پھول میں کھلاڑیوں کی بیویوں کے انٹرویو دینے کا کیونکہ جب سے پاکستان نے ورلڈ کپ جیتا ہے اس وقت سے عوام کسی کھلاڑی کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی جہاں کہیں بھی کسی کھلاڑی کی تصویر نظر آتی ہے وہیں ہر شخص دل بھر کر صلواتیں سناتا ہے لیکن بھیا ہم اس کے حق میں نہیں ہیں کیونکہ ہار جیت تو کھیل کا حصہ ہوتی ہے لیکن افسوس ہماری پاکستانی عوام تو بالکل معاف نہیں کرتی۔ (رانا محبوب حسن۔ شجاعیل ہوتی)

☆..... پھول کی خوشبو جب سے میرے سنگ ہے
اس سے میری زندگی میں اک نیا رنگ ہے (محمد عامر مغل۔ سانگلہ)

☆..... بیڈ نائم سٹوری کی دوبارہ آمد سے بھی خوش ہو گیا۔ بھیا You are great مسکرائیے آپکی Face Value بڑھے گی بھی لذیذ تھے۔ (فریحہ انصار۔ فیصل آباد)

☆..... "پھول" تو واقعی ہی پھول ہوتا ہے اس میں ہر کہانی کمال کی ہوتی ہے۔ (محمد توصیف۔ خانیوال)

☆..... پھول میں اپنا نام پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کیونکہ میں نے پہلی دفعہ کسی رسالہ میں حصہ لیا ہے۔ اس دفعہ بھی تمام کہانیاں بہت اچھی ہیں۔ مگر وعدہ ٹاپ پر جا رہی ہے۔ (نایاب کنول۔ راولپنڈی X اب آپ پھر خوش ہو جائیں)

☆..... جولائی کا سرورق بہت ہی پسند آیا اور کہانیاں تو بہت ہی اچھی تھیں خاص طور پر منتظر چہرے جلدہ ملک کی کہانی ثبوت کنجی کنج کی شکایت کیوں نہیں کی۔ اور ولو کیا بات ہے۔ بہت ہی پسند آیا۔ (خالد جاوید۔ قصور)

☆..... نائل اس دفعہ اچھا تھا۔ کہانیوں میں ثبوت 'نیا جہاں' کیا میں برا کرتا ہوں' وعدہ لاانتظر زیادہ پسند آئیں۔ سلسلہ وار کہانی وعدہ بہتر ہوتی جا رہی ہے اور دلچسپ بھی پھول کے باقی تمام سلسلے اپنی اپنی جگہ پر ہٹ ہیں اور ان میں مزید نکھار پیدا ہو رہا ہے۔ (علیم نعیم' صدف' مبشر یاسر۔ سانگلہ)

☆..... ہر شمارے کی طرح پھول کا 107 واں شمارہ بھی بہت خوبصورت تھا۔ میر الیٹر پھول کی بہت کم جگہ لے گا کیونکہ اس میں 'میں نے صرف ایک دعا مانگی ہے پھول کیلئے..... پھول اور پھول کی پیاری بیٹیاں کبھی نہ رکیں۔ (وجیہہ تابور۔ سانگھڑ)

☆..... پھول ایک منفرد اور خوبصورت میگزین ہے اگرچہ ہم اور بھی رسائل کا مطالعہ کرتے ہیں لیکن پھول کی اپنی ہی بات ہے۔ پھول کی واقعی ہر لحاظ سے (محمد لقمان چودھری فیصل آباد)

☆..... پھول بہت اچھا تھا اور بیڈ نائم سٹوری بھی بہت اچھی تھی مجھے امید ہے کہ اگلی بار پھول اس سے بھی اچھا ہو گا کیوں ایڈیٹر بھیا میں نے بچ کمانا اور نائل پر افسردہ بچی کو دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ (خالدہ پروین میاں چنوں)

☆..... کیا چیز ہیں یہ کھلاڑی بھی اور سپورٹس نائم پڑھ کر مزہ آگیا پھول کا معیار اعلیٰ سے اعلیٰ تر ہے واقعی جہالت پھول میں ہے وہ کسی اور میں کہاں (سمیرا اختر جہانیاں منڈی)

☆..... اس بار کا شمارہ دلکش نائل کے ساتھ ملا۔ بے حد پسند آیا اور یہ پڑھا تو بے اختیار داد دینے کو جی چاہا پورے شمارے میں سب سے زبردست کرنیں رہی تھیں اس کے علاوہ کہانیوں میں ثبوت منتظر چہرے نیا جہاں بہت پسند آئیں۔ (اشرفی عظمت لاہور)

☆..... حضرت لوہریرہ کے متعلق روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ بازار تشریف لے گئے تو وہاں لوگوں کو دیکھ کر کہا کہ تم یہاں بیٹھے ہو اور وہاں مسجد میں نبی کریم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ دیوانہ وار بھاگ کر مسجد پہنچے تو وہاں کچھ نہ پایا لوہریرہ سے شکایت کی تو لوہریرہ نے پوچھا تم نے وہاں کیا دیکھا ہے؟ کہنے لگے "چند قومی یادالٰہی میں مشغول تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ لوہریرہ نے فرمایا "وہی میراث رسول ہے" (حافظہ روبیصا حمید ساہیوال)

☆..... پھول سے پچپنا جانا مجھے کیا میرے دشمنوں کو بھی اچھا لگتا ہے بچے جگنو میں ہمارے پسندیدہ کارٹونسٹ عمران سہیل یونی کی بات یہ ہمارے دل کو کیا لگا پورے گھر والوں کو بھلی لگی میرا خیال ہے عمران یونی کی یہ بات ہر بچے کی بالکل ہمارے بھی جذبات ایسے ہیں افسوس ہوا کہ دوسروں میں خوشیاں بانٹنے والے خود اندر سے بڑے مزاج ہوتے ہیں۔ (نائلہ تبسم لاہور)

☆..... آپ کی باتیں بہت اچھی ہوتی ہیں بازار سے آم لائے جائیں تو اکثر میٹھے ہوتے ہیں تو ہم خوشی سے کھا لیتے ہیں اگر کھٹے ہوں تو ناک منہ چڑھاتے ہیں یا پھر پکنے کے لئے گندم میں دبا دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر آپکی باتیں اچھی ہوں میٹھی ہوں تو فوراً ہضم ہو جاتی ہیں۔ اگر کڑوی ہوں تو ان کو آموں کے دبانے کی طرح اس وقت تک سوچتے ہیں جب تک ان کا مثبت پہلو نظر نہ آجائے۔ آپ کا ولو یہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ (عروسہ بتول لاہور)

☆..... پھول بوا مقبول کی اس مقبول عام محفل میں کچھ ساتھیوں کی شکایات کا جواب دینا ہے۔ سپورٹس نائم میں کرکٹ زیادہ ہوتی ہے۔ پچھلے شمارے میں تو انجم صاحبہ نے ڈائریکٹ ہماری نظر پر حملہ کر دیا۔ نایاب شاہد کو کرکٹ کے علاوہ کوئی گیم نظر نہیں آتا۔ ماشاء اللہ کیا تنقید فرمائی۔ شکریہ اب آپ تائیں پاکستان میں کرکٹ سب سے زیادہ پاپولر گیم ہے کہ نہیں۔ کرکٹرز سب سے زیادہ پاپولر سٹارز ہیں کہ نہیں۔ انٹرنیشنل لیول پر کرکٹ' ہاکی اور سکواش کے علاوہ کونسی گیم ہے۔ ہاکی اور سکواش میں جب بھی کوئی خبر ہوتی ہے سپورٹس نائم میں ضرور ہوتی ہے۔ اتنا کہہ دینے سے بات ختم نہیں ہو جاتی کہ کرکٹ کے علاوہ باقی گیمز کے بارے میں بھی دیں۔ لے بلیا تاؤ تو سہی کس گیم کے بارے میں کیا چاہتے ہو۔ آپ کیلئے سٹارز کے نام یہ آپ ہی کے سلسلے ہیں۔ (نایاب شاہد رانا فیصل آباد)

☆..... پلے کا سیکسی والوں کی جانب سے سونے کے سیٹ کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ کہنا ہے کہ یہ اور اس قسم کی دوسری انعامی سکیمیں جو آج کل بہت زیادہ ہیں ان کے بارے میں علماء حضرات کا کہنا ہے کہ یہ جوئے کے زمرے میں آتی ہیں ہم نئی دنیا اور انتخابات سے تو کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن پھول سے ہمیں یہ توقع نہیں تھی کہ یہ ان کاموں میں کسی کا شراکت دار ہو گا۔ (فرحت روحی رزاق ساگھڑ X فتویٰ کا اطلاق اس سکیم پر اس لئے نہیں ہوتا کہ آپ بغیر کچھ خرچ کیے انعام حاصل کریں گے)

☆..... مجھے "NO PROBLEM" جو کہ صوفیہ آپی کا کالم ہے بہت پسند ہے وہ ہر بچے کا مسئلہ منٹوں میں حل کر دیتی ہیں اور اسکے علاوہ رفیعہ ناہید پاشا کا "کیا چیز ہیں یہ کھلاڑی" بہت اچھا لگا رفیعہ ناہید کافی بے باکانہ انداز میں لکھتی ہیں جسکی وجہ سے وہ مجھے پسند ہیں۔ (افشاں حسین گرین ٹاؤن کراچی)

☆..... بھیا میرا ول کرتا ہے اس دنیا میں فخر کے جتنے بھی لمحے ہیں جو بھی ایوارڈز ہیں میں وہ سارے جیتوں اور پھر ان سب کو اٹھا کر امی کے پیروں پر رکھ دوں اور پھر پورے اور پکے یقین سے انکو کہوں

یہ کامیابیاں یہ شہرت یہ ہم تم سے ہے
خدا نے جو بھی دیا ہے مقام تم سے ہے۔ (ع ک۔ رانا لاہور)

☆..... طالب حسین کی مرتب شدہ کرنیں بہت دلکش انداز لئے ہوئے تھیں۔ کوئی بھی بات واقعات کے ذریعے زیادہ اثر کرتی ہے۔ نسبت براہ راست نصیحت کرنے کے اور کرنیں میں یہ خصوصیت بدرجہ اتم موجود تھی۔ اداریہ میں آپ نے بہت زبردست نقطہ اٹھایا ہم لوگ واقعی کسی نہ کسی خوف کا شکار رہتے ہیں اگر کوئی مخصوص خوف نہ ہو تو انجانے اندیشوں میں گھرے رہتے ہیں۔ (شاہدہ عرفان شیخوپورہ)

☆..... جولائی کا رسالہ "پھول" پڑھا اور انشاء اللہ پڑھتا ہی رہوں گا کیونکہ میرا اولین انتخاب ہے جس میں ساری کہانیاں اچھی تھیں اور خصوصاً کیا میں برا کرتا ہوں۔ "بیڈ نائم سٹوری" اور "کیا چیز ہیں یہ کھلاڑی" کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ (انتخاب عمر بلوچ تربت مکران)

☆..... ایک طرف ہیں کارگل پر لڑنے والے لوگ ہیں تو دوسری طرف پاکستانی کھلاڑی سیاست دان وغیرہ جنہوں نے ملک کا وقار داؤ پر لگانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور چند سکوں کی خاطر ملک کا وقار یا عزت نام ہم وطنوں کا اعتماد یار خلوص دعائیں سب کچھ کھو دیا۔ (آمنہ نے اپنے خط میں اور بھی اچھی باتیں لکھیں لیکن شہر کا نام نہیں لکھا)

☆..... بیڈ نائم سٹوری میں آپ ہی کے ہاتھ کی لکھی کہانی پر اکر اعتبار کی کشتی ڈولنے لگتی ہے کہ یہ سب کیا ہے "اول کیا ہے آخر کیا ہے؟ سوفیہ آپی کے "تو پر ظلم" کو تو بدہ نظر انداز کر ہی نہیں سکتا اور ہمیں اپنے مسائل دیکھ کر لگتا ہے کہ کسی دن ہمیں بھی ان کے در پر حاضری دینی پڑ جائے گی۔ (مائدہ ملک شکر گڑھ)

☆..... بار دوبار ملا پہلی قسط سے پڑھ رہی تھی مجھے یہ کہانی بہت اچھی لگی اس کا اینڈ بھی "ساحل سے دور" کی طرح دلآویز کن ہوا۔ (اسماء خان لاہور)

☆..... کوئز میں جو کچھ آپکے ساتھ ہوا بیڈ نائم سٹوری میں پڑھ کر بے حد حیرت ہوئی پہلے میں سمجھتا تھا کہ یہ فرقہ صرف ہمارے ملتان میں ہی ہیں اور کہیں ان کا نام و نشان نہیں مگر آپ کے ساتھ جو کچھ انہوں نے کیا اس پر نہ صرف غصہ آیا بلکہ حیرت بھی ہوئی کہ ان کم ظرفوں نے ہمارے پھول جیسے پیارے بھائی کو بھی نہ بخشا۔ ہمارے ہاں ان کا شکار دبلے پتلے لوگ ہوتے ہیں جن کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوں گال پچکے ہوں یہ لوگ کمال مہارت سے ان سے جان پہچان نکالتے ہیں اور پھر باتوں باتوں میں اس بیچارے کو "ٹوپی" کر دیتے ہیں اس شخص کی جیب میں اتنے روپے نہیں ہوتے ہوں گے جتنے کا یہ "ٹوپا" اسے بنا دیتے ہیں اور ساتھ میں پھر یہ کہتے ہیں کہ فائدہ ہونے پر میری مشہوری ضرور کرنا۔ (نعیم اقبال ملتان)

☆..... نائل ہمیں پسند آیا ایسے اور نہ جانے کتنے معصوم چہرے ہوں گے جن کے عزیز ان سے بچھڑ گئے بھارتی فوج نہ جانے ہر روز کتنے بے گناہ اور نہتے کشمیری مسلمانوں کا قتل عام کرتی ہے انکے لئے انسان کے خون سے زیادہ اپنی گاڑی کا شیشہ ہے وہ ایک گائے کو انسان سے زیادہ IMPORTANCE دیتے ہیں یہ انصاف اور امن کے علمبردار کب ان کشمیریوں کی آواز سنیں گے (آمنہ رانا لاہور)

☆..... کیا میں برا کرتا ہوں میں تعلیم دلوانے کیلئے بچوں کی قائم کردہ تنظیم کے متعلق پڑھ کر خوشی ہوئی۔ اگر بچے ایسا سوچنے لگیں تو بڑوں کو تو خود ہی غیرت آئے گی اور اگر ایسا ہوتا ہے تو کافی لوگ پڑھ لکھ لیں گے مگر یہ تو ایک سپنا ہے آجکل تو لوگ اس تقریریں کر کے ایسا محسوس کرتے ہیں جیسے انہوں نے غریبوں کو کپڑا دے دیا۔ مگر بات اس طرح تقریریں کرنے سے نہیں بنتی۔ (اسماعیل شیر لغاری ڈی جی خان)

☆..... پھول نے ہماری زندگی کا انداز بدل دیا ہے بھیا شاید آپ یقین نہ کریں مگر میں آپ کو بتاتی ہوں کہ میں پھول تب سے پڑھ رہی ہوں جب میں بالکل چھوٹی تھی بلکہ میں نے روانی سے پڑھنا پھول ہی سے سیکھا ہے۔ (خضری نواز زیب انساجتوئی)

☆..... ولو یہ اچھا تھا کہانیوں میں وعدہ وعدہ لاانتظر اچھی جا رہی ہیں میرے بھائی بھی پھول پڑھتے ہیں وہ بھی اپنا نام چھپوانا چاہتے ہیں۔ (ایاز علی بھیو تنویر علی بھیو محمد علی بھیو اعجاز علی بھیو علی مرتضیٰ بھیو گندم راج)

☆..... پھول کے تمام سلسلے اچھے جا رہے ہیں وعدہ بہتر ہوتا جا رہی ہے واپسی بہترین کہانی تھی۔ اس دفعہ صفحات ڈھونڈنے میں بہت مشکل ہوئی ہے بہر حال ڈھونڈ تو لیتے ہیں۔ (گل محمد دانش دریا خان)

☆..... ہمارے محسن ہمارے قائد آج تک کتابوں میں صرف ان کی شاعری ہی پڑھی لیکن حالات زندگی پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا "اتحاد" مائرہ عبید کی تحریر دلچسپ اور سبق آموز ہی غربت ہونے کی وجہ ہی سے پاکستان تعلیمی میدان میں کئی ممالک سے پیچھے ہے۔ اگر ہم کسی کو پڑھائیں تو ہمیں ضرور یہ نیک کام کرنا چاہئے اور یہ توصدقہ جاریہ بھی ہے۔ (سمیرہ خالد گوجرانوالہ)

☆..... شاہنٹ کی کہانی نیا جہاں تو اپنی مثال آپ تھی واقعی ایسا ہی ہوتا ہے جیسے اس کہانی میں بیان ہے۔ شاہنٹ نے اس کہانی میں بتایا کہ انسان کو گلاب کے اس پھول کی طرح ہونا چاہئے جو ان ہاتھوں کو بھی خوشبو دیتا ہے جو اس کو مسل دیتے ہیں۔ شعر محل اس بار اچھا تھا لیکن شعر زیادہ اکم ہو گئے۔ (فرحانہ نعیم گوجرانوالہ)

☆..... "پھول" کے لئے ہر دل کا درد تو وہ کھلاڑی ہے جو بھی اسے پڑھتا ہے اسی میں بڑا جاتا

ہے اپنی اچھی تحریروں اچھی سوچ اور اچھے مشن کی وجہ سے کیونکہ۔
پھول کی ہر اک پتی سے دعا یہ دل سے نکلی ہے
چمن تیرا رہے خوش رنگ تو ہر روز پھلے پھول (محمد فاروق اعظم تبسم حاصلپور)

☆ کسی دوسرے کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھنا ہی اصل خوشی ہے اور مسلمان کی حق تلفی کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ ہمارے محمد ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کی مثال ایسی ہے کہ اگر جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہو تو اس کا اثر پورے بدن پر ہوتا ہے (احسان محمود نیچہ ..... بہاولپور)

☆ آپ سین "پڑھی تو نقل شدہ لگی ابھی میں آپ کو اس کی اطلاع دینے ہی لگا تھا کہ ہم دیکھ کر یہ کیا کہ یہ تو میری ہی تحریر ہے۔ کیا یقین مانیں اتنی خوشی ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ زندگی میں یہ پہلی بار میری کہانی چھپی ہے اور میں نے یقین جانیں قسم کھائی تھی کہ کہانی چھپوانی ہے تو صرف "پھول" میں۔
(محمد عامر چیمہ ..... ملتان)

☆ آپ کا من الفرقان پڑھتے تو ہم سب ہیں لیکن ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو پڑھ کر اس پر عمل کرتے ہیں۔ نہ جانے کیوں ہم حقانیت سے اس قدر منہ چھپاتے ہیں اور حقیقت کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں۔ (ثوبیہ ارشاد ..... لاہور)

☆ ہمیں پاکستانیت کا درس دیتے ہیں پاکستانی مصنوعات یعنی میڈ ان پاکستان خریدنے کا درس دیتے ہیں اور سونے کا سیٹ حاصل کرنے کے لئے پیارے جو ہندوستانی کمپنی پارلے میڈ ان انڈیا کا بسکٹ خریدو اور اسے خرید کر ان مجاہدوں اور فوجیوں کے زخموں پر چھڑک آؤ جو کارگل اور سرحدوں پر "پارلے" بنانے والوں سے لڑ رہے ہیں۔ (عائشہ ظفر ..... راولپنڈی) ..... (عائشہ انعامی سکیموں کے متعلق آپ کے خیالات کچھ بھی ہوں لیکن یہ کہنی پاکستانی ہے)

☆ آپ کی "کرنیں" کی روشنی نے واقعی ہمارے دل و دماغ کو منور کر دیا۔ "ثانیہ" شاید جاں کے اصرار پر آپ نے آسان لکھنا شروع کر دیا ہے اس لئے فوراً سمجھ میں آگیا۔ واقعی ہر انسان کے دل میں خوف ضرور ہوتا ہے چاہے وہ دشمن کے جہازوں کی آواز سے پیدا ہونے والا ہو یا اندھیرے کا۔ پتہ چلتا ہے کہ "جو ڈر گیا وہ مر گیا" یہ بالکل حقیقت ہے کہ جو جتنا ڈرے گا دنیا اسے اتنا ہی ڈرائے گی۔ (ثمرین صادق ..... چکوال)

☆ جیون کے سانے خوابوں میں ہم تجھ کو سجایا کرتے ہیں ..... جب سارا عالم سو جائے ہم تم کو پڑھا کرتے ہیں۔ (ثوبیہ رشید ..... سرگودھا)

☆ ہمارے محفل میں ہر جگہ اے پھول تو مسکتا ہے صدا ..... (سمیرا اشتاق ..... ڈسکہ)

☆ ثانیہ اس ماہ کا ٹائٹل کو لگا اختر عباس کی پیڈ ائم سٹوری تو اچھی تھی اس طرح کے لوگ اکثر ہمارے ارد گرد ملتے ہیں جو آئے دن کسی نہ کسی مرغی کو گھیر گھار کے اپنی دیسی مرغی بنانے کے چکر میں کھڑے ہوتے ہیں۔ (محمد عاقب سلیم ..... چھاپہ)

☆ دوستی ایک انمول رشتہ کہتے ہیں کہ دوست کو مت آزماؤ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری آزمائش پر پورا نہ اتر سکے اور تم اپنے مخلص دوست کو گنوا دو جس طرح "ثوبیہ" میں سمیرا اپنی دوست کو اپنی سچی دوستی کا یقین اپنی قربانی سے دلاتی ہے۔
(سمیرا اشفیق ..... جڑانوالہ)

☆ پھول ..... کو پڑھ کر لگتا ہے کہ یہ "مناسب الفاظ" بنانے میں بھرپور کردار ادا کر رہا ہے۔ اس پر تبصرہ کرنا اس لحاظ سے مشکل ہے کہ اس میں "سب اچھا" ہے اس ماہ کے سرورق نے لوٹ کر دیا۔ (طاہرہ خانم ..... تلہ گنگ)

☆ ثانیہ یہ بہت اچھا لیکن مشکل انداز میں لکھا ہوتا ہے جس کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے کم از کم 2 دفعہ ضرور پڑھتی ہوں تب سمجھ آتی ہے۔ (سویلا صفدر ..... مانسہرہ)

☆ زندگی ایک کھیل ہے اور کھیل میں اگر چوٹ لگ جائے تو رونا کیسا کچھ نہ پانے پر شکایت کیسی کچھ نہ پایا تو کھونا کیسا۔ (شاہ اشرف ..... گوجرانوالہ)

☆ شفقت بھری آنکھوں سے بھرپور ماہنامہ پھول ملا اور سائی لینڈ اٹرپارک کی رنگا رنگ تصاویر سے مزین ایک مرتبہ پھر سب کے دل جیت لینے میں کامیاب ہوا۔
(محمد عمران خان ..... کمالیہ)

☆ اکبر الہ آبادی کے ایل نیشنل میوزیم کے بارے میں پڑھ کر ہمارے ذہن میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے صرف یہ نہیں بلکہ پھول ہی ہے جو کہ ہمارے دماغوں میں اتنی اچھی اور ضروری باتیں ڈالتا ہے۔ پھول فورم کے مہمان مہتاب کالم نگار انور سدید کی گفتگو اچھی لگی۔ کلاڑیوں کی بیویوں کی گفتگو اور تصاویر اچھی تھیں۔ (حسینہ بنت سعید ..... لاہور)

☆ اس کے باوصف کہ ہر سمت اندھیرا ہے محیط
ہم ہیں کہ وہ لوگ جو یہ اسحر رکھتے ہیں ..... فریال ملک ..... کراچی

☆ پھول میں ہمارا خط شائع ہوا خط دیکھ کر دل خوشی سے اچھلنے لگا اور ابھی تک ہمارے پاؤں زمین پر نہیں لگے اور ہمیں یقین نہیں آتا۔ دوسرے رسالے میں صدیاں لگتے گزر جاتی ہیں تو پھر جب شائع ہوتا ہے خط پھر بھی نہیں مگر پھول ..... "دیر ہاں نہیں تیری"
(آمنہ عظمیٰ زوہیب ..... وزیر آباد)

☆ ڈاکٹر انور سدید ہمارے علاقے کی بڑی شخصیت ہیں اور فخر سرگودھا ہیں۔ واقعی اصل خدا وہی ہے جو اس مقصد کو جانے جو لکھنے والے کے ذہن میں ہوتا ہے۔ تب تنقید صحیح ہوتی ہے اور ان کی یہ بات بہت اچھی لگی "اچھے رہنما دوستوں میں ہوں یا اساتذہ میں سے کامیابی کی راہیں کھولتے ہیں" "اقتباد" ایک خوبصورت کہانی تھی۔ کوئی پیدائشی چور نہیں ہوتا۔ وقت کی مجبوریوں سے لیاقت پر آسائی ہیں۔ حصہ دار بناتی ہیں۔ (ذوالفقار حسین زلفی۔ بھاولپور)

☆ اداریے میں دو باتیں اچھی لگیں پہلی تو یہ کہ۔ ہر ی جمادیہ درگاہ پر ہوی حفاظت سے ہوتا ہے محفوظ اور مامون مگر وہ اس لئے کب بنا ہے کہ بند درگاہ پر کھڑا رہے۔ زندگی تو حرکت کرنے کا نام ہے جو نہی حرکت ختم "زندگی ختم (ٹھیک ہے نا!) دوسری بات: بھولے اندیشے اور فکر اکثر ان خوشیوں کامیابیوں اور راحتوں کو بھی کھا جاتی ہیں جو آپ کے پاس ہوتی ہیں۔ (لبنیٰ تاثیر۔ لوکاڑہ)

☆ پیڈ ائم سٹوری میں نسخہ لکھ کر بہت سے گلے شکوے دور کر دیئے ہیں اس کے علاوہ سپورٹس ٹائم شعر محل اور ولو کیلات ہے بے حد پسند آئے خطوں میں انعامی خط نمبر ایک واقعی نمبر دن تھا اور انعام کا حقدار تھا ٹیلی فونک کالم تو ہمارا سب سے پسندیدہ کالم ہے۔ کیونکہ اس میں سب باتیں اچھی ہوتی ہیں اور تبصرے بھی خوب ہوتے ہیں بلکہ کبھی کبھی ہمارا نام بھی شامل ہوتا ہے۔
محمد طارق عاصم۔ فیصل آباد

☆ بے خبر مائیں ایک موثر تحریر ہے ان ماؤں کیلئے جو مذہب سے بغاوت کر کے صرف دنیا کی ہو کے رہ گئیں ہیں جنہیں شہید کی اہمیت کا اندازہ نہیں افسوس سے ہے ایسی ماؤں پر جو شہید کی موت پر واویلا کرتی ہیں شاید یہ جانتے ہوئے بھی کہ شہید زندہ ہوتا ہے۔ مذہب سے دوری نے انہیں ہر بات سے بے خبر کر دیا ہے۔ ثبوت اچھی لگی بھیا دوستی کیلئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن لوگوں کا ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جانے کی وجہ سے اب دوستی جیسے پر خلوص جذبے کیلئے ثبوت فراہم کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ حسین محمود چودھری۔ شکر گڑھ

☆ ٹائٹل پر ایک خوبصورت سی جو ٹشیری تھی۔ افسردہ جھلکی ہوئی تھی۔ کہانیوں میں وعدہ، منتظر چہرے ثبوت اور نیا جال اچھی لگیں۔ راحیلہ بلوچ کی کہانی "کیا میں برا کرتا ہوں" پڑھی واقعی یہ ایک سبق آموز کہانی تھی۔ سمیہ ہدایت اللہ۔ جنڈیالہ نوالہ

☆ بھیا ٹیلی فونک کالم میں جب آپ جواب دیتے ہیں تو بڑی بہت مزہ آتا ہے۔ آپ کے وہ جواب کسی لطیفوں سے کم نہیں ہوتے اور کئی جواب تو آپ ایسے دیتے ہیں کہ ہنس ہنس کر دہرا ہو جاتا ہے۔ "ولو کیلات ہے" جسے عمر بھائی نے ترتیب دیا۔ اپنے نئے سٹائل کے ساتھ بہت پیارا لگ رہا تھا۔ شائلہ ارشد گجر۔ جھنگ

☆ جولائی کا مہینہ میرے لئے بہت لکی تھا۔ انعام نکلنے کے ساتھ ساتھ جولائی کے شمارے میں میری کہانی بھی چھپ گئی اور لکم بھی۔ تھینک یو بھیا آپ نے تو میرا دل خوش کر دیا۔ نائلہ وملک۔ راولپنڈی

☆ وعدہ دن بدن اپنی بے مثال کامیابیوں کی طرف رواں دواں ہے امید ہے یہ اسی طرح جاری و ساری رہے گی اور آخر میں اچھا رزلٹ دے گی۔ حافظ محمد یوسف جنڈیالہ۔ بھاولپور

☆ اب میں آپ سے کس کس چیز کی تعریف کروں۔ اب میں تعریفوں کے پل باندھ بھی دوں تو یہ سورج کے سامنے چراغ رکھنے کے مترادف ہوگا۔ ویسے آپ کو ایک دھمکی بھی دینی تھی۔ وہ یہ کہ میری یہ انعامی خط کیلئے (پہلی) کوشش ہے۔ اب بھی اگر آپ نے انعام نہ دیا تو بہت اچھی بات ہے۔ عابدہ فدا راولپنڈی (ابھی مزید کوشش کی ضرورت ہے)

☆ پھول فورم کی انچارج (آمنہ اعظم) کے والد محترم کی انتقال کی خبر سن کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ درجوں سے نوازے اور ان کے گھرانے کو صبر جمیل عطا کرے۔ اسلامت خالد۔ راولپنڈی

☆ کے ایل نیشنل میوزیم کی سیر کروانے کا بہت شکریہ جب اس میوزیم کے متعلق پڑھا تو یقین کریں دل کر رہا تھا فوراً اسی وقت "گولالم پور" کے میوزیم پہنچ جائے۔ مگر افسوس دو عدد بڑے بڑے پرچاہئے تھے۔ اس لئے اسی سے شکر کیا۔ فریال احسان۔ کوٹلی لوہاراں

☆ پھول تو پڑھ لیا مگر اس کے وجود کی خوشبو ابھی ہوئی میرے شام و سحر میں ہے۔ مجاہد اقبال۔ پشتیاں

☆ نذیر انبالوی نے ایک ایسا عنوان چنا ہے جس کی طرف کسی کو خیال ہی نہیں۔ ہر کوئی دولت کی ہوس اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں جائز و ناجائز سب کر گزرتا ہے۔ بے خبر مائیں "ثبوت" اقتباد اور وعدہ لاجواب تھی۔ نیا جال میں شازمت نے اساتذہ کیلئے بہت اچھا پیغام دیا ہے۔ یاسر منظور ترک۔ راولپنڈی

☆ سپورٹس ٹائم میں ہر بار نئی معلومات سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ جس سے کافی معلومات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ بہت اچھا سلسلہ ہے یہ بھی۔
سارہ چودھری نے فن معلومات میں اپنے شہر کا نام بھلا دیا
پھول تو بہت ہیں مگر گلاب جیسا کوئی نہیں
رسالے تو بہت ہیں مگر پھول جیسا کوئی نہیں۔ ارم آنچل سہارہ

☆ ثبوت کہانی میں جس طرح سمیعہ کے سچے جذبات کی قدر نہیں کی اسی طرح میرے ساتھ بھی ہو بارہا آخر میں پھول کو اپنا دوست بنا لیا جب بھی اداس ہوتی ہوں پھول کو پڑھنا شروع کر دیتی ہوں تو میری اداسی منٹوں میں غائب ہو جاتی ہے۔
۔۔۔ حافظہ رضوانہ کوثر۔ سیدوالہ

☆ اس دفعہ رسالہ نے زیادہ انتظار نہ کروایا اور وقت مقررہ سے بھی ایک دن پہلے مل گیا۔ اس ماہ کی کہانیوں میں منتظر چہرے بے خبر مائیں نیا جال اور کیا میں بدلا کرتا ہوں بہت اچھی لگی۔۔۔ عابد حسین عباج سرگودھا

☆ سائی لینڈ اٹرپارک میں "Hot picnic" تصاویر خوب اور رپورٹ خوب تر جسے پڑھ کر مزا آیا جبکہ تصاویر دیکھ کر دل چاہا کہ کاش اہم بھی اس پکنک میں شریک ہوتے۔ پانی سے اٹھکیلیاں کرتے اور گرمی سے دور ہوتا۔ ایسے فنکشنز اور ان کی رپورٹس بلاشبہ پھول ہی کا خاصہ ہیں۔ شازیہ ولی۔ ننکانہ صاحب

☆ لطیفہ کچھ یوں ہے کہ انیا ہم اچھا ہے۔ کھلاڑیوں کی دعاؤں کی باتیں اچھی لگیں۔ اب کرکٹر خود تو کافی عرصے تک نظر نہیں آئیں گے شرمندگی کی وجہ سے چھپتے پھر رہیں ہیں۔ منزہ شاہین راولہ۔ چینوٹ آج پوری قوم کرکٹ کے سحر میں مبتلا ہے۔ حالانکہ اس کا سب سے بڑا مسئلہ تعلیم ہے۔ آپ کو ویسے بھی انٹرویوز بہت پسند ہیں۔ طلباء کے انٹرویوز شائع کریں ان کے والدین ہمن بھائیوں کے تاثرات دیں۔ اس قوم کو احساس دلائیں کہ ان کے اصل ہیرو کون لوگ ہیں۔ محمد آصف احسان۔ ملتان

☆ کیا میں برا کرتا ہوں یہ کہانی راحیلہ بلوچ کی ان کے لئے تھی۔ جو چائلڈ لیبر کا شور مچاتے ہیں۔ پاکستان ترقی پذیر ملک ہے۔ ہمیں تعلیم کے ساتھ ٹیکنالوجی اور ہنر میں بھی اپنا لوہا منوانا ہے۔ کوئی ماں باپ دل سے اپنے بچوں کو اتنی سی عمر میں سکول کی بجائے کام کرنے نہیں بھیجتے۔ یہ سب غربت کا کیا دھرا ہے۔ شعیب مغل۔ کہوڑئی

☆ پھول ہمیں جب ملا۔ جب ہم تھکان سے فارغ ہوئے پہلی مرتبہ ہی اسکی خوشبو ہمیں دلفریب لگی۔ سوداللہ محترم سے گزارش کی کہ ہمیں ہر مہینے اس سے لطف اندوز ہونے دیا جائے۔ خدا تعالیٰ کی مہربانی سے ہماری درخواست رد ہونے سے بچ گئی۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ساتھ ہی تعلیمی حالت پر توجہ میں فرق نہ آئے۔ رخسانہ بنگش۔ کہوڑئی

☆ اس ماہ ٹائٹل کافی تو اس تھا لیکن کہانیاں اور انٹرویو سب کے سب زبردست تھے۔ کہانی جس نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ تھی منتظر چہرے اس کے علاوہ نو پر اہلم، سپورٹس ٹائم، ٹیسٹ ٹائم سب اپنی مثال آپ ہیں۔ بی ٹائم سٹوری کے بعد پیڈ ٹائم سٹوری بہت پسند آئی۔ صبا فردوس۔ لاہور

☆ سرورق دیکھ کر اپنا بچپن میرے دل و دماغ میں نجانے کیسے کیسے خیال آنے لگے کہ پتہ نہیں اس کے لوہا رتی فوج کے خلاف لڑتے شہید ہوئے یا پھانسی ہی ان کے گھر میں گھس آئے اور ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ کب تک آخر کب تک یہ ظلم ہوتا رہے گا۔ یہ بھارتی درندے تو ظلم کی انتہا کر دیتے ہیں۔ یا اللہ اس بچی کے منہ سے نکلی آہ کو ہی سن لے اور بھارتی فوج پر بھارتی درندوں پر اپنا عذاب بھیج اور ان کی نسلیں ہی مٹ جائیں پوری دنیا میں ان کا نام و نشان نہ ملے۔ آمین۔ آفتاب احمد۔ آزاد کشمیر

☆ وعدہ بھی اچھی جا رہی ہے۔ ڈار صاحب کو ہر قسط میں کسی نہ کسی مشکل کا سامنا ضرور رہتا ہے۔ لیکن وہ اس مشکل سے چھٹکارا پا ہی لیتے ہیں۔ میں تو سوچتی ہوں کہ اگر وہ پاکستانی کرکٹ ٹیم کے کپتان ہوتے تو ہماری ٹیم ورلڈ کپ کبھی نہ ہارتی۔ راحیلہ سلیم چشتی۔ منظر گڑھ

☆ پھول کا دروازہ کھول کر جوں ہی ہم اندر داخل ہوئے تو ہر طرف روشنی کی کرنیں ہی کرنیں بکھر گئیں کرنوں سے دماغ کو معطر کر کے اور بے مثال چیز سے پہلو چا کر جوں ہی آگے بڑھے۔ تو بہت سے منتظر چہروں نے ہمارا استقبال کیا میرا مطلب نذیر انبالوی کی کہانی سے ہے کہانی بہت جاندار تھی اور سبق آموز بھی۔ محسن لطیف۔ لوکاڑہ

☆ چائنا کی رپورٹ تصویریں بھی لگیں۔ عمران سیریل ہولی کا انٹرویو بہت ہی مزیدار لگا لیکن اتنا افسردہ عمران سیریل ہولی آج پتہ چلا کہ ہنسنا ہنسانا تو رونے کو چھپانا ہوتا ہے۔ بھیا عمران سیریل ہولی کی طرح پھول سے پچھڑا جانا مجھے کیا میرے دشمنوں کو بھی اچھا لگتا ہے۔ فرخندہ عزیز۔ شیخوپورہ

☆ ولو کیلات ہے اس کی قسمت ہی اور ہے۔ لیلیٰ بہت عرصے بعد اچھے ملے اور اس کا نام بھی پسند آیا۔ کنجی گنج کی کہانی بھی اچھی لگی ہے اب آگے دیکھتے ہیں۔ پھول ساتھیوں کو پیغام دینا چاہتی ہوں کہ پاکستان کی ہار پر دل چھوٹا مت کریں بلکہ ان کی کامیابیوں کیلئے دعا گو رہیں۔ مدیحہ شفیق۔ ملیر کینٹ کراچی

☆ سپورٹس ٹائم میں خدا کیلئے بلیاب شاہد سے کہ کرکٹ کے علاوہ بھی کوئی کھیل شامل کر لیں۔ خدا کی پناہ 2 صفحے کرکٹ جیسے فضول کھیل سے بھرے ہوئے تھے۔ صرف ایک کونے میں ٹینس کو گھسایا ہوا تھا۔
اسد حسان۔ فیصل آباد

میری نظر میں

کارٹونسٹ عمران سہیل بوبی

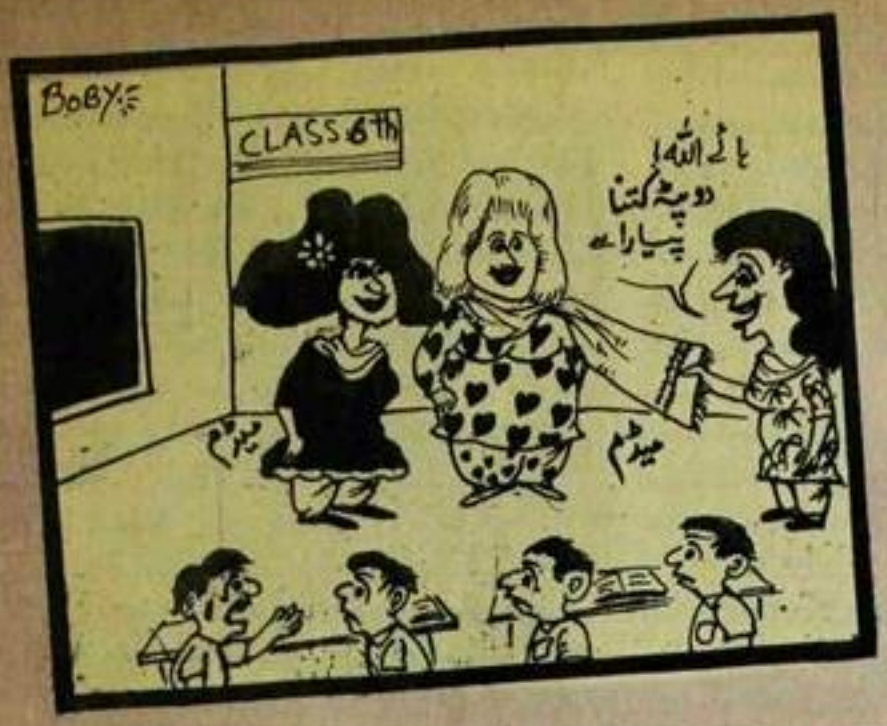

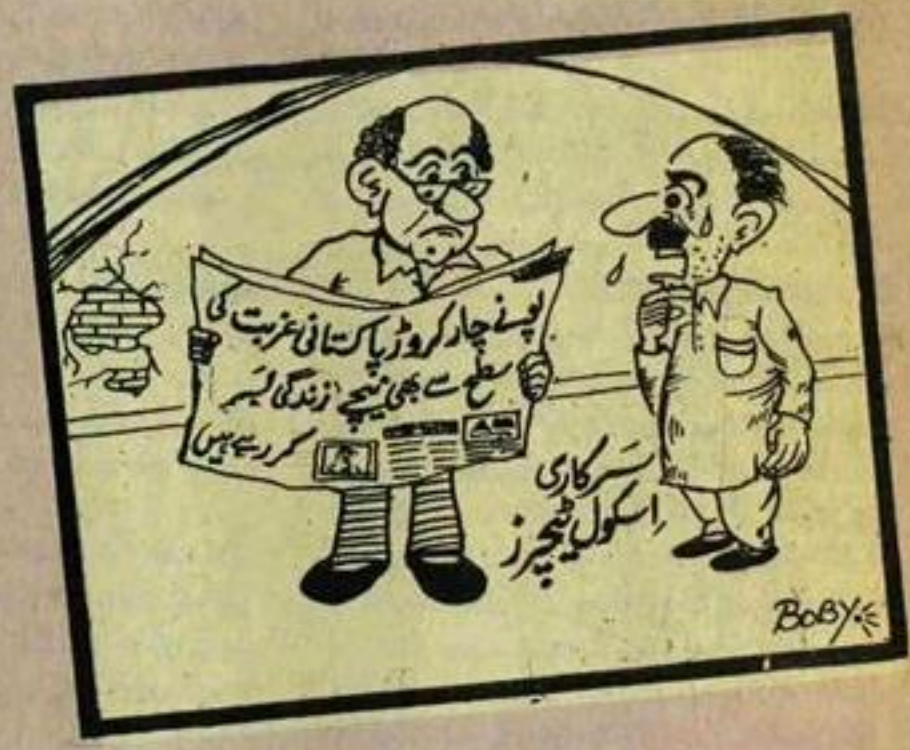

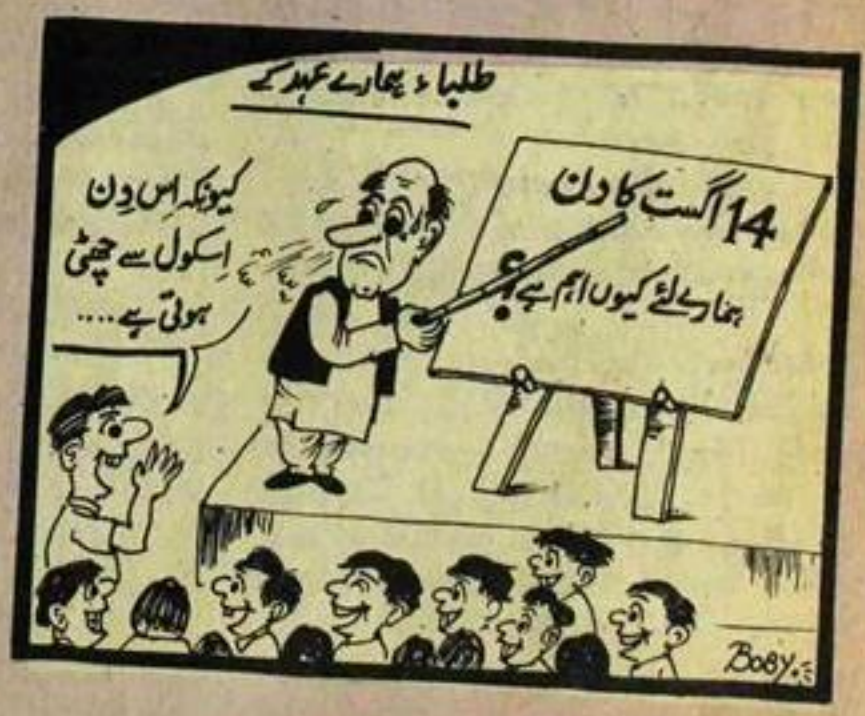

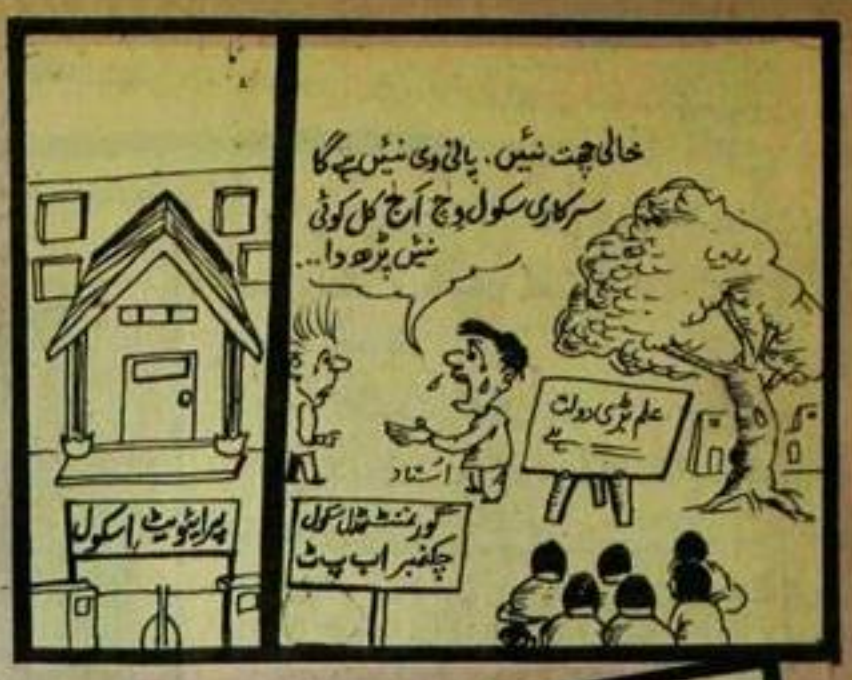

کہ آج کل سارے پرائیویٹ سکولوں میں یہی مقولہ چھایا ہوا ہے

ایسے کلبوں کا ایسا ہی استقبال ہونا چاہئے

ایسا بھی ہوتا ہے

استادیاں

ملک آصف شہزاد۔ رائے ونڈ

ذکر ان استادیوں کا جن سے کبھی نہ کبھی واسطہ پڑ ہی جاتا ہے

یوں تو بچپن سے لے کر بڑھاپے تک ہر بندہ کسی نہ کسی سے استادی کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ ہونے والی استادیوں کا پتہ چل جاتا ہے اور کچھ لوگ بڑے بھولے ہوتے ہیں۔ انہیں آخر اپنے ساتھ ہونے والی استادیوں کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ اپنے 23 سالہ دور زندگی میں ہمیں بھی بہت سی استادیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ کبھی کوئی ہمیں استادی دکھا گیا اور کبھی ہم نے اپنے طور پر مخالف کو اپنی استادی سے مات دینے کی کوشش کی۔ پھول نے جونہی "استاد نمبر" شائع کرنے کا اعلان کیا دل بلیاں بلیاں کرنے لگا۔ کہ اپنی استادیاں "استاد نمبر" کے لئے لکھو۔ بس جی دل کا کہا مانا۔ کاغذ قلم اٹھایا اور اپنے ساتھ ہونے والی استادیاں، ہم سے رزد ہونے والی استادیاں اور آنکھوں دیکھی استادیوں کو یکجا کیا اور آپ کے آگے پیش کر دیا۔

سٹوڈنٹ

یہ کالج دور کی بات ہے۔ ایک دن کالج سے واپسی پر ہم نے سوچا کیوں نہ آج ویگن یا بس کی بجائے ٹرین سے گھر جایا جائے۔ جلدی جلدی ریلوے اسٹیشن پہنچے تو ٹرین روانگی کے لئے تیار تھی۔ ٹکٹ لینے کے لئے وقت بالکل نہ تھا۔ اس لئے جلدی سے ٹرین پر سوار ہو گئے۔ ہم کل پانچ دوست تھے۔ ٹرین چل پڑی اور ہم اپنی خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔ ہمارے ساتھ ایک بزرگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ہماری باتوں کو بڑی دلچسپی سے سن رہے تھے۔ اتنے میں ٹکٹ چیکر آ گیا۔ ٹکٹ تو ہمارے پاس تھے نہیں۔ اس لئے ہم نے پروگرام بنایا کہ ٹکٹ چیکر سے کوئی استادی ہاتھ کرتے ہیں۔ اگر چل گیا تو ٹھیک نہ چلا تو پیسے دے کر ٹکٹ بنوالیں گے۔ چنانچہ جونہی ٹکٹ چیکر نے ہم سے ٹکٹ دکھانے کا مطالبہ کیا تو ہمارے ایک دوست نے کہا "سٹوڈنٹ" اس نے باری باری ہم سے ٹکٹ کا مطالبہ کیا اور ہم نے باری باری سٹوڈنٹ کہہ دیا۔ وہ سر ہلا کر بزرگ کی طرف سے اور ان سے بھی ٹکٹ دکھانے کو کہا۔ بابا جی کے پاس بھی ٹکٹ نہیں تھا، یا ہماری باتوں سے متاثر ہو گئے، بولے

"پتر میں وی سٹوڈنٹ آں"

اتنا کہہ کر بابا جی خاموش ہو گئے اور ہمارے ساتھ ٹکٹ چیکر اور تمام مسافروں نے دل کھول کر قہقہے لگائے۔ بابا جی بھی

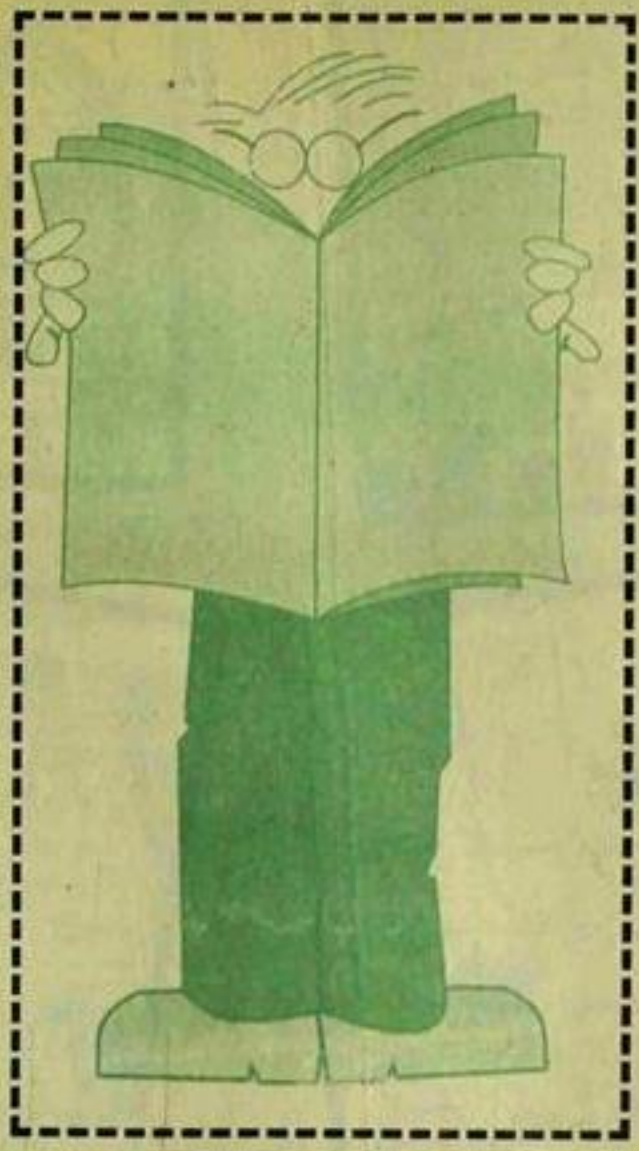

بڑی معصومیت سے سب کی طرف دیکھ کر ہنس دیے۔

ڈرائیور

گرمی زوروں پر تھی۔ ہم سب دوست کالج سے واپسی پر بس میں سوار ہوئے۔ سواریاں بڑی پریشان تھیں۔ بچوں نے گرمی سے گھبرا کر فل واہیم میں رونا شروع کر دیا۔ ڈرائیور صاحب غائب تھے۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ نہانے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ تقریباً آدھا گھنٹہ گزر گیا مگر ڈرائیور صاحب نہ آئے۔ بس فل ہو چکی تھی اور بچوں نے رونے کے ساتھ ساتھ چیخنا چلانا بھی شروع کر دیا تھا۔ ہمارے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا کیونکہ بس کی تمام سیٹیں فل ہونے کے علاوہ سواریاں کھڑی بھی تھیں۔ اچانک شور اٹھا ڈرائیور آ گیا۔ یہ سن کر سب کی جان میں جان آئی۔ مگر یہ کیا وہ تو بڑے آرام سے ڈرائیور سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بس ایک دفعہ ریس دی اور پھر بڑے آرام سے ہارن جانے لگا۔ کنڈیکٹر نے بھی جلدی سے اندر جھانکا اور مسکرا کر دوبارہ سواریوں کو بلانے لگا۔ آخر کار ہم نے ڈرائیور سے نپٹنے کا فیصلہ کیا اور سارے دوست اکٹھے ہو کر ڈرائیور کی طرف بڑھے اور جا کر اسے جا پکڑا اور پوچھا کہ وہ بس کیوں نہیں چلاتا۔ سارے مسافر اور بچے گرمی سے بے حال ہیں۔ تو وہ فوراً ہاتھ جوڑ کر بولا باؤ جی میں ڈرائیور تو نہیں ہوں۔ ڈرائیور نہیں ہو تو پھر ڈرائیونگ سیٹ کیوں سنبھالی ہے۔ وہ جی بس میں کوئی سیٹ خالی نہیں تھی۔ اس لئے میں اس سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس سے پہلے کہ ہم اسے مزید کچھ کہتے ڈرائیور واپس آ گیا اور بس چل پڑی۔ ہم غصے میں کھولتے ہوئے واپس اپنی سیٹ پر آ بیٹھے مگر سارے رستے اس شخص کی استادی پر پیچ و تاب کھاتے رہے۔

استادی استادوں سے.....!

یہ واقعہ سنانے سے پہلے میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ گاؤں کے لڑکوں کے کان شہر کے لڑکوں کی بہ نسبت لمبے کیوں ہوتے ہیں۔ نہیں غور کیا تو خیر ہم بتائے دیتے ہیں۔ وہ اس لئے لمبے ہوتے ہیں کہ سارا سارا دن ماسٹر ان کے کان کھینچتے رہتے ہیں۔ اگر نہیں یقین تو اب غور سے دیکھتے گا۔ چلیں چھوڑیں اس قصے کو اور چلتے ہیں اپنے استادی قصے کی طرف تو واقعہ کچھ یوں ہے کہ ہم پرائمری سکول میں پڑھتے تھے۔ گرمیوں کی چھٹیاں ختم ہوئیں تو چھٹیوں کا کام چیک ہونا شروع ہو گیا۔ ہمارے ایک ٹیچر جو ہمیں مطالعہ پاکستان اور سائنس پڑھاتے تھے بہت سخت تھے۔ کان سے پکڑتے تو اس وقت چھوڑتے جب ایک یا دو انچ لمبا ہو جاتا۔ انہوں نے آتے ہی آرڈر جاری کیا کہ کل تمام بچے کام چیک کروائیں گے ورنہ کان اس وقت چھوڑوں گا جب تک پہاڑی گدھے کے کانوں جتنے لمبے نہ ہو جائیں۔ مجھ سمیت جن لڑکوں نے چھٹیوں کا کام نہیں کیا تھا ان کو چکر آنے لگے مگر ہم جو پورے سکول میں شرارتی مشہور تھے ان سب کو حوصلہ دیا کہ کوئی نہ کوئی حل نکالتے ہیں۔ ہمارے وہ ٹیچر میرے محلے میں ہی رہائش پذیر تھے۔ سکول سے چھٹی کے بعد گھر واپس آ گیا۔ اور سوچنے لگا کہ کیا حل ہو کہ مار سے بچ جائیں۔ یہ سوچ رہے تھے کہ فوراً ہی ذہن نے اس کا حل بتا دیا۔ وہ یہ تھا کہ ہمارے ماسٹر صاحب کی بیوی بیمار تھی اور وہ علاج کی غرض سے اپنے میکے گئی تھی جو جہلم میں تھے۔ میرے ذہن میں ایک زبردست آئیڈیا آ چکا تھا۔ دوسرے دن میں سکول ذرا دیر سے پہنچا۔ ماسٹر صاحب نے ابھی کام چیک کرنا شروع نہیں کیا تھا کہ میں نے جلدی سے ماسٹر صاحب کو بتایا کہ چند آدمی جو کہ جہلم سے آئے تھے آپ کو ڈھونڈ رہے تھے۔ جلدی پہنچیں۔ ماسٹر صاحب نے یہ سنا تو فوراً دوڑ کر گھر گئے کیونکہ گھر میں تو تالہ لگا ہوا تھا۔ فوراً گھر پہنچے تو کوئی مہمان نظر نہ آیا۔ ساتھ والے دکاندار سے پوچھا تو اس نے بتایا تین چار آدمی آپ کو پوچھنے تو آئے تھے۔ یہ سننا تھا ماسٹر صاحب الٹے قدموں سکول واپس آئے، ہیڈ ماسٹر کو ایک ہفتہ کی چھٹی لکھ کر دی اور جہلم کی بس پر سوار ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ تھوڑا سا غور کیا تو میری استادی ان کی سمجھ میں آ گئی۔ ادھر ہم مار سے بچ جانے پر خوشیاں منا رہے تھے مگر آپ کو تو یہ پتہ ہے کہ ہفتے بعد جب وہ واپس آئے تو.....!

پھر اس استادی کے جواب میں ہفتہ پورا نہ ہم ٹھیک طرح سے بیٹھ سکتے تھے اور نہ سو سکتے تھے۔

تعاون
مکتبہ تعمیر انسانیت
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

بچوں اور بڑوں کی دلچسپ کتب کا واحد ادارہ
البدر پبلی کیشنز
23- راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور

تعمیر کردار اور فکری آبیاری میں یکتا کتب کا ادارہ
قومی کتب خانہ
19- غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

صفحہ بتائے انعام پائیے

مرتب : مظہر حسین لاشاری

پھول ساتھیو! اس مرتبہ بھی بہت سے پھول ساتھی اس میدان میں کودے لیکن انعام انہی کے حصے میں آیا کہ قسمت کی دیوی جن پہ مہربان ہوئی' کوشش آپ بھی جاری رکھئے کہ ایک دن آپ کا نام بھی اعزاز کے ساتھ آسکتا ہے۔ لاہور سے تابندہ ریاض' عائشہ ایوب' محمد عظیم' شازیہ عدیلہ' عدنان حسین' ثمرین لطیف' قاضی محمد کویس' افغان گل' رانا اشفاق احمد' رانا اظہار الحق' محمد اطہر خان' سلطان علی' محسن رضا کاشفہ الیاس' راحیل غفار لاہور' محسن رضا گل' صباء فردوس' ہارون الرشید' علی جولو' عاکف نصیر' عائشہ صلاح الدین' شمیم فیاض' ناہید اختر' پروین رضا' افشاں بٹ' محمد کلیم الحق' دانیال رزاق' سعدیہ رزاق' عائشہ ایوب' عمر اسلام' عظیم نعیم' شازیہ عبدالحق۔ کراچی سے قرۃ العین خان غوری' مدیہ شفیق' شمع گل ایوب' عدنان حسن عابدی' رزاق احمد خان' سہیل محمود' علی رضا' ربیعہ حسین' مدیہ امام' ظہیر محمود' عباس مستان' علی حسین' خالد محمود' ساجد علی' ریحانہ صفین' خالدہ لیاقت' سہیل عباس' طیبہ صادق' داؤد شیخ سکرنڈ۔ شیخوپورہ اور واربرٹن سے خالد محمود' شاہدہ رحمن' زاہد محمود' محمد ارشد' محمد افضل' محمد عابد قادری' رانا عابد' محمد نعیم رضوی' افضل بٹ' شبانہ' مدیہ ضیاء' محمد عارف' محمد عامر قادری' محمد نواز انور' شاہدہ رحمن' رحمن غلام نبی' شمائلہ عدیل' حسن سردار۔ ملتان سے سنبل عزیز' کوثر عبدالغفور' شبنم فاضل' رفعت پروین' عاصمہ مبارک' حنیف عمر' ہمایوں سعید' افضالہ فاضل' غزالہ فاضل' سکندر علی' عائشہ شریف' انیلہ انوار۔ بہاولنگر و بہاولپور سے محمد عمران' سید وقاص احمد' رباب خالد' لویس خالد' ربیعہ خالد' سید اسد محمود' منال طاہر' طلال طاہر' نزہیہ قیصہ' نازش نیلی' سعدیہ ارشد' سلمان مشتاق' عمیر یاسمین' ممتاز نور ظفر' سونیا کنول' مظہر حسین لاشاری' رانا عظمت حیات' عطوی حیات' عظمیٰ ناز' موش جبیں' بہلی' عابدہ کینٹ۔ فیصل آباد ضلع بہاولنگر سے : طارق محمود ہیرا' محمد صدیق' محمد اشرف' محمد اعظم ساجد' طارق علی جوئیہ' کاشف علی' مدثر حیات' شکیل امجد سکھیرا' عتیق المصطفےٰ صدر لور عبداللطیف ظفر۔ گوجرانوالہ سے عابدہ رسول' شاکرہ' سیدہ سائرہ' نعمان صدیق' ردا نقوی' مقصود قادر بیگ' یاسمین سلیم کھاریاں' سعدیہ شبیر' عمر فاروق۔ فیصل آباد سے وجیہہ' نایاب شاہد رانا' رانا نعیم احمد خاں' عظیم احمد خان' فریحہ صفدر' فریحہ اظہار' محمد طارق عالم' بشریٰ قزلباش' لیاقت علی' یاور اقبال۔ محمد عدنان خبیر ناروال' محمد عرفان شاہد صفدر آباد' شمائلہ ارشد جھنگ صدر' محمد یامین سرگودھا' عنصر لطیف کامونکی' بینش نیاز سانگھڑ سندھ' عمران صدیق لالہ موسیٰ' صباح ریاست علی پنڈدادنخان' علی زمان گلی بدرال' عائشہ منیر کوٹلی آزاد کشمیر' شوکت علی ایم چنیوٹ' روبینہ کوثر مانکی بدین' محمد وسیم مانکی بدین' محسن لطیف لوکاڑہ' قیصر محمود ڈنگہ' محمد آصف کاہلوں چیچہ وطنی' خالد شکیل جڑانوالہ' صہیب حسن سرگودھا' تحریم اقبال ساہیوال' غلام اکبر چوٹی زیریں' اسماء چودھری ٹوبہ ٹیک سنگھ' کوکب نوشین ڈی جی خان' قدوہ خلیل میرپور' غلام مصطفیٰ عابد' منڈی بہاءالدین' شبیر احمد ترنڈہ محمد پناہ' چودھری محمد اعظم ڈڈیال آزاد کشمیر' حافظہ ربعہ سرگودھا' فرحیا یاسمین سیالکوٹ' سمیرا خان عیسیٰ خیل' ثناء حنیف جڑانوالہ' محمد منشاء بھمبر' عمر جاوید سرگودھا' محسن لطیف لوکاڑہ' صہیب حسن سرگودھا' شازیہ انور میانوالی' کلثوم حضرو' نوشین منظور چیچہ وطنی' سمیرہ عبدالقیوم ایبٹ آباد' عادل خان ٹوپی' نجیف فیض مظفر گڑھ' صباحت جمال میرپور' قاسم ریاض سیالکوٹ' ذوالفقار جھاریاں' راحیلہ عنایت گجرات' شازیہ انور میانوالی' گل محمد دانش دریاخان' نازیہ عارف گجرات' شاہین کوثر منور' ملک عادل اشرف اٹک' احمر سعید گوجرہ' بشیر احمد سرگودھا' محمد فاروق اٹک' ذیشان صادق کوہاٹ' تانیہ میاں چنوں' نرجس غفار میاں چنوں' خالدہ پروین میاں چنوں' افضال طالب' ثناء غزل' سیف اللہ ظفر جرال گجرات' گڈو میاں چنوں' غازی مرتضیٰ' غیور احمد' محمد اشفاق میانوالی' مدثر حسن ڈی جی خان۔ میاں چنوں سے : رامش بتول' غفار احمد' عظمیٰ تبسم' دلدار احمد' عرفان حنیف اٹک' فیضان علی پنڈدادنخان' محمد اختر دیپالپور' شہباز مظفر گڑھ' شائستہ صدیق جہلم' سجاد علی ڈھرکی سندھ' فوزیہ اقبال منڈی بہاءالدین' فصیح احمد سیالکوٹ' مدیحہ طارق مانسہرہ' راحیلہ عنایت لالہ موسیٰ' عمیر جاوید سرگودھا' نصیر احمد ساجد منڈی روڈالہ' سائرہ شفیع سرگودھا' علی رضا گجر دیپالپور' محمد موسیٰ ضلع کوہاٹ' محمد یوسف کوہاٹ' ضیاءالرحمن خان ڈی جی خان' عظیم خان حضرو' شیدین بادشاہ کوہاٹ' اشفاق احمد کوہاٹ' محمد وسیم کوہاٹ' ہدایت اللہ' مشتاق احمد' محمس الدین التمش' ظہیر الدین بابر۔ کوہاٹ سے : چودھری محمد حسن حویلی لکھا' نعمان صدیق پونچھ' رانا محبوب حسن جتوئی ضلع مظفر گڑھ' فرحت روحی رزاق سانگھڑ۔ جھنگ سے : شمائلہ ارشد' عائشہ ارشد' ثناء ارشد' حادیہ شوکت' ہما جبین' عروج فاطمہ خانپور' مدیحہ ظفر چکوال' جولو اکرم اٹک۔

انعامی کوپن

پتہ ماہنامہ پھول-4 شاہراہ فاطمہ جناح لاہور

اس ماہ کے جملے

1۔ ستارے کی قسم کھا کر کہا گیا
2۔ فاطمہ گھریلو عورت تھی
3۔ نام نہاد گولی کھلائی
4۔ اپنے آنے کی اطلاع کر دیجئے
5۔ دوستانہ مزاج کی عدم موجودگی

یہ رہے صفحات کے نمبر

1..... 2..... 3..... 4..... 5.....

نام..... عمر.....

گھر کا پتہ.....

کوئز کی دنیا

1- اسلام کے سب سے کم عمر سپہ سالار کا نام بتائیں ؟
2- قومی ترانے کی دھن کس نے بنائی ؟
3- اس اردو اخبار کا نام بتائیں جسے قائداعظمؒ کی خواہش پر شروع کیا گیا ؟
4- فیصل مسجد کی تعمیر میں کس برادر ملک نے تعاون کیا ؟

کنجی کنج کی

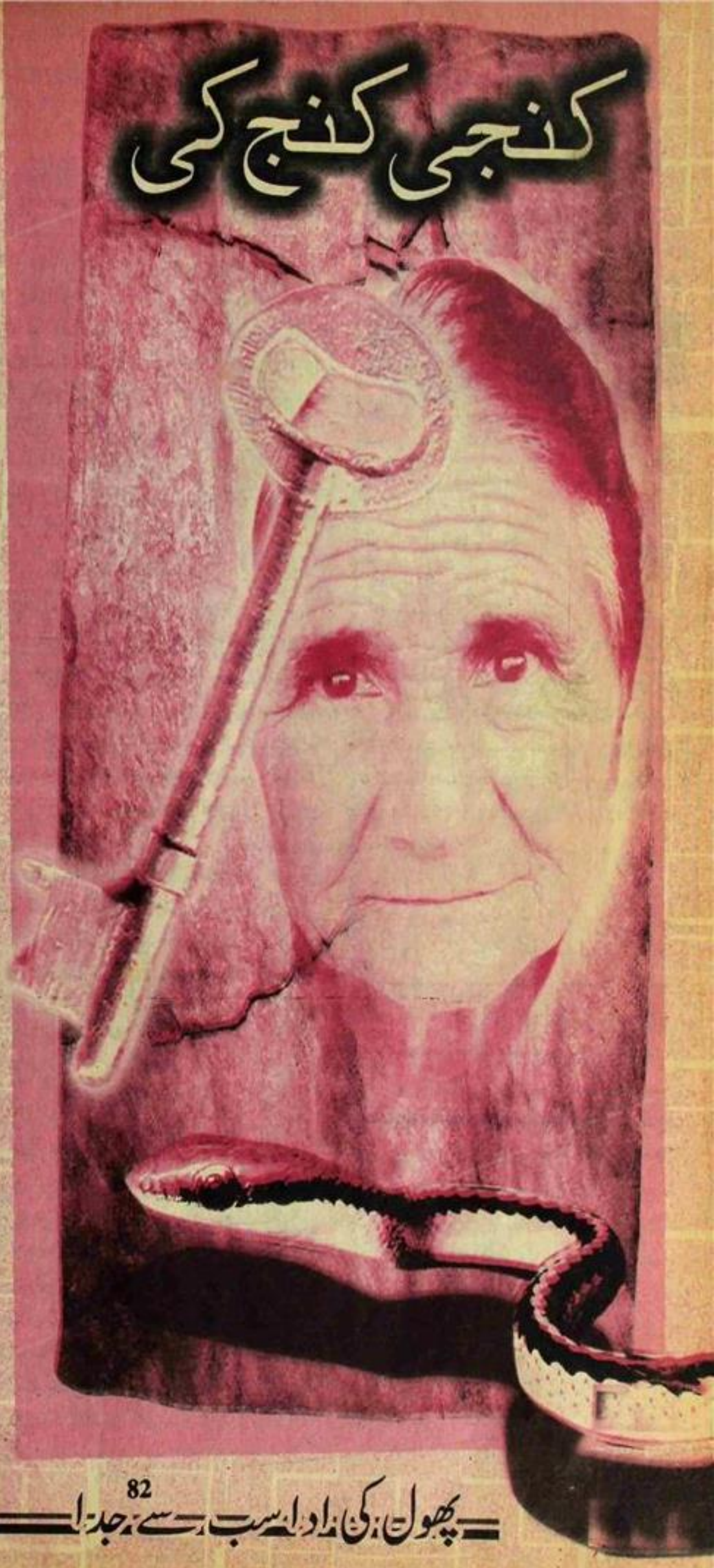

دوسرا حصہ

پرانی گھسی گھسی ہموار سی ٹانکوں پر تازہ صابن کی ہلکی سی نمی بھی موجود تھی۔ اشد گگڑی کا یقیناً کچھ مخصوص سا معمول رہا ہوگا۔ اشد گگڑی شام گئے گھر لوٹا کرتا تھا۔ یقیناً ماں اس کے استقبال کے لئے اپنے کمرہ خزانہ سے نکلا کرتی ہوگی۔ اختیارات اور ملکہ معظمہ کا مکمل سٹیٹس پانے کے لئے کمرہ خزانہ کے دروازے سے آگے برآمدے میں ضرور پنچھی نے تازہ گیلا گیلا صابن ملا ہوگا۔ اور نتیجہ بوڑھی تلخ بزرگ عورت مڑی تڑی حالت میں زمین پر دراز تھی اور آہ وزاریاں مسلسل کئے جارہی تھی۔ اس کی بائیں ٹانگ شاید کولہے کے پاس سے کہیں ٹوٹ گئی تھی۔ بائیاں پاؤں عجیب سے بے ہنگم طریقے سے باہر کو مڑا ہوا تھا۔ مجھے نہیں پتہ کہ اشد گگڑی کو اس بات کا علم ہوا یا نہیں ماں البتہ واضح الفاظ میں اس سارے واقعے کا ذمہ دار پنچھی کو ہی ٹھہرا رہی تھی۔ بلکتی سسکتی بوڑھی عورت کو ہم نے کسی نہ کسی طرح اٹھا کے اندر چارپائی پر ڈالا۔ بلا اتنی دیر میں ایک ایمبولینس نما چیز لے آئے تھے۔ ایمبولینس گھر پہنچی تو بوڑھی عورت نے ہسپتال جانے سے صاف انکار کر دیا وہ چیخ چیخ کر کہتی جارہی تھی کہ ایمبولینس پر جو بھی ہسپتال جاتا ہے وہ پھر چار کاندھوں پر ہی واپس آتا ہے۔ میں یہیں دم دے دوں گی لیکن ہسپتال نہیں جاؤں گی۔ بے شمار تسلیاں دینے پر وہ صرف ایکسرے کرانے پر ہی رضامند ہوئی۔ بعد از خرابی بسیار ہم نے اسے ہی غنیمت جانا اور اسے ایک قریبی ہسپتال لے گئے۔ اس سارے قصے کے دوران پنچھی نے بالکل لاتعلقی نہیں کی اس نے بظاہر لاتعلقی اور بے حسی کا ہی لبادہ اوڑھے رکھا تھا۔ ایکسرے دیکھ کر ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ بائیں ران کی ہڈی جوڑ کے پاس سے بری طرح ٹوٹ گئی ہے۔ یہ صرف آپریشن سے درست کی جاسکتی ہے۔ اور کوئی صورت نہیں ہے دوسرے علاج سے ٹانگ بھی چھوٹی ہو جائے گی اور زخم بھی ٹھیک نہیں ہو سکے گا۔

اس موقع پر پنچھی نے اشد سے کچھ کھسر پھسر کی اشد نے ماں سے کچھ صلاح مشورہ کیا اور دور کسی سیانے کے پاس ماں کو بجا کے ہڈی جڑوانے کا فوری فیصلہ کر لیا گیا۔ میری اور بلا کی آواز زخمی عورت کے فیصلے کے سامنے دب سی گئی۔ پنچھی نے بتایا کہ وہ سیانا اپنے اندازے ٹوٹی ہڈی صحیح طرح سے بٹھا کے ایک خاص گولی نوری کھلا دیتا ہے۔ جس سے ٹوٹی ہڈی فوراً لوہے کی طرح جڑ جاتی ہے۔ پھر اور کہیں سے تو ٹوٹ سکتی ہے۔ وہاں سے نہیں نیم خواندہ زخمی بڑھیا پورے جی جان سے اس مشق ستم کیلئے تیار ہو گئی۔ اپریشن کے تو نام سے ہی اس کی جان جاتی تھی۔ ایسی صورت میں ہم باپ بیٹا سوائے کف افسوس ملنے کے اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ مجھے دل اور افسردہ چہروں کے ساتھ چپ چاپ لوٹ آئے! پنچھی کے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ماں کو سیانے کے پاس بجایا گیا سیانے نے ہڈی کو خوب کھینچ کھانچ کے ماں کی خوب چیخیں نکلوائیں پھر ٹانگ سیدھی کر کے لکڑی کی پھچیاں باندھ دیں اپنی نام نہاد ہڈی لوہا گولی کھلائی اور ماں کو تیز سکون آور دوائی کی پڑیا کھلا کے گھر بھجوا دیا۔ مہینے بعد پھچیاں

استاد اور مالی کا کام ایک جیسا ہے۔ استاد اپنے شاگرد کو بہتر انداز میں پروان چڑھاتا ہے اور مالی پودوں کو۔

ہمارے پیارے والدین اور دوسرے بزرگ محترم ہستیاں زندگی کی کسی پر آزمائش ساعت میں فالج کے مرض میں مبتلا ہو کے ابتر حالات پر دراز ہو سکتے ہیں۔ یا کسی موذی مرض کی گرفت میں آ کے ایڑیاں رگڑنے کی حالت میں آپ کی توجہ کے محتاج ہو سکتے ہیں۔ یا خدانخواستہ کسی حادثے کی وجہ سے عارضی طور پر یا مستقل طور پر بستر کی زینت بن سکتے ہیں۔ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو جان لیجئے کہ مولا نے ان کی خدمت کے ساتھ ساتھ آپ کی آزمائش کا اہتمام بھی کر دیا ہے۔ اس موقع کو غنیمت جانئے اور کبھی بھی ان کی خدمت سے دل چرانے کی کوشش نہ کیجئے بلکہ ہر ممکن طرح سے ان کا دل جیت کر پیارے مولا کی خوشنودی حاصل کیجئے اور اخلاقی اور دینی فریضہ سمجھ کے پر خلوص خدمت کو حرزِ جاں بنائیے۔ خیال رکھیے کہ ایسے مریض کروٹ بدلنے میں آپ کے محتاج ہوتے ہیں ہر پونے گھنٹے کے بعد احتیاط سے کروٹ ضرور دلا دیجئے ورنہ مسلسل ایک جگہ لیٹے رہنے سے جسم کی پشت پر پسینے اور ہوا کی عدم موجودگی کی وجہ سے زخم (بیڈ سورز) بن جایا کرتے ہیں۔ جسم کی بے حسی ان زخموں کے بڑھاوے کا مزید سبب بنتی ہے۔ زخم ایک بار بن جائیں تو بڑی مشکل سے ٹھیک ہوتے ہیں بہت جلدی گہرے ہو کے الگ سے مستقل روگ بن جایا کرتے ہیں۔ انہیں کھلے اور ہوا دار کپڑے پہنائیے پسینے والی جگہیں نرم گیلے کپڑے سے دن میں بار بار صاف کریں گرمیوں میں دن میں دو بار چہرے اور سارے جسم کو صاف نرم گیلے تولئے سے صاف کیجئے۔ پسینے والی اور بستر پر لگنے والی جگہوں پر بالکم پاؤڈر لگائیے دھیان سے کمی کرائیے بستر زیادہ نرم نہ ہو ایسا ہو کہ پشت والے حصوں پر ہوا کا گزر آسانی سے ممکن ہو سکے۔ ان سے باتیں کیجئے دھیان بٹائیے پیارے رسول کریم ﷺ کے صدقے اور اس کے اثرات کے مطابق ہمت بڑھانے والے فرمودات سنائیے! اس سے ان کا حوصلہ بھی بڑھے گا اور زندگی کی نسبت اخروی زندگی سے انسیت میں اضافہ بھی ہوگا۔ یاد رکھیے کہ روزِ آخرت اللہ تو اپنے حقوق آپ کو معاف کر سکتا ہے لیکن اپنے بندوں کے حقوق اللہ بھی معاف نہیں کرے گا۔ صرف وہی بندے معاف کر دینے پر قادر ہوں

بنائی گئیں تو بڈی جوں کی توں زخم پیپ آلود ماں بے چاری چلنے سے بھی معذور ہو گئی۔ ٹانگ چھوٹی ہو گئی تھی اور بہت کمزور بھی ہو گئی تھی۔ مسلسل لیٹے رہنے سے ماں کے جسم کے زیریں حصے اور کمر پہ زخم بننا شروع ہوئے تھے مناسب دیکھ بھال نہ ہونے سے زخم خراب ہونا شروع ہوئے تو مجھی نے ماں کو چارپائی سمیت کمرہ خزانہ سے بے دخل کر کے ایک تاریک سی کوٹھڑی میں پہنچا دیا۔ ماں نے بھی شاید نوشتہ تقدیر پڑھ لیا تھا حیرت انگیز طور پر وہ چپ چاپ ہو گئی تھی اپنی ویران خالی آنکھوں سے وہ بس اپنی "فرماں بردار بہو" کو تکتی رہتی تھی۔ اشد لگڑی کا رویہ ہم لوگوں کیلئے بہت حیرت کا باعث تھا وہ مکمل طور پر مجھی کی بنائی اور سمجھائی گئی لائن پر آنکھیں بند کئے چل رہا تھا ماں کی حالت پر وہ ہر بار اللہ کی مرضی کہہ کے چپ ہو جایا کرتا تھا۔ یہ بتانے کی تو ضرورت نہیں ہے کہ کمرہ خزانہ کی کنجی حسب پلاننگ ساس کو رستے سے ہٹا کے زبردستی مجھی نے حاصل کر لی تھی اب وہ مکمل اختیارات اور سیاہ و سفید کی مالک تھی۔ اس کی خونی رشتوں نے بوڑھی عورت کو دھیرے دھیرے دنیا سے ہی لاتعلق کر دیا تھا۔ دیکھ بھال تو ایک طرف جب بھی کی بات ہی نہ پوچھی جائے تو بھی مٹنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ اپنی کل وقتی ماں ایک جز وقتی مائی کو سونپ کے اشد لگڑی اپنی معمول کی سرگرمیوں میں پھر سے محو ہو چکا تھا۔ ماں اب بھی اس مرحلہ پر تھی جہاں تھوڑی سی دیکھ بھال کر کے اسے تندرست اور صحت مندی کے خوبصورت رستے پر گامزن کیا جا سکتا تھا۔ میری والدہ کبھی بھی عورت کی تیمارداری کرنے جاتیں تو ازحد افسردہ ہو کے ہی لوٹتیں جب سب کچھ چاہ کر کر سکنے کے باوجود آپ بے بسی محسوس کریں تو ایسا ہی تو ہوا کرتا ہے۔ مجھی یقیناً افلاس زدہ ماحول سے نکلی تھی اس کی زندگی رنگ برنگی محرومیوں سے عبارت رہی ہو گی۔ ایسے حالات میں ذہن تعمیری سوچ کی بجائے شارٹ کٹ اور اکھاڑ پچھاڑ کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے یوں چھوٹی بڑی سازشوں کے ان گنت بیج ذہن کی تخریبی زمین میں اگ آتے ہیں۔ یہ بہت تیزی سے بڑھتے ہیں شیطان کے روپ میں ساری منفی قوتیں ان کی بڑھوتری اور افزائش میں لگی رہتی ہیں اور پھر آخر کار کوئی اپنے حق سے کوئی اپنے پیار سے کوئی اپنی جائیداد سے کوئی اپنے سکوں سے اور کوئی خوش بداعتمادی سے محروم ہو جاتا ہے۔ مجھی ان چاہے طریقے سے ایسی ہی بھول بھلیوں میں پھنسی رہتی تھی۔ اپنے ٹوٹے ہوئے گھر کی نسبت نیا گھر اسے ہر لحاظ سے بہتر لگا تو اس کے الجھے خیالات پہ سازشوں کے کانٹے اپنے آپ اگتے چلے گئے یہ سوچے اور جانے بغیر کہ کانٹے اپنے اور بیگانے میں فرق روا نہیں رکھا کرتے۔ مجھی کی خطرناک مہم کا پہلا مرحلہ اپنی ساس کو معذور کر کے تخت سے معزول کرنا تھا۔ گھر کی کنجی ملنے کے بعد بھی جب سازشی طبیعت کی سیری نہ ہوئی تو معذور ساس کا وجود بھی ایک کانٹا بن گیا۔ اب بے توجہی، بے نیازی اور لاتعلقی کے حربوں سے کام لیا گیا اور مجبور معذور بزرگ عورت موت کی ڈھلوان پر تیزی سے پھسلنے لگی۔ سردیوں کی ایک شام میری والدہ بھی عورت کی تیمارداری کرنے گئیں کہ کسی بھی کا نیک چاہنا چل کر اس کے پاس جانا اس کا حوصلہ بڑھانا اس کے دکھ درد میں شریک ہونا اس کے پاس بیٹھنا سیدھا جنت کے راستوں پر لے جاتا ہے۔ کسی کا برا سوچنا تو بہت آسان کام ہے لیکن کسی کا بھلا سوچنا بہت مشکل کیونکہ اس کے لئے آپ کو اپنی ساری شیطانی قوتوں سے لڑنا اور انہیں مغلوب کرنا پڑتا ہے۔ اس شام مجھی نے ماں کو بھی عورت سے ملنے نہ دیا کہا کہ وہ سو رہی ہے آرام کر رہی ہے والدہ نے بھی محسوس تو کیا لیکن دوسرے کے گھر میں وہ اپنی مرضی تھوپ نہیں سکتی تھیں۔

دو رخصت لے کر باہر آنے کیلئے کوٹھری سے قریب گزریں تو اندر سے انہیں کسی بھاری چیز کے زمین پر گرنے جیسی آواز آئی وہ بے اختیار ہو گئیں بلاشبہ انہیں بے اختیار ہونا ہی چاہئے تھا۔ انہوں نے بھی کی بداعتمادی کی پروا نہ کرتے ہوئے بند دروازہ کھولا تو شدید بدبو کے ایک زوردار ریلے نے انہیں دو قدم پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ ناک پہ دوپٹہ رکھ کے وہ بمشکل دل کے ساتھ اندر داخل ہوئیں اور بمشکل ایک زرد روشنی بلب جلانے میں کامیاب ہو گئیں۔ اندھیر کوٹھری کا اندھیرا منظر دیکھ کر دور دور پڑیں مجبور بھی عورت اسہال کے مرض میں مبتلا ہو چکی تھی۔ اس کا سارا بستر، لحاف اور وہ خود انسانی غلاظت میں لتھڑی پڑی تھی۔ لحاف کے کسی خشک حصے کی تلاش میں وہ ناتواں عورت اندھیرے میں اپنا توازن کھو چکی تو گر کے اسے بالآخر زمین نے سہارا دے دیا۔ جسمانی توازن کے ساتھ وہ ذہنی توازن بھی کھو چکی تھی۔ مجھی کے اس اخلاقی گراوٹ کے مظاہرے پر بے بس والدہ واپس گھر آئیں ان کی حالت دیکھ کر ہم دونوں دل مسوس کے رہ گئے۔ لیاس کے گھروں سے کچھ خواتین کو والدہ کی مدد کے لئے لے آئے۔ میں جا کر ایمبولینس لے آیا۔ اللہ ان خواتین کو اجر دے۔ انہوں نے بڑی ہمت سے تیز بدبو میں پھنکتی غلاظت میں لت پت معذور عورت کو کمرے سے نکالا اسے نہلایا، کپڑے بدلے، پھر اسے ہسپتال لے جایا گیا۔ ڈاکٹرز بھی اس کی حالت دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ خاتون کی زیریں کمر اور ران کو لیے بدترین بیڈ سورز کا شکار ہو چکے تھے بڑے بڑے گہرے زخم اور ان میں چلتے پھرتے کیڑوں کو دیکھ کر سب توبہ توبہ کر اٹھے۔ پانی اور نمکیات کی شدید کمی کو ڈرپس سے پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔ رنگ برنگی ادویات اور ٹیکے شروع کرائے گئے لیکن خراب زخموں اور اسہال نے معذور عورت کی حالت انتہائی تشویش ناک بنا دی تھی۔ زہریلے اثرات نے سارا جسم مسموم کر دیا تھا۔ ڈاکٹروں کی سر توڑ جدوجہد کے باوجود بھی وہ ناتواں عورت زندہ نہ رہ سکی اور نیم بے ہوشی کے عالم میں رات کے پچھلے پہر آزمائش سہتے سہتے اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہو گئی۔ موت سے قبل مختلف جسمانی تکالیف بخار اور دوسری آزمائش جہنم کی آگ کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔ جو بندے کو گذشتہ گناہوں سے نجات دلانے کے لئے تریاق کا کام کرتی ہیں۔ یوں انسان گناہوں کا عذاب موت سے قبل جھیل کر جنت کی خوشبو کو محسوس کرنے کے لائق ہو جاتا ہے۔ ان آزمائشوں پر کسی کے گناہگار ہونے اور نہ ہونے پر کسی کو نیک سمجھنے کا رویہ درست نہیں ہے۔ مرحومہ خود تو عذاب در عذاب جھیل کے زندگی کی قید سے آزاد ہو گئیں لیکن ہمیں مستقل احساس جرم میں مبتلا کر گئیں۔ کچھ ہی ہفتوں کے بعد پھر ایک شام کام سے واپسی سے لوٹتے ہی اشد بدحواس اور دہشت زدہ حالت میں ہمارے گھر آن گھسا اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ ہم سراسیمگی کی سی حالت میں اس کے گھر پہنچے تو کمرہ خزانہ میں ایک دلدوز نظارہ ہمارا منتظر تھا۔ ہم سب یکے بعد دیگرے آ گئے۔ مجھی ایک چارپائی پر بری طرح تڑپ رہی تھی اس کے چہرے پر ایک چھوٹا سا سیاہ رنگ کا سانپ سرسرا رہا تھا مجھی کے جسم کے ہر مسام اور ہر سوراخ سے خون نکل رہا تھا رنگت سیاہی مائل ہو چکی تھی تشنج نما جھٹکے اسے مسلسل لگ رہے تھے ہمیں دیکھ کے سانپ خاموشی سے چارپائی سے اترا اور ہماری نظروں کے سامنے ایک دیوار میں گھسنا شروع ہو گیا۔ ہمیں ہوش تب آیا جب سانپ سارے کا سارا دیوار میں غائب ہو گیا۔ سانپ دیوار کا حصہ بن گیا تو ہم نے دیکھا کہ اس دیوار میں تو کوئی بھی سوراخ نہیں تھا حتیٰ کہ جس جگہ سے سانپ دیوار میں داخل ہوا تھا وہاں بھی کوئی سوراخ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بے بس اور مجبور ہستی کے ساتھ ظلم پر ظالم کو اپنی انصاف کی عدالت میں کھینچ لیا تھا۔

گر ایسا نہ ہوتا تو

سلمیٰ فیصل لوچ شریف

ماں سکھانے والے کو کیا کہتے ہیں؟ گل نے دانے صاف کرتی اپنی ماں کو مخاطب کیا۔ ان کے ہاتھ رک سے گئے..... گل پتر تو یہ باتیں کس سے سیکھتا ہے؟ کون تیرے ذہن کے بند دریچوں کو آہستہ آہستہ کھولے جارہا ہے ہاں بتاناں ذرا..... ماں پہلے میرے سوال کا جواب تو دے ناں..... وہ سب باتیں نظر انداز کر کے بولا تو فاطمہ گہرا سانس لے کر رہ گئی..... گل پتر، صدیوں پہلے جب مسلمان قوم جہالت اور گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی تو رب کائنات نے زمین والوں کیلئے ایک رہنما ایک مسیحا بھیجا جس نے بتایا کہ ہمارا خدا کون ہے۔ ہماری زندگیاں کن کاموں میں بسر ہونی چاہئیں جس طرح ہمارے جسم کو غذا کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اسی طرح ہماری روح کو عبادت، ذکر اللہ کی غذا چاہئے تو گل پتر سیدھے راستوں کی تلقین کرنیوالوں کو، ایک جاہل کو عالم بنانے والوں کو، اندھیروں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لے جانے والوں کو رہنما، استاد، محسن کہتے ہیں۔ یہ رہنما اچھی باتیں سکھانے کے علاوہ زندگی کے صحیح اور مثبت طور طریقے بھی سکھاتے ہیں وہ یہ بھی سکھاتے ہیں کہ زندگی کو کن کاموں میں گزاریں، اور کن کاموں سے دور رہیں۔ بس یا کچھ اور بھی پوچھنا ہے؟ فاطمہ سوالیہ نگاہوں سے بیٹے کو دیکھنے لگی جو آنکھوں میں اُلجھن لئے بغور اسکی باتیں سن رہا تھا..... نہیں ماں اور کچھ نہیں..... وہ ڈھیلے لہجے میں کہتا باہر چلا گیا تو فاطمہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا اور چھاج دانوں سے بھر لیا۔

قاسم درمیانے درجے کا زمیندار تھا وہ اپنی زمینوں پہ پھل، سبزیاں اناج وغیرہ اگاتا اور گھر کی گذر اوقات کو احسن طریقے سے پورا کرتا فاطمہ گھریلو عورت تھی گل ان کی اکلوتی اولاد تھی۔ نٹ کھٹ سا گل پورے گاؤں کو عزیز تھا وہ شرارتیں بھی کرتا مگر اسکی شرارتیں دیکھ کے سب محظوظ ہوتے، کسی کی ذات کو نقصان نہ پہنچتا تھا۔ چھوٹا موٹا کام کرنے کیلئے وہ ہر لمحہ چوکس رہتا بہت ذہین اور ہوشیار تھا وہ! کچھ دنوں سے فاطمہ محسوس کر رہی تھی کہ اب اسکی معصوم شرارتوں میں جان باقی نہیں رہی اس کے شوخ چہرے پہ ان دیکھی فکروں کی پرچھائیں فاطمہ کا دل ہولا گئیں وہ تو اس گھر کا مہکتا ہوا پھول تھا، شور مچاتا ہوا جھرنا تھا پھر یہ سب کیوں؟ وہ جتنا سوچتی اتنا الجھتی۔ آخر ایک دن اس نے پوچھ ہی لیا گل نے سن کے بڑے اطمینان سے کہا..... ماں بس وقت ہم سوچتے ہیں کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں وہ غلط ہے تو ہماری آدھی زندگی گذر چکی ہوتی ہے۔ شرارتیں کرتا محض یہ سوچ کے کہ یہ میری عمر کا تقاضہ ہے لیکن نہیں، میں غلط تھا۔ میری یہ عمر تو اچھے عمل، اچھی باتیں سیکھنے کی تھی لیکن کوئی راہ دکھائی نہ دے رہی تھی اور جب منزل دھندلی ہوئی دکھائی دے تو کسی رہنمائی کرنیوالے کی تلاش میں آنکھیں سوگوار ہیں۔ سو انسان کا الجھنا فطری ہے میں بھی ان تمام انسانوں میں سے ایک تھا سو میں بھی الجھ گیا تب ہی آپ سے پوچھا تھا کہ سکھانے والا کون ہوتا ہے۔ گاؤں کی حدود سے باہر ایک پیپل کا بڑا سا درخت ہے اس درخت تلے ایک رہنما کو اللہ میاں نے ہماری رہنمائی کیلئے بھیجا ہے اماں، ہمارے گاؤں کا وڈیرا اپنے عیش و عشرت کی خاطر لاکھوں روپے خرچ کرتا ہے تو بابا کو بول کسی کھلی جگہ چار دیواری قائم کروادے۔ اماں یقین کر تو اس چلچلاتی دھوپ میں جب استاد اچھائی کا سبق قطرہ قطرہ ہمارے کانوں میں رس کی مانند ٹپکاتا ہے تو دھوپ ٹھنڈا سائبان بن کے ہمارے وجود کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اماں وہ بہت اچھا ہے۔ اماں کسی انسان کو سمجھنے کیلئے کبھی ایک لمحہ کافی ہوتا ہے تو کبھی ایک صدی..... مگر اماں یہ شخص ایک کھلی کتاب کی مانند ہمارے سامنے آیا ہے وہ کتاب، جسکا ایک ایک لفظ قیمتی ہے۔ محبت کے، خلوص کے پھول سجے ہوئے ہیں تو بابا سے بولے گی ہاں! گل کے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں مضبوطی تھی، یقین اور اعتماد تھا اسکا یہ بیٹا تو مکمل "انسان" لگ رہا تھا۔ ہاں بیٹا کہوں گی..... وہ خوشی سے آئے آنسوؤں کو اندر قید کر کے بولیں تھیں۔ زوار حسن، تو جانتا ہے کیا کہہ رہا تو؟ تجھے یہ ہمت کس نے دی ایسے مشورے دینے کی ہاں؟ گاؤں کا بڑا وڈیرا غصے کی شدت سے اٹھ کھڑا ہوا تھا جب گل کے بابا نے بات کی کہ سائیں، درخت کی چھاؤں تلے علم کی روشنی پھیلانے والے کو صرف چار دیواری کی ضرورت ہے اور اسی بات پہ وڈیرا بھڑک اٹھا اور سامنے کھڑے زوار کو کھری کھری سنا ڈالیں۔ زوار حسن..... کبھی تمہیں خود پہ کتنا گماں تھا کہ تمہارا ہتھیار تمہاری محبت ہے، تمہاری طاقت تمہارے اندر تک ٹھاٹھیں مارتی محبت ہے، مگر نشہ اترا ہے خوابوں کا تو کھلا ہے محبت! محبت تو اس دنیا میں کسی بشر کی ضرورت اور مجبوری نہیں، لوگوں کو حاجت ہے۔ اعلیٰ اسٹیٹس کی اونچی سوسائٹی میں جانے کیلئے سہاروں کی، بہت ڈھیر ساری دولت کی، جہاں رشتے بھی محض آگے بڑھنے سیڑھیاں بننے کیلئے بنائے اور توڑے جاتے ہیں جہاں لفظوں، کتابوں، اور محبت کی باتوں کو خلل دماغی سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا جاتا اور تم..... تم اس دنیا میں چلے آئے تھے اس دنیا کے ریشم کو ہاتھ میں لے کر خواب گاڑنے کی تمنا رکھتے تھے تم کتنے ناسمجھ ہو، کس قدر غلط نقطہ پر وقت سے دنیا سے لڑ رہے ہو، بعض محبتوں میں اختیار استعمال کرنے کو دل نہیں چاہا کرتا بس ہارنے اور ہارتے چلے جانے کی ہوک رہتی ہے..... وڈیرا نواز اس کے بچپن کا یار بیلی تھا وہ کچھ اونچائی کو چلا گیا تو کیا ہوا، لیکن نواز کو دیکھ کر اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے یادوں کے سارے پنچھی ایک ایک کر کے اس

نے گمنام راستوں میں چھوڑ دیئے ہوں۔ یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا ورنہ وہ اسے اسکی لوقات یاد دلانے کی بجائے اس کے مشورے کو دل کی کتاب پہ لکھ لیتا لیکن نہیں، کبھی کبھی محبتیں یونہی لرزاں ہو جاتی ہیں سوزولر نے جھکا سر اٹھایا چین کی کوئی ہلکی سی پرچھائی نواز کے چہرے پہ تلاش کرنی چاہی مگر ناکام ہو کر ڈھیلے قدموں سے باہر نکل گیا۔

کیا ہوا؟ کیا کہا لور نواز نے؟ اس کے گھر داخل ہونے پہ فاطمہ لیک کے اس کے پاس آئی تھی۔ زولر نے دور بیٹھے گل کو دیکھا جو آنکھوں میں امید، آس کے دیئے جلائے اسی کی طرف متوجہ تھا..... انسان کے خواب ہمیشہ سے اس کیلئے "تقویت گاہ" ہوتے ہیں اس کیلئے مقتل تعمیر کرتے ہیں۔ فاطمہ محبت اتنی بے تاثیر چیز ہے کیا مجھے واقعی اسکی ماہیت سمجھنے میں غلط فہمی رہی۔ سدا لوگ کہتے ہیں قطرہ قطرہ گرتا رہے تو پتھر میں بھی سوراخ ہو سکتا ہے۔ مگر مجھے دیکھو، میں اس محبت کے بوجھ سے پارہ پارہ ہو گیا مگر کسی نے اسکی طلب نہ کی۔ نواز نے میرا مان ہی نہ رکھا سو تہی داماں آیا ہوں..... بابا..... تہی داماں تو وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے دامن میں کچھ نہ ہو..... آپکو تو خوش ہونا چاہئے تھا کہ آپ کی بھولی کبھی نہ ختم ہونے والی دولت سے بھر چکی ہے۔ علم کی دولت، جو انسان کو ہمیشہ سیراب رکھتی ہے کبھی پیاسا نہیں رہنے دیتی وڈیرا نواز کا رونامت روئیں کیا ہوا اگر اس نے چار دیواری ہوا کے نہ دی تاریخ پہ نظر دوڑائیں تو علم ہوگا کہ کیسی کیسی عظیم ہستیوں نے چلچلاتے صحراؤں میں نعرہ حق بلند کیا، اسلام کا پرچم سربلند کیا، اور ہمارا سائباں تو وہ پیپل کا درخت ہے سو غم کیسا مقصد اچھائی کی تعلیم دینا ہے چاہے وہ پیپل کے درخت تلے دی جائے چاہے چار دیواری کے اندر، ہیں ناں بابا، میں نے ٹھیک کہا ناں؟ گل جونہ جانے کب اس کے پیچھے کھڑا اسکی باتیں سن رہا تھا بول پڑا تھا..... ہاں بیٹا، تو تو ہمارے آنگن میں کھلنے والا وہ خوشنما پھول ہے جسے سورج کی جدت بھی مرجھانے میں ناکام رہے گی..... وہ بھرائی آواز میں کہتا کمرے میں چلا گیا..... بابا بھی بس بھولے سے ہیں..... وہ سر جھٹکتا دوبارہ اسی جگہ چلا گیا جہاں پہلے بیٹھا تھا۔ ارے بیٹا..... تم نے چار دیواری کی خوشخوابات کی لب تمہارے بابا جان کو بھی دکھ اٹھانا پڑا۔ نہیں استاد جی..... آپکی ذات کی خاطر یہ دکھ اتنا بڑا نہیں ہے، وہ اس کے ہاتھوں کو عقیدت سے تھام کے بولا تو وہ بڑے شفق انداز سے مسکرائے..... گل بیٹا آج کا انسان ظاہری حالت پہ مرتا ہے باطن چاہے سیاہ ہی کیوں نہ ہو..... نہ جانے تم نے مجھے اتنے اونچے مقام پہ کیوں بٹھا رکھا ہے حالانکہ میں تو ایک بھکاری ہوں تب بھی، تب بھی..... آنسوؤں کا پھندا ان کے گلے میں اٹک سا گیا، استاد جی، جب سے آپ یہاں آئے ہیں میں نے کبھی آپکو مانگتے نہیں دیکھا پھر آپ بھکاری کیسے ہوئے بھلا؟ اس کے معصومانہ سوال پہ راشد ہنس دیئے..... ارے بھئی میرا حلیہ ہی بھکاریوں جیسا ہے تب میں بھکاری ہو ناں؟ وہ مخصوص انداز میں بولے گلو گل روٹھے لہجے میں دوبارہ اپنے سوال کا جواب پوچھا، گل بیٹا، میری داستان اتنی لمبی چوڑی نہیں۔ تمہارے گاؤں سے پچاس کلو میٹر دور میرا گاؤں ہے۔ میرے والدین حیات نہیں ہیں۔ یکم ایک بچے کی پیدائش کے بعد تنہا چھوڑ گئی وہاں گاؤں میں اچھا کھاتا پیتا شمار ہوتا تھا۔ میرا بچہ بلال بہت معصوم اور پیارا بچہ تھا۔ گاؤں میں میں اپنے گھر میں بچوں کو تعلیم دیتا مفت، محبت میں بہت طاقت ہوتی ہے اگر خلوص نیت سے کی جائے تو، یہی وجہ کہ دوسرے گاؤں سے بھی معصوم بچے رستہ تھامے آنے لگے۔ میرا من روشن روشن سا ہو جاتا جب کوئی بچہ کہتا۔ ہمارا رب ایک ہے، رسول (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) ایک ہیں۔ ہمارا دین ایک ہے..... میرا سیروں خون بڑھ جاتا..... لیکن جہاں خیر ہو وہاں شر کی موجودگی بھی لازمی ہے۔ گاؤں کے چودھری یہ برداشت نہ کر سکے کہ علم کی خوشبو پھیلے وہ ان پھولوں کو مہکتا ہوا نہ دیکھنا چاہتے تھے۔ مجھے انہوں نے بہت دھمکیاں دیں مگر میں نے کچھ نہ سنا پھر ایک دن..... صبح..... دروازے پہ میر لیٹا..... میر لبلال..... خون میں نہلایا ہوا پڑا تھا..... اور اسی حالت میں انہوں نے مجھے پاگل قرار دے کر گاؤں سے نکال دیا میں پھرتا پھراتا یہاں آگیا میرا حلیہ ایسا ہو گیا کہ لوگ بھکاری سمجھنے لگے..... وہ افسردگی سے مسکرائے تو ان کی مسکراہٹ میں ہزاروں نوحوں کی عکس محسوس کر کے گل کی آنکھیں بے ساختہ جل تھل ہو گئیں، استاد جی، وہ دور گذر گیا جب استاد کے قدموں کے نشان لوگ چوما کرتے تھے۔ اب پتھر مارنے سے دریغ نہیں کرتے آپ..... آپ ہمارے گھر رہیں ناں..... گل لو اسی سے بولا تھا..... نہیں بیٹا..... اس گاؤں کا چودھری بھی روایتی سا ہے۔ روشنیوں، خوشبوؤں سے دور بھاگنے والا..... حقیقت کا سامنا نہ کرنے والا..... پتہ نہیں ایسے لوگ اتنے بے مہر سے کیوں ہوتے ہیں..... وہ کیوں نہیں چاہتے کہ ننھا پودا ایک تناور درخت بنے پتہ ہے یہ کیوں نہیں ایسا چاہتے؟ صرف اس لئے کہ یہ اندر سے خوف زدہ ہیں، احساس محرومی یا شاید احساس برتری میں مبتلا ہیں۔ ایسے لوگ خود پسندی اور اپنی جھوٹی انا کے خول میں قید رہنا پسند کرتے ہیں وہ اگر خود مطمئن نہیں تو نہیں چاہتے کہ دوسرے مطمئن ہوں..... گل بیٹا..... میں نے وہ روشنی تمہارے اندر پھیلا دی ہے کہ جتنا بھی اسے پھیلاؤ گے کبھی ختم نہ ہوگی۔ میں نگر نگر گھومنے والا بندہ بن چکا ہوں۔ میری مثال اس بادل کی سی ہے جو ایک جگہ نہیں برستا، سونہ جانے تمہارے جیسے اور کتنے گل میری راہ دیکھ رہے ہوں گے..... بوند بوند قطرے کو ترس رہے ہوں گے۔ بیٹا میں اپنا عکس، اپنے خیالات تمہارے اندر داخل کئے جا رہا ہوں۔ انہیں کبھی ماند مت پڑنے دینا ہمیشہ اچھائی کا سبق دینا جو تم سے برائی کرے بدلے میں اپنی ساری محبت اس پہ انڈیل دینا اب چلتا ہوں۔ خوش رہو! وہ اٹھا اور نئی منزل کی جانب، نئے راستوں کی جانب روانہ ہو گیا اور گل دامن میں ان کی محبتوں کے ڈھیر سارے پھول سمیٹے تھکے تھکے قدموں سے اپنے گاؤں روانہ ہو گیا۔

گل پتر آج باہر نہیں گیا تو خیر تو ہے ناں؟ فاطمہ چارہ کاٹ کے ایک جانب کھڑی بکری کو کھلاتے ہوئے بولی جو شدت بھوک سے تلملائی کھڑی تھی۔ لاں..... وہ لوگ جو بدن میں خون بن کے، سانسوں میں خوشبو بن کے سما جائیں دل میں گھر کر لیں وہ اچانک بچھڑ جائیں تو سنبھلنے میں کچھ وقت تو لگتا ہے ناں؟ اگر زخم بھی لگے تو ایک دن میں نہیں بھرتا کچھ وقت میسر ہو..... لاں لوگ ایسے کیوں ہیں؟ جیسا کہ نواز چاچا؟ ایسے لوگ اچھے حاکم تو نہیں بن سکتے ناں جو اپنی دائرہ کار میں آئی مخلوق خدا کا حق ہی ادا نہ کر سکیں، انہیں اچھائی کا سبق ہی نہ پڑھا سکیں جو محبتوں کی خوشبو کو قائم رکھنا نہ سیکھ لیں لاں وہ لوگ صحیح حاکم کیسے ہو سکتے ہیں؟ ہم ان کے حکموں پہ سر تسلیم خم کیوں کریں؟ جو غلط ہیں ہم انہیں صحیح کیسے کہیں؟ سکھانے والوں کی عزت ان کی نگاہ میں کچھ نہیں تو ہم ان کی عزت کس برتے پہ کریں؟ ان کے آگے سر کیوں جھکائیں؟ لاں اگر ایسا نہ ہو تو کتنا اچھا ہو، شانتی کا بھرپور احساس ہو، یہی المیہ ہے کہ ہم سکھانے والوں کی قدر نہیں کرتے تب ہی تو وطن کے پھول بے رلو روی کی جانب محو سفر ہیں..... ایسا کب تک ہوگا؟ صحیح رہنمائی کرنے والوں کی ان کی منزلوں کا کوئی تو پتہ دے؟ کوئی تو بتائے کہ روشنیوں کی چھب دکھانے والے خود اندھیروں میں کیوں ڈوبنے پہ مجبور ہیں؟ کوئی تو اپنا احتساب کرے.....؟

یہی جنوں کا یہی طوق دار کا موسم
یہی ہے جبر یہی اختیار کا موسم
بلا سے ہم نے نہ دیکھا تو اور دیکھیں گے
فروغ گلشن و صوت ہزار کا موسم

ایک خط استاد کے نام

محترم ٹیچر میں سوچ رہی ہوں کہ میں اپنی بات کی ابتدا کہاں سے کروں شاید میرے الفاظ میرے جذبات کا پورا ساتھ نہ دے سکیں۔ آپ کے پاس روزانہ کئی طالب علم زیور تعلیم حاصل کرنے کیلئے آتے ہیں ان طالب علموں میں کچھ زیادہ امیر کچھ غریب اور کچھ متوسط طبقے کے طالب علم ہوتے ہیں۔ آپ روزانہ اپنا ہوم ورک سمجھ کر ان کو سونپ دیتے ہیں امیر طالب علم کو تو کاپیوں کی فراوانی ہوتی ہے وہ اپنا کام وقت پر مکمل کر کے دے دیتے ہیں لیکن ان میں سے کچھ طالب علم ایسے بھی ہوتے ہیں جو کام مکمل کر کے نہیں لاتے آپ انہیں مالا لائق کا شرف نہ عطا کریں۔ میرے بہت ہی قابل احترام ٹیچر ایسے طالب علموں کے چہرے آپ نے کبھی پڑھے نہیں۔ کبھی ان کی مجبوریوں اور غربت کی داستان سنی ہے۔ آپ نے اندازہ لگایا ہے۔ کوئی بھی بچہ اپنا کام اپنی ذمہ داری جان بوجھ کر تو نہیں کرتا جانتا ہے وہ تو چاہتا ہے اس کے کام کی ہر کوئی تعریف کرے ہر کوئی اسے اچھا سمجھے اس ہوم ورک نہ کرنے کی وجہ ایک خالی پیٹ بھی ہو سکتا ہے اپنے پیچھے بہت سی وجوہات رکھتی ہیں۔ کسی کی کاپی ختم ہو جاتی ہو گی اور کسی کا بیچارہ باپ اسے کاپی پہلی تاریخ سے پہلے لیکر نہیں دے سکتا۔ کوئی غریب بچہ اپنی شام کی مزدوری کرنے کی وجہ سے ہوم ورک نہ کر سکا ہو گا اور کاغذ لاتا آپ ایسی حرکت پر سزا دینے سے پہلے اپنے طالب علم کی بات غور سے سنیں۔ بعد میں کوئی ایسا فیصلہ کریں۔ میرے بہت ہی قابل احترام استاد آپ میں سے بہت استاد ایسے بھی ہیں جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر بہت کڑی سزا دیتے ہیں۔ جیسے شور کرنے پر، سبق یاد نہ کرنے پر اور کبھی کبھی اپنی بات اپنا کام نہ پورے کرنے پر بچے کو چھڑی سے اس قدر مارتے ہیں کہ خدا کی پناہ خدا کیلئے اب ایسا کرنے سے پہلے سوچ لیا کریں کہ کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ آخر آپ خود بھی تو پڑھ رہے ہیں۔

نسرین مصری ولیوالی

صحافتی دنیا میں بچوں کا پہلا نیوز پیپر

گوجرانوالہ پھول کلب کی چھٹی سالگرہ

یوم تکبیر اور سالگرہ کی تقریبات ایک ساتھ ہوئیں مقابلہ مضمون نویسی، مباحثہ ماڈل کمپیٹیشن اور واک ہوئی

○ گوجرانوالہ پھول کلب نے اپنی درخشندہ روایات کو قائم رکھتے ہوئے "جشن تکبیر" ایک انوکھے انداز میں منایا کیونکہ یہ تاریخی موقع کلب کی چھٹی سالگرہ کا دن بھی تھا۔

○ اس موقع پر گوجرانوالہ پھول کلب نے "جشن تکبیر" اور کلب کی تقریب سالگرہ خوبصورت یادگار و منفرد پھول رنگ کا انعقاد کیا جس کے مختلف رنگ گوجرانوالیوں کو محظوظ کرتے رہے۔ ایٹمی دھماکے ناگزیر تھے مقابلہ مضمون نویسی میں تمام نو آموز لکھاریوں کو دعوت عام دی گئی تھی۔ وقت ایک گھنٹہ دیا گیا، لطف کی بات یہ رہی کہ نتائج کا اعلان اسی وقت کر دیا گیا۔

مصنفین میں ماہر تعلیم پروفیسر حافظ طاہر محمود اور معروف شاعر پروفیسر محمد احمد شاد تھے۔ جج کے نتائج کے مطابق شوکت محمود اول، عامر میر اور محمد نوید دوم جبکہ کاشف عمران نے سوم پوزیشن لی۔ تقریب کے مہمان خصوصی معروف قانون دان، دانشور و ادیب حافظ انوار الحق ایڈووکیٹ ہائیکورٹ نے کہا کہ پھول نے بچوں کے نو عمر ادیبوں کے درمیان لکھنے کی جو ریت ڈالی ہے وہ لائق تحسین ہے۔

مباحثہ: "امن کیلئے طاقت کا توازن ضروری ہے"

○ مقررین نے موضوع کی حمایت میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ جنوبی ایشیاء میں امن تبھی قائم رہ سکتا ہے جب تک طاقت کا توازن ایک جیسا نہ ہو لہٰذا پاکستان کا ایٹم بم امن و سلامتی کی علامت ہے جبکہ بھارت کا ایٹم بم دہشت خوف اور ہوس ملک گیری کی علامت ہے۔

○ موضوع کی مخالفت میں مقررین نے کہا کہ امن کیلئے اقتصادیات کا مضبوط ہونا ضروری ہے۔ کہا کہ جاپان کے پاس کون سا ایٹم بم ہے کیا وہاں امن و سلامتی نہیں ایٹم بم کے تجربات سے علاقے میں نیوکلیئر ہتھیاروں کی دوڑ لگ جائے گی۔

محمد نوید نے اول، صفدر علی نے دوم اور عامر منیر نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ پاکستانی پھولوں کو ملکی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کیلئے ایک زبردست ماڈل کمپیٹیشن کا اہتمام کیا جس میں بچوں نے غوری، شاہین اور جانی کے ماڈل ہو بہو بنا کر سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ گوجرانوالہ پھول کلب کی چھٹی سالگرہ اور ایٹمی دھماکوں کی پہلی سالگرہ کی تقریبات کے دوران "پھول تکبیر واک" کا اہتمام بھی کیا گیا۔ پھول تکبیر واک سٹی کڈز کیمپس نیو سول لائن سے شروع ہوئی۔ یہ عظیم قافلہ پنجاب پھول کلب کے صدر راؤ قاسم شہزاد، گوجرانوالہ پھول کلب کے صدر حماد الرحمان گورایہ اور نیشنل ایسوسی ایشن آف پرائیویٹ سکولز پاکستان کے چیئرمین، انٹرنیشنل سکاؤٹ لیڈر اور سٹی پبلک سکولز کے چیئرمین الحاج سجاد مسعود چشتی کی قیادت میں روانہ ہوا۔

چھوٹے بچوں کو صرف خواتین اساتذہ پڑھائیں گی

پرائمری لیول پر مرد اساتذہ کی سختی بچوں کو سکولوں سے بھگا دیتی ہے، ایجوکیشن فار چلڈرن سیمینار سے ذوالفقار ڈھلوں کا خطاب

گوجرانوالہ (نمائندہ خصوصی) صوبائی وزیر تعلیم ذوالفقار احمد ڈھلوں نے کہا ہے کہ پرائمری سطح تک کی تعلیم "خواتین اساتذہ" کے سپرد کرنے کے بارے میں حکومت سنجیدگی سے غور کر رہی ہے کیونکہ پرائمری ایجوکیشن میں خواتین اساتذہ بہتر نتائج دے سکتی ہیں۔ "مرد اساتذہ" کی "سختی" کی وجہ سے پرائمری سطح تک کے بچے سکولوں سے بھاگ کر محنت مزدوری کو ترجیح دیتے ہیں لہٰذا خواتین اساتذہ کو بہتر سہولتیں دی جائیں گی۔

خواتین ہمارے معاشرے کی فعال ممبر بن چکی ہیں، جنہوں نے پاکستان میں مردوں کی فوقیت کے چیلنج کا مقابلہ کیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے "ایجوکیشن فار چلڈرن" کے موضوع پر منعقدہ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اس موقع پر چیئرمین ایجوکیشن ٹاسک فورس میاں عمران مسعود نے کہا کہ وزیر اعلیٰ پنجاب کی ہدایت پر حکومت ابتدائی سطح کی تعلیم میں جدید ٹیکنالوجی لا رہی ہے۔

اوستہ محمد میں حکیم سعید شہید کی یاد میں کنونشن

اوستہ محمد (اعزاز علی + ابن خان) (تعاون بڑھین کلب) میں پھول کلب اوستہ محمد کی طرف سے دوسرا کنونشن منعقد ہوا۔ جس کی صدارت صدر پھول کلب اور نور محمد جمالی نے کی۔ مہمان خصوصی "پروفیسر مومن علی مومن" تھے۔

ابن خان نے شہید پاکستان کی خدمات کو سراہا۔ "محمد تعالیٰ" "لطف اللہ قاری اور نعت اعزاز علی نے پیش کی۔ صدر پھول کلب نور محمد نے بھی سعید ملت کی زندگی پر روشنی ڈالی۔ دیگر دوستوں میں ہیرک کارمل، اللہ دلایا، کائنات، فرحان، عدنان، رضوان، عبدالخالق، آمنہ خان، موراں، شفیع محمد، عجب، بنی، ستار اور دیگر کئی ممبران نے بھی اظہار خیال کیا۔

مانگا منڈی میں پھول کہانی گھر

پھول کلب نارنگ منڈی کے زیر اہتمام فری ٹیوشن سنٹر

نارنگ منڈی (رپورٹ شاہد سلیم) موسم گرما کی چھٹیوں میں نرسری تا مڈل دو محلوں میں فری ٹیوشن سنٹر کا اہتمام کیا ہے۔ جسمیں محنتی استاد بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کر رہے ہیں۔ بچے اور والدین اس اچھے قدم سے بے حد خوش ہیں۔ فری ٹیوشن سنٹر کے افتتاح کے موقع پر ایک والد نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پھول کلب نارنگ واقعی علاقہ میں اپنی مہک سے فضا کو معطر کر کے حقیقی پھول ہونے کا ثبوت دے رہا ہے۔

افتتاحی تقریب میں پھول کلب کے صدر شاہد سلیم، سرپرست اعلیٰ ملک ساجد عتیق ایڈووکیٹ، جنرل سیکرٹری حافظ محمد وحید مغل، نائب صدر محمد سجاد اسلم گل، کوارڈی نیٹر، کلیم اللہ نعمان، نشر و اشاعت فیصل نعیم کے علاوہ بچوں اور والدین کی بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔ یاد رہے کہ دونوں فری ٹیوشن سنٹروں میں 30 تا 35 بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

پھول کلب رحیم یار خان کے دورہ کے موقع پر لی گئی تصویر

پھول بچے فیصل آباد کی واحد تفریح گاہ میں

فیصل آباد (اہتمام یاور قبال رپورٹ واصف منظور)

چھٹیاں سب بچوں کیلئے خوشی کا باعث نہیں ہوتیں کچھ بچے اپنے دوستوں سے بچھڑنے کا سوچ کر اداس ہو جاتے ہیں۔ ایسے بچوں کیلئے ہم نے سکول میں آخری دن ایک پکنک ارینج کی۔

پکنک کا آغاز بہت دلچسپ تھا۔ آدھے بچے جناح باغ (فیصل آباد کی واحد تفریح گاہ) کے ایک دروازے پر اور آدھے دوسرے پر جمع ہو کر ایک دوسرے کا انتظار کر رہے تھے وہ تو اچھا ہوا کہ جلد پتہ چل گیا ورنہ نا جانے یوں ہی کتنی دیر گزر جاتی۔ پارک میں بندروں کیلئے بھی وقت نکالا گیا۔ انہیں چنے کھلائے گئے اور تصویریں کھنچوائی گئیں۔ اس پکنک میں اپنے بچوں کے ساتھ موجود تھے جو جلد دوسرے بچوں کے ساتھ گھل مل گئے۔ جہاز کے قریب پہنچ کر دوسرے جہاز کا بھی خوب تذکرہ ہوا۔ غباروں اور بار برداری کو سب سے زیادہ پسند کیا گیا۔

پھول کلب رحیم یار خان کی صحابی رسول کے مزار پر حاضری

رحیم یار خان (محمد آصف رضا)

پھول کلب کی ٹیم 15 ارکان کے ساتھ رحیم یار خان کے مضافات میں واقع صحابی رسول حضرت خمیر بن ربیع کے مرقد مبارک راجھے خان پہنچی۔ ایک روایت کے مطابق مختلف ممالک میں نبی اکرمؐ اور بعد میں خلفائے راشدینؓ نے صحابہ کرام کو اشاعت اسلام کیلئے روانہ کیا۔ تو حضرت خمیر بن ربیع سندھ میں داخل ہوئے اور بالآخر راجھے خان میں آج سے کوئی 14 سو سال قبل وفات پائی۔ صحابی رسول کا عرس شریف ہر سال دسمبر کی 13 تاریخ کو منایا جاتا ہے جس میں ملک بھر سے عقیدتمند شرکت کرتے ہیں۔ مزار کی مجاور مائی جمال خاتون سے پھول ٹیم نے مزار کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کیں۔ مائی جمال خاتون کی عمر سو برس سے زیادہ ہے اور انہوں نے سات حج کئے ہیں۔

پھول کلب کراچی (ویسٹ) کا تقریری مقابلہ

رپورٹ : اسماء ایوب اہتمام : میٹروپولیٹن اکیڈمی کراچی (کیمپس II)
کمپیئرنگ : فائزہ اسلم، شمع کمل ایوب

قرآت ربیعہ ارشد نے کی اور نعت چھوٹی سی بچی مہوش درانی نے پیش کی۔ چند بچیوں نے خوبصورت سا ملی نغمہ سنایا۔

سب میں پہلے انگلش تقریر فائزہ نے پیش کی۔ سارے طالب عالموں کو جوش دلا دیا تکبیر ڈے آف پاکستان موضوع تھا۔ (ویسے ان کے ٹیبلو نے بھی تقاریر کا مقابلہ شروع ہوا۔ عنوان یوم تکبیر اور اتحاد مضبوط مملکت کو جنم دیتا ہے۔ تقریریں ساری سیٹ مس حمیرا نے کی تھیں۔ کافی اچھے انداز میں لڑکیوں نے تقریر کی۔ بیچ میں کہیں سے نعرہ تکبیر کی آواز بھی بلند ہوتی رہی۔ سر آفتاب عالم بیچ میں بچوں کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے سراہ بھی رہے تھے۔

ٹیبلو شہیدوں کا لہو کیا پر فارمنس تھی ان لڑکیوں کی چوٹیں بھی بہت لگی ہوں گی ان لڑکیوں کو دوسرا ٹیبلو کسی چھوٹی کلاس کا تھا۔ ہم ہیں پاکستانی ہم تو جیتیں گے۔ ان میں سے ایک بچی نے چھوٹا سا کپ اٹھایا ہوا تھا اور کرکٹ کا ڈریس پہنے ہوئے تھی کہ ہم ورلڈ کپ جیت لائے ہیں (جو اصل میں بری طرح ہارے ہیں) بیچ میں کمپیئرز بڑی شخصیات کے اقوال سنا سنا کر بچوں کو سیدھی راہ پر چلنے کی تلقین کرتی نظر آئیں۔ ٹیبلو انچارج مس ارم صبا نے بہت ہی خوبصورت ٹیبلوز پیش کیے جس کی تعریف ہر ٹیبلو کے بعد بجنے والی تالیاں کر دیتی تھیں۔

رحیم یار خان کلب کو کاکولا فیکٹری کے دورہ پر

استاد نے شاگرد پر مقدمہ کر دیا

گوجرانوالہ (نمائندہ خصوصی) امریکی ریاست سٹی گن میں ایک استاد نے سکول کے فسلفانہ میں سگریٹ پینے والے طالبعلم پر ہرجانہ کا دعویٰ کیا ہے تفصیلات کے مطابق استاد گیری فلیز فسلفانہ کی طرف گئے تو انہوں نے دیکھا کہ گیارہویں گریڈ کے طالبعلم بریان پارلے کے سگریٹ پینے سے فسلفانہ دھوئیں سے بھرا ہوا ہے۔ استاد فلپ کا کہنا ہے کہ دھوئیں سے اس کا گلا پک گیا' سر درد شروع ہو گیا' چھاتی رک گئی اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ فلیز نے طالبعلم پر 57 ڈالر ڈاکٹر کی فیس کے علاوہ ہرجانہ کی غیر معینہ رقم کا دعویٰ کیا ہے۔

پھول کلب چونگی امر سدھو کے زیر اہتمام جشن عید میلاد النبی ﷺ

تمام سکولوں سے مشترک جلوس نکالا گیا: ون ڈش پارٹی بھی ہوئی: پھول ساتھیوں کیلئے کمپیوٹر کی فری تعلیم کا اعلان

رپورٹ و اہتمام: شیخ محمد سلیم قادری
تعاون: الفلاح کالج آف کمپیوٹر سائنسز' ڈائریکٹر رشید احمد
معاونین: محمد رشید' سر منور حسین شاہد' سر عرفان شیخ وسیم الحسن قادری

پھول کلب چونگی امر سدھو لاہور کے زیر اہتمام دوسرا سالانہ جشن عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بڑے جوش و خروش سے منایا گیا۔ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاریاں صفر کے مہینے ہی سے شروع ہو گئی تھی' مسجد' گھر' دکان' مدرسہ غرض کہ ہر جگہ مدنی پرچم نصب کر دیئے گئے۔ ہر سال چونگی امر سدھو لاہور میں ہر مسجد' سکول' مدرسے سے علیحدہ علیحدہ جلوس نکالا کرتے تھے لیکن اس دفعہ تمام لوگوں نے اکٹھے ہو کر جلوس نکالا جس میں علمائے کرام' سکولوں اور مدارس کے طلباء اور کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ علمائے کرام میں مولانا سید شوکت علی بخاری' حافظ محمد یوسف رضا' حافظ محمد حسین ملتانی' حافظ محمد ذوالفقار علی' قاری محمد اعجاز' محمد یوسف نوری' مولانا محمد سلیم چشتی' حافظ محمد اختر' حافظ محمد یوسف نقشبندی و دیگر علمائے کرام شامل ہوئے تھے۔ تقریباً 7-30 بجے حافظ محمد ذوالفقار علی اور حافظ محمد یوسف رضا کے ساتھی وہاں پر پہنچ گئے۔ نظم و ضبط کا خاص خیال رکھا گیا اور آئندہ ہر کام اکٹھے ہو کر کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ الفلاح کالج کے MD محمد رشید نے کالج کے سٹوڈنٹس کو کہا کہ تمام پھول ساتھی اپنے اپنے گھر سے کھانا تیار کر کے لائیں۔ تمام پھول ساتھیوں کو ساڑھے گیارہ بجے دوپہر کا ٹائم دیا گیا اور ٹھیک 12 بجے پروگرام شروع ہو گیا' قرآن پاک کی تلاوت شیخ نوید الحسن قادری عرف نوید بھائی نے کی' نعت خوانی کیلئے مقصود احمد مہار ڈاکٹر محمد جاوید اقبال' حاکم شہباز علی نے بارگاہ رسالت میں گلہائے عقیدت کے گلدستے پیش کئے' آخر میں MD محمد رشید اور سر منور حسین شاہد نے نعت شریف سنائی۔ تمام پھول ساتھیوں کو کھانے کیلئے بلایا گیا۔

الفلاح کالج کمپیوٹر سائنسز نے پھول کلب چونگی امر سدھو لاہور والوں کیلئے خاص طور پر یہ اعلان کیا ہے کہ پھول ساتھی کمپیوٹر کی تعلیم یہاں سے فری حاصل کریں۔

پھول کلب گوجرہ کی سول ڈیفنس کے اعزاز میں تقریب

سی ڈی کے جوانوں کو خصوصی سرٹیفکیٹ دیئے گئے: پھول کلب اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے: مقررین

رپورٹ: ڈاکٹر زین العابدین

پھول کلب پاکستان گوجرہ کے زیر اہتمام بلدیہ گوجرہ کے ہال میں پھول ڈیفنس گوجرہ کے تقریب اعزاز رکھی گئی جنہوں نے 28 مئی یوم تکبیر کے حوالہ سے صدر پھول کلب گوجرہ چودھری محمد مزمل نواز کی خصوصی ہدایت پر پھول واک میں اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ اس منفرد تقریب کے مہمان خصوصی پراجیکٹ منیجر گلف' سرپرست اعلیٰ پھول کلب پاکستان گوجرہ ڈاکٹر حاجی محمد نواز سہاو بھلی تھے جبکہ صدارت کے فرائض چیئرمین بلدیہ گوجرہ ڈاکٹر مقبول احمد نے ادا کئے اور نقابت کے فرائض صدر پھول کلب گوجرہ چودھری محمد مزمل نواز نے ادا کئے۔ یہ شاندار تقریب رات 9 بجے شروع ہوئی اور رات گئے تک جاری رہی۔ تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ جس کی سعادت سول ڈیفنس کے ممبر مولوی بشیر احمد کو حاصل ہوئی۔ بعد ازاں نعت رسول کیلئے سول ڈیفنس ممبر محمد سلطان آئے۔ اس دوران سول ڈیفنس کے ممبر عبدالرؤف کے والد رانا نیاز مرحوم کیلئے فاتحہ خوانی کی گئی۔ سپاسنامہ کیلئے کو آرڈینیٹر ڈاکٹر محمد اشفاق کو دعوت دی گئی۔ اس تقریب میں علاقہ گوجرہ کے معززین کی کثیر تعداد بھی موجود تھی۔

تقریب میں سول ڈیفنس کے جوانوں کی بھی خدمات کو سراہا گیا

سرپرست سول ڈیفنس گوجرہ سیف اللہ چیمہ چیف وارڈن ڈاکٹر جاوید احمد بیگ نے خطاب کرتے ہوئے صدر پھول کلب چودھری محمد مزمل نواز اور سرپرست اعلیٰ پھول کلب گوجرہ کی خدمات کو بے حد سراہا۔

چیئرمین بلدیہ گوجرہ ڈاکٹر مقبول احمد نے کہا کہ میرا ہر طرح کا تعاون پھول کلب گوجرہ کے ساتھ ہے۔

آخر میں سرپرست اعلیٰ پھول کلب گوجرہ ڈاکٹر حاجی محمد نواز سہاو بھلی نے کہا کہ نسل نو کو بہتر تعلیم و تربیت کی اشد ضرورت ہے۔ جس کیلئے پھول کلب اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ سول ڈیفنس کے جوانوں سے کہا کہ آپ پھول کلب کو بھی اپنا ہی سمجھیں' اسے فعال بنائیں اور تعلیم و تربیت' جدوجہد' تفریح کے موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارا ساتھ دیں۔

مقررین جن میں رانا طارق اقبال' محمد اشرف انصاری' چیف آفیسر بلدیہ گوجرہ امانت علی گوندل' ڈاکٹر زین العابدین نے پھول کلب کی سرگرمیوں کو سراہا۔

محمد اشرف انصاری کو نسلر بلدیہ گوجرہ' اعجاز گل' کو نسلر بلدیہ گوجرہ' میاں اسلم پنساری کو نسلر بلدیہ گوجرہ' اعجاز احسن چنا کو نسلر بلدیہ گوجرہ' حاجی حمید یو تھ ونگ' ڈاکٹر محمد اشفاق' ڈاکٹر جاوید بیگ' سیف اللہ چیمہ ایڈووکیٹ چیف آفیسر بلدیہ گوجرہ امانت علی گوندل

پھول کلب چونگی امر سدھو کے زیر اہتمام محفل نعت کا منظر

رحیم یار خان کلب کا دورہ کوکا کولا
ممبران میں بوتلیں پینے کا مقابلہ شروع ہوگیا

رحیم یار خان (رپورٹ: محمد آصف رضا)

تعاون: پاکستان کرکٹ کلب پھول کلب بوائز ونگ رحیم یار خان نے پھول ممبران کیلئے کوکا کولا فیکٹری کے وزٹ کا اہتمام کیا۔ ممبرز فیکٹری کے اندر داخل ہوئے تو کوالٹی کنٹرول آفیسر شوکت علی نے ان کا استقبال کیا۔ فیکٹری میں کوکا کولا، سپرائٹ اور فانٹا کی مختلف سائز کی بوتلیں چیکنگ اور دھلائی کے مرحلے سے گزر کر بھری جارہی تھیں۔ فیکٹری کا سب سے دلچسپ حصہ وہ ہے جہاں خام مال یعنی مشروب کے سیرپ کو سٹور کیا جاتا ہے۔ اس کمرے کا درجہ حرارت 10 سے 15 ڈگری سینٹی گریڈ رکھا جاتا ہے۔ کئی ممبران تو اس کمرے میں جاکر مچل گئے تو انہیں بوتلوں کا لالچ دے کر باہر لایا گیا۔ جہاں پر شوکت صاحب نے تازہ تیار ہوتی ہوئی بوتلیں پائیں۔ کئی ممبران کے درمیان بوتلیں پینے کا مقابلہ شروع ہوگیا جو بڑی مشکل سے اپنے انجام کو پہنچا۔ آخر میں شوکت صاحب نے پھول کلب رحیم یار خان کے مقاصد کی تعریف کی اور امید کی کہ کلب آئندہ بھی ایسے دورے منعقد کرواتا رہے گا۔

راجن پور میں کہانی گھر

PCCO ایوارڈ کی تقریب کے ساتھ ہی مرحوم ہوگئی

ہر ایک کو ایوارڈ دینے سے اصل حقداروں کی حق تلفی ہوتی ہے آخری اطلاع تک پھول کا ایوارڈ ملتان ہی پڑا ہے پھول کلب پاکستان کو سال کی بہترین تنظیم قرار دیا گیا

فیصل آباد..... گزشتہ ماہ پاکستان کونسل آف چلڈرن آرگنائزیشن اور دعوۃ اکیڈمی کے زیر اہتمام فیصل آباد میں تین روزہ تربیتی ورکشاپ عنوان بچوں کے لوب کے فروغ میں بچوں کی تنظیموں کا کردار" کے تحت منعقد ہوئی جس میں ملک بھر کی تنظیموں نے شرکت کی۔ آخری روز تقریب تقسیم انعامات منعقد ہوئی جس میں پھول کلب پاکستان کو بچوں کے لئے مثبت سرگرمیوں کے فروغ میں نمایاں ترین کردار کے حوالے سے بہترین تنظیم کا انعام دیا گیا۔ اس پروگرام کے ساتھ ہی pcco مرحوم ہوگئی اس تنظیم کا یہ آخری پروگرام تھا۔ اللہ جانے ایوارڈ تاخیر سے دینے کا کا اثر تھا یا یوں ایوارڈ دینا وجہ ٹھہرا۔ ایڈیٹر بھیا اس پروگرام میں مدعو تھے مگر وہ تشریف نہیں لے گئے۔ اس لئے ایوارڈ خواجہ مظہر نواز صدیقی نے لیا۔ اور اپنا سمجھ کر ملتان لے گئے۔ آخری اطلاع تک ایوارڈ ملتان ہی تھا۔

پھول والوں کی بے نیازی کی وجہ یہ تحقیق کی گئی تو علم ہوا کہ الکا خیال ہے کہ تقریبات میں آنے والی ہر تنظیم اور فرد کو اعزاز اور ایوارڈ دینے کی رسم سے ایوارڈ یا اعزاز سب کو خوش کرنے کے لئے ہی دینے ہوں تو اس کا لگ سے اعلان کر دینا چاہئے ورنہ جائز طور پر حق داروں کی بھی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ اور ایوارڈ کی اہمیت نہیں رہتی۔

پھول کلب صادق آباد (بوائز) کی سالگرہ

محنت اور لگن سے پہلا ایوارڈ ملا: علی احمد دعا ہے کہ پھول ترقی کی منازل طے کرتا رہے: قاضی عبدالحئی

رپورٹ: محمد احسن احسان اہتمام: عابد اعجاز۔ مشتاق احمد

جب سے پھول کلب صادق آباد بوائز ونگ بنا۔ اس وقت سے تمام پھول ساتھیوں کا ہر دن بڑے زبردست طریقے سے گزرتا ہے۔ لیکن ایک ایسا دن بھی آیا جو پھول ساتھیوں کے ذہنوں پر نقش ہوگیا۔ ایسا دن جو ایک ناقابل فراموش یاد چھوڑ گیا اور وہ دن تھا پھول کلب صادق آباد کی سالگرہ کا دن۔

سالگرہ کے دن سب ساتھیوں کے چہرے خوشی کی تمازت سے منور تھے۔ ہر کسی کی زبان پر مبارکباد کے نغمے تھے۔ اس مبارک موقع پر پروفیسر طارق منصور انچارج اردو ڈیپارٹمنٹ آف گورنمنٹ ڈگری کالج صادق آباد اور ممتاز ڈاکٹر ڈاکٹر قاضی عبدالحئی صاحب بطور مہمانان خصوصی مدعو کئے گئے۔ تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ اس کے بعد سرور کونین رسول پاکؐ کے حضور گلہائے عقیدت نچھاور کئے گئے۔

پھول کلب کے صدر علی احمد نے خطبہ استقبالیہ میں پھول کلب کی کارکردگی پر روشنی ڈالی۔ اور بیان کیا کہ کس طرح پھول ساتھیوں نے محنت اور لگن سے کام کر کے صوبہ پنجاب میں اپنی کارکردگی کے لحاظ سے فرسٹ سکول کے حماس نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ مقابلہ نعت خوانی میں عزیز کیڈٹ سکول کے بچوں ندا' انعم' سائرہ نے کورس کی شکل میں نعت پیش کر کے اول پوزیشن' بلیک برن سکول کی بچی مدیحہ نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ دوسرا مرحلہ تقاریر پر مشتمل تھا جس میں عزیز کیڈٹ سکول کے علی احمد نے اول اور پیراڈائز سکول کے محبوب الرحمان دوئم رہے' حاضرین کی دلچسپی کے پیش نظر موبائل کوئز کا سلسلہ شروع کیا۔ جس سے تمام حاضرین محفل محظوظ ہوئے اور لوگوں میں انعامات تقسیم کئے گئے۔ بچوں میں جذبہ حب الوطنی بیدار کرنے کی خاطر ملی نغموں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اس میں بلیک برن کے بچے اول' تعمیر ملت دوئم اور عزیز کیڈٹ سکول سوئم رہے۔ تقریب کا تیسرا مرحلہ مزاحیہ خاکہ اور کوئز پروگرام پر مشتمل تھا۔ خاکوں میں اول پیرا ڈائز سکول' دوئم بلیک برن سکول رہا۔

پھول نے بچوں کو بہترین پلیٹ فارم مہیا کیا
خانیوال میں چلڈرن فیسٹیول

رپورٹ (نازیہ گل اکرم) پھول کلب عرصہ دراز سے نونہالان وطن کی ذہنی' فکری اور تعلیمی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں موثر کردار ادا کر رہا ہے۔ پھول کلب ضلع خانیوال نے "چلڈرن فیسٹیول" کا اہتمام کیا۔ جس میں خانیوال کے سکولوں کے متعدد بچوں اساتذہ کرام' نامور ادبی شخصیات نے شرکت کی۔ تقریب کی صدارت نواب فرحت اللہ خان (چیئرمین ضلع کونسل خانیوال) نے کی۔ مہمانان خصوصی سید قمر رضا شہزاد (معروف شاعر) ڈاکٹر شفیق الرحمان (چیئرمین ضلعی زکوٰۃ و عشر کمیٹی خانیوال) حسن اختر چشتی (ڈپٹی ڈائریکٹر تعلقات عامہ) جبکہ مہمانان اعزاز میں طاہر نسیم (ایڈیٹر منکشف ٹائم) امتیاز علی اسد (ایڈیٹر شب و روز) عبداللطیف انور (ڈسٹرکٹ رپورٹر خبریں) تھے۔ کمپیئرنگ کے فرائض نازیہ گل اکرم نے سرانجام دیئے۔ تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ قرات کے مقابلوں میں پیراڈائز سکول کے بچے جنید علی نے اول' عزیز کیڈٹ سکول کے نسیم تھور' بلیک برن

پھول کلب سیالکوٹ گرلز کی افتتاحی تقریب کے موقع پر لی گئی تصاویر

ناٹک پھول کہانی گھر ہارون آباد کے شرکاء

اعظم یاد کا نکاح ہو گیا

دلہن "اگلی صدی" میں انکے گھر آئیں گی

لاہور (پ ر) پھول کلب کے انچارج محمد اعظم یاد کا نکاح 2 جولائی کو ہو گیا تقریب میں ان کے رشتہ داروں اور دوستوں نے شرکت کی اعظم یاد کا نکاح انکے ماموں کی صاحبزادی ساجدہ منظور سے ہوا نکاح کی تقریب سادگی سے ہوئی ادارہ پھول اور پھول ساتھیوں نے اس موقع پر بہت خوشی کا اظہار کیا اور ان کی آئندہ زندگی کے بارے میں اچھی خواہشات کا اظہار بھی کیا دلہن کی رخصتی "اگلی صدی" میں ہو گی۔

اعظم یاد اور ساجدہ منظور اپنے نکاح کے موقع پر

ہارون آباد پھول کلب کی پہلی سالگرہ کے موقع پر لی گئی تصویر

پھول کہانی گھر رائے ونڈ کے موقع پر لی گئی تصور

خانیوال میں پھول چلڈرن فیسٹیول میں طاہر نسیم نواب فرحت اللہ خان فخر رضا شہزاد امتیاز علی اسد اور دیگر مہمان بچے

شاہ عبدالطیف ایجوکیشن ٹرسٹ کراچی کے زیر اہتمام تقریبات

مرتب : حافظہ حمیرا فاطمہ

خوش ہو کر

استاد (شاگرد سے) بتاؤ خوش آمدید کے لفظی معنی کیا ہیں؟
راشد! جناب خوش آمدید کے معنی ہیں خوش ہو کر آم دیکھنا۔

صوبے

استاد (شاگرد سے) پاکستان کے کتنے صوبے ہیں؟
شاگرد: چار
استاد: کون کون سے
شاگرد: ایک تو پنجاب۔ دوسرا مجھے یاد نہیں۔ تیسرا کتاب میں مٹا ہوا ہے اور چوتھا میں آپ سے پوچھنے والا تھا۔

آبادی

بچوں کی کلاس میں مس نے بچوں سے سوال کیا پاکستان کی کل آبادی کتنی ہے؟ ایک بچے نے ہاتھ اٹھایا
مس نے کھڑا کر کے جواب مانگا
بچے نے کہا دس کروڑ ایک
مس: دس کروڑ تو ٹھیک ہے لیکن یہ ایک کیا ہے۔
بچہ: مس آج میرا چھوٹا بھائی پیدا ہوا ہے۔

کان سے

استاد (شاگردوں سے) لوہا، تیل، پٹرول یہ سب کانوں سے نکلتے ہیں ماسٹر صاحب کی بات سن کر ایک بچہ معصومیت سے بولا
میرے کان سے تو ہمیشہ میل ہی نکلتا ہے۔

خوشخط

ایک استاد نے شاگرد کی کاپی پر لکھا خوشخط لکھنے کی مشق کرو۔
دوسرے دن شاگرد آیا اور کہنے لگا۔ سر! وہ کل آپ نے کاپی پر کیا لکھا تھا؟ مجھ سے تو کیا ابا جان سے بھی نہیں پڑھا گیا

چھوٹا سمجھ کر

استاد نے شاگرد سے پوچھا تمہیں علم ہے کہ میں تمہیں کیوں مار رہا ہوں
جی شاگرد نے معصومیت سے جواب دیا چھوٹا سمجھ کر

دوسرا سوال

استاد (شاگردوں سے) کل میں تم لوگوں سے صرف ایک سوال پوچھوں گا۔ دوسرے دن ماسٹر صاحب آئے اور سوال کیا وسیم بتاؤ تمہارے سر پر کتنے بال ہیں؟
شاگرد۔ جناب چار کروڑ چار لاکھ چار ہزار چار سو بیس استاد۔ تم نے یہ گنے کس طرح؟ شاگرد۔ جناب یہ آپ کا دوسرا سوال ہے۔

صفائی

استاد شاگرد سے: انسان کی عادتیں کس طرح صاف ہوتی ہیں؟ شاگرد جلدی سے۔ سر لائف بوائے سے استاد غصے سے دوسرے شاگرد سے: تم بتاؤ دوسرا شاگرد۔ جناب رکسونا سے

تین مٹکے

ایک بچہ جماعت سے باہر گیا اور کافی دیر تک نہ آیا۔ استاد محترم کو بڑی بے چینی ہوئی کہ رحمت اللہ واپس کیوں نہ آیا۔ انہوں نے اس بے چینی کو ختم کرنے کیلئے ایک لڑکے کو بھیجا کہ جاؤ اور دیکھ کر آؤ رحمت اللہ ابھی تک کیوں نہ آیا۔ لڑکا جماعت سے باہر آیا اور ادھر ادھر رحمت اللہ کو ڈھونڈنے لگا کہ اچانک اس کی نظر پانی کے مٹکوں پر پڑی وہاں دو کی بجائے تین تھے دو مٹکے اور تیسرا رحمت اللہ اس لڑکے کو مزاح سوجھا اور اس نے واپسی کی راہ پکڑی اور جماعت میں آکر بولا کہ جناب رحمت اللہ کا کہیں کچھ پتہ نہیں البتہ لب بام پانی پینے کیلئے تین گھڑے رکھے ہوئے ہیں۔ استاد محترم نے کہا تم بیٹھو میں دیکھ کر آتا ہوں جب ہمارے استاد وہاں پہنچے تو دیکھا کہ تیسرا مٹکا رحمت اللہ ہے۔ استاد محترم مسکرائے اور رحمت اللہ کو جگہ پر جانے کو کہا اور کچھ نہ بولے اور جماعت میں سبق پڑھانا شروع کر دیا اور پھر چھٹی کے وقت مسکرائے اور رحمت اللہ کو بلا کر کہنے لگے کہ رحمت اللہ تم مٹکوں کے بیچ نہ چھپا کرو اگر کوئی آگیا تو سمجھے گا کہ وہ کی جگہ تین مٹکے آگئے۔

مطلب

ماسٹر صاحب نے سکول میں بچوں سے سوال کیا۔ بتاؤ بچوں بوتھم کا کیا مطلب ہے؟ ایک بچہ جناب یہ لفظ پنجابی اور فارسی سے مل کر بنا ہے پنجابی میں بوتھا کہتے ہیں چہرے کو اور فارسی میں م کا مطلب ہوتا ہے میرا اس لئے بوتھم کا مطلب ہے میرا بوتھا۔

ہماری ٹیچر

کلاس میں ٹیچر نے بچوں کے ساتھ گروپ فوٹو بنوایا جب فوٹو بن کر آگیا تو بچوں کو دکھاتے ہوئے بولیں جو جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو تم اس طرح کہو گے یہ حامد ہے جو اب تک ڈاکٹر بن چکا ہے۔ یہ علی ہے جو کمشنر بن گیا ہے۔
ایک لڑکا بڑی معصومیت سے بولا اور یہ ہماری ٹیچر ہیں جن کا انتقال ہو چکا ہے۔

جو اڑ رہی ہے

ایک مقامی بوائز کالج میں زوآلوجی کا پیریڈ ہو رہا تھا۔ پروفیسر صاحب طالب علموں کو نر مچھر اور مادہ مچھر میں فرق بتا رہے تھے۔ جب لیکچر ختم ہونے لگا تو پروفیسر صاحب نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ ایک مادہ مچھر اور ایک نر مچھر اڑ رہے ہیں۔ بتایئے ان میں نر مچھر اور مادہ مچھر کون کون سے ہیں۔ طالب علم کہنے لگا سر جو اڑ رہا ہے وہ نر مچھر ہے اور جو اڑ رہی ہے وہ مادہ مچھر ہے۔

کمال جملہ ہے

ماسٹر نے گرامر پڑھاتے ہوئے ایک لڑکے سے سوال کیا کوئی ایسا جملہ بتاؤ جس میں ماضی، حال اور مستقبل تینوں آجائیں، لڑکے نے فوراً اقرار کر لیا
صاف کیا اور بڑے ترنم سے بولا
سو سال پہلے مجھے تم سے پیار تھا آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔

ڈیرہ غازی خان میں پھول کلب کی افتتاحی تقریب

ڈی جی خان والے کنجوس نہیں

رپورٹ و اہتمام: محمد عمر رحمن معاونین: طاہر حنیف' فرحان جاوید' عثمان رحمن' علیہ بزدار' حافظہ مدثر کوثر کمپیئرنگ: عفیفہ بزدار' وجیہ اظہر' عبدالسلام عکاسی: محمد زبیر لودھی' فرزانہ کوثر

☆تمام پھول ساتھیوں کو مبارکباد کہ پھول کلبز کے گلدستے میں ایک اور پھول کلب کا اضافہ ہو گیا۔

☆کافی عرصہ سے ڈی جی خان میں بارش نہیں ہوئی۔ مگر مہمانوں کی ڈی جی خان میں آمد کے ساتھ ہی بادل چھا گئے اور نسبتاً موسم خوشگوار ہو گیا۔ مگر یہ صرف خواب ہی رہا کہ پھول کے پروگرام اور بارش.....

☆تقریب کی صدارت چیئرمین بلدیہ شیخ لیاقت رفیق نے کی۔ مہمان خصوصی ایڈیٹر بھیا اور مہمان خاص معروف شاعر پروفیسر شریف اشرف تھے۔ جبکہ مہمان اعزاز خواجہ مظہر نواز صدیقی تھے۔

☆انعامات کی میز پر تل دھرنے کو جگہ نہ تھی' حتیٰ کہ مظہر بھائی کو کہنا پڑا کہ انعامات کے معاملے میں ڈی جی خان والے کنجوس نہیں۔ (آپس کی بات ہے۔ تمام انعام سپانسر تھے)

☆پروگرام میں دو عدد کمپی ٹیشن بھی رکھے گئے۔ ایک ملی نغموں کا اور دوسرا اتھاریرکا۔ تقاریر کا عنوان "کشمیر اداس ہے" تھا۔

☆ہال خیر اتنا بھی گرم نہ تھا جتنا کمپیئر صاحب نے کر دیا۔ اسے کہتے ہیں گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔

☆بلدیہ کے وسیع ہال کو آناً فاناً بھرتا دیکھ کر ہمارے پسینے چھوٹ گئے۔ اور آداب میزبانی نبھاتے ہوئے ہمیں تمام پروگرام (چار گھنٹے) اپنی ڈالڈا گھی سے پرورش پائی ہوئی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر دیکھنا پڑا۔

☆بوائز کلب کے جنرل سیکرٹری فرحان جاوید جبکہ گرلز ونگ کی صدر علیہ بزدار اور جنرل سیکرٹری حافظہ مدثر کوثر منتخب ہوئیں۔ (بھئی سیٹیں خالی تھیں۔ جب کوئی کام کا بندہ نہ ملا تو کسی کو منتخب کرنا ہی تھا۔)

☆پروگرام میں زندگی کے مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے کثیر افراد نے شرکت کی۔ سول ججز کے علاوہ انفاری ٹریکٹر کے GM زین نقوی' SM طاہر منور اور میجر ایڈمن ذوالنون بخاری بھی پروگرام میں شریک ہوئے۔

☆فنکشن کے دوران مختلف بچوں نے لڈی' ٹیبلوز اور خاکے بھی پیش کئے۔ ایک بہت ہی پیاری اور چھوٹی سی بچی زنیرہ ذوالنون نے "اللہ ہے بس پیار ہی پیار" حمد پر خوب داد وصول کی۔ اسکے علاوہ ملی نغموں کے مقابلے میں بھی فرسٹ پرائز حاصل کیا۔ سلمان' فیضان اور نومی' پومی نے بھی اچھے خاکے پیش کئے۔ پروگرام کے بالکل آخر میں دی وافٹ ہیلپر پبلک سکول کے بچوں نے سرائیکی زبان میں ایک مزاحیہ خاکہ پیش کر کے تھکے ہوئے چہروں کو بھاشت بخش دی۔ ڈرامہ کی مرکزی کردار پیاری سی بچی کو تمام لوگوں نے دل کھول کر داد دی۔ جبکہ ایڈیٹر بھیا نے جیب کھول کر داد دی۔ یعنی ایک سرخ

نوٹ جی کو دیا۔

☆ طاہر حنیف زبردستی کے میزبان تھے۔ ہم نے انہیں پروگرام کے دوران بیٹھنے بھی نہ دیا بیچارے کبھی ادھر تو کبھی ادھر

☆ جن ممبران کو میڈلز سے نوازا گیا ان میں فہد بشیر' احمد خان' راجہ وسیم' عفیفہ بزدار' مہ جبیں طاہر شازیہ بزدار' فرح اظہر' طیبہ یاسمین' نمارہ نوشین' عائشہ اظہر' صومیہ ارم' وجیہ اظہر' مہرین طاہر' فرزانہ کوثر اور فضیلہ قاسم شامل تھے۔

☆ مظہر بھائی سٹیج پر آئے اور چھوٹتے ہی بولے کہ لغاریوں' مزاریوں' کھوسوں' بزدلوں اور تنگوانیوں کے شہر میں مجھے آج اس انداز سے گفتگو کرنا بہت بھلا لگ رہا ہے۔ وہ پہلی دفعہ ڈی جی خان آئے تھے۔ اور یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ کوئی پہاڑی قسم کا علاقہ ہوگا۔ مگر انہیں ملتان اور ڈیرہ میں کوئی خاص فرق نظر نہ آیا۔

☆ ایڈیٹر بھیا مائیک پر تشریف لائے تو انہوں نے اپنے مخصوص اور خوبصورت انداز سے گفتگو کا آغاز کیا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ہم انسانوں کو بہت قابل بھروسہ اور قابل اعتماد ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں انہوں نے انتہائی خوبصورت مثال دیتے ہوئے کہا کہ اس ہال کی یہ چھت جس کے نیچے ہم بیٹھے ہیں ہمیں نہیں معلوم یہ کتنی مضبوط ہے اور کتنی پرانی ہے۔ مگر پھر بھی ہم اپنی سب سے پیاری چیز یعنی اپنی "جان" کو لے کر بیٹھے ہیں۔ ہم نے آنکھیں بند کر کے ایک بے جان چیز پر بھروسہ کر لیا تو پھر ہم اپنے سامنے موجود جیتے' جاگتے' اتنے خوبصورت اور پیارے لوگوں پر بھروسہ کیوں نہیں کر سکتے۔ (بھیا کی یہ بات دل کو بہت بھلی لگی)۔

اپنے خطاب کے دوران بھیا نے مجھے اور فرحان کو اپنے پاس بلایا اور شاباشی دی۔ ساتھ ہی حاضرین محفل سے مخاطب ہو کر کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ لوگوں بھی اپنے گھر میں اپنے محلے میں اپنے شہر میں اسی طرح عام لوگوں سے منفرد نظر آئیں۔

اچھا کوچ ہی کھلاڑی کو کھلاڑی بناتا ہے

رفیعہ ناہید پاشا

یہ بات تو آپ نے جان ہی لی ہو گی کہ آپ کی زندگی میں آپ کے اساتذہ نے کتنا اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ کی اچھی سوچوں، آپ کی اچھی ڈیلنگز کو مزید اچھے راستے دکھائے ہیں پھر انہیں نکھارنے کیلئے وہ خود آپ کی ذہنی فریکوئنسی تک آئے ہیں سکھانے سمجھانے کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو آپ کیلئے زیادہ پسندیدہ ہو۔ سکول کالج کے اساتذہ ہی کیوں خود آپ کے والدین یا آپ کے کچھ انکلز، آنٹیاں بھی آپ کی ذہنی سطح پر آکر بات کرتے اور آپ کو اتنا اچھا سمجھا دیتے ہیں کہ آپ خود کو اچھا خاصا ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگتے ہیں کامیابیوں کے نئے دروازے کھلتے ہیں اور زندگی میں اپنے مقصد کا حصول آسان لگنے لگتا ہے پہلے انکے تجربے کی باتیں سن کر حیرت سے آنکھیں کھول کھول کر دیکھتے ہیں..... مگر جوں جوں انکی گفتگو آگے بڑھتی ہے آپ کی آنکھوں کی حیرت ایک خاص چمک میں بدل جاتی ہے۔ دل امنگ سے بھر جاتا ہے اور جی مچلتا ہے کہ ابھی اٹھ کر وہ کر لیا جائے جو سامنے بیٹھی ہستی ایک خاص رفتار سے آپ کے کانوں اور دل میں اتار رہی ہے۔ آپ کو جینے کے رنگ بتا رہی ہے آپ کے خوابوں تک رسائی کے راستے ہموار کر رہی ہے اور پھر راستوں کی دونوں جانب پھول کھلا رہی ہے۔

ان پھول کھلاتے لوگوں کیلئے دل میں بڑی قدر پیدا ہوتی ہے ایک خاص مقام بنتا ہے۔ ان سے جذباتی لگاؤ ہو جاتا ہے۔ مگر دیکھو ناں..... کچھ لوگ ان پھول کھلانے والوں کو بھول جاتے ہیں شعوری اور غیر شعوری طور پر ان کے احسان کو کمتر سمجھتے اور اپنی عقل و دانش زیادہ سمجھنے لگتے ہیں۔ اور یہیں سے انکا زوال شروع ہوتا ہے۔

استاد دراصل ایک محنت کرنے والی ہستی کا نام ہے۔ جو اپنا آپ بھلا کر طالب علم کی سطح پر آجاتی ہے۔ اسکے ذہن کو ٹٹولتی اور اس میں نئی نئی کھڑکیاں کھولتی ہے..... جیسے زندگی کے کسی شعبے میں بھی آگے بڑھنے کیلئے استاد کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ٹھیک اسی طرح سپورٹس میں بھی نام کمانے کیلئے "کوچ" اہم کردار ادا کرتا ہے۔

یوں تو ہمارے ہاں کھیلوں میں کوچنگ کے مسائل بہت بڑھ چکے ہیں اور بہت سارے کھلاڑی اچھے کوچ نہ ملنے کی وجہ سے انٹرنیشنل لیول پر جا کر اپنی صلاحیتوں کا صحیح طرح سے اظہار نہیں کر سکتے۔ بلکہ ایک جمناسٹر نے تو عین وقت پر انکار کر دیا کہ اتنے بڑے کراؤڈ کے سامنے نہیں آؤنگا۔ جس پر اسے فیڈریشن والوں نے سمجھا بجھا کر بھیجا مگر پھر وہ مطلوبہ رزلٹ نہ دے سکا۔ دوسری گیمز کو فی الحال چھوڑیئے ہمارے ہاں ابھی تک کرکٹ اور ہاکی میں بھی کوچ کا صحیح بندوبست نہیں ہو سکا حالانکہ جب جب اچھے کوچ کا انتخاب کیا گیا ٹیموں کو کامیابیوں کی راہ پر چلانے والے کو انتظامیہ گھر بٹھا کر کونسے فوائد حاصل کرتی ہے یہ سوال شائقین کے ذہن میں اٹھتا رہے گا۔ مگر اس کا جواب شاید نہ مل سکے۔

مگر اساتذہ (کوچز) کی بے قدری اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اور ٹیموں کا عروج سے زوال کی طرف سفر شروع ہو جاتا ہے۔ پھر پکڑ دھکڑ کر کے لمبے لمبے دعووں کے ساتھ غیر ملکی کوچز کو بھاری تنخواہوں اور مراعات کے ساتھ لایا جاتا ہے مگر وہ کھلاڑیوں کو عجیب و غریب ایکسرسائز اور سخت ٹریننگ کروا کے فٹنس کے مسائل سے دوچار کر دیتے ہیں بلکہ یہی نہیں ہم نے تو ایسے ایسے ٹریننگ کیمپس دیکھے ہیں جہاں غیر ملکی کوچ اپنی زبان بول رہے ہیں اور قطاروں میں بیٹھے کھلاڑی آپس میں کھسر پھسر میں مشغول ہیں۔ بعد میں بڑی معصومیت سے بتاتے ہیں کہ ان کی زبان ہماری سمجھ میں نہیں آرہی ہم ان سے سیکھیں گے کیا.....؟

پاکستان کرکٹ بورڈ، پاکستان ہاکی فیڈریشن اور سپورٹس بورڈز ان مسائل پر کب توجہ دیں گے یہ کوئی نہیں جانتا اور جو مقامی کوچز موجود ہیں ان کی قدر نہیں ہے نہ انہیں زیادہ مراعات ملتی ہیں اور نہ ہی انہیں ان کا واجب احترام..... بہت سارے کھلاڑی اس بات پر متفق ہیں کہ غیر ملکی کوچوں کی ہرگز ضرورت نہیں اور ماہرین کھیل کی بھی یہی رائے ہے کہ غیر ملکی کوچوں کی جائے اپنے ملک میں موجود سابق نامور کھلاڑیوں کی خدمات حاصل کی جائیں جو اپنے ملک کے کھلاڑیوں کی نیچر اور موسم کو سمجھتے ہیں اپنی گراؤنڈز اور مالی حالات کو جانتے ہیں۔ فیڈریشن کے اراکین کی نیتوں کو پہچانتے ہیں۔ مگر افسوس کہ انہیں نہ عزت سے رخصت (ریٹائر) کیا جاتا ہے اور نہ بعد میں انہیں کسی اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ جس طرح وہ اپنی ٹیم کی کوچنگ کر سکتے ہیں اور جیسے نتائج وہ لا سکتے ہیں ویسے باہر کے مہمان کوچ نہیں لا سکتے سوائے کھلاڑیوں کو فٹنس پرابلم سے دوچار کرنے کے..... مقامی کوچ جنہیں ممکنہ سہولیات بھی حاصل نہیں..... نہایت بے لوث خدمات انجام دیتے ہیں..... کھلاڑیوں کو کھیل کی اونچ نیچ، کھیل کی تکنیک، دنیا کے مشہور کھلاڑیوں کے بارے میں معلومات، انجری سے محفوظ رہنے کے طریقے، موسم کے مطابق ورزشیں خوراک کا خیال، ٹیم میں رہ کر اپنے طور طریقے بہتر رکھنے کی کوشش، سپورٹس مین سپرٹ، مدمقابل ٹیموں کا احترام یہ سبھی چیزیں کھلاڑیوں کے اندر پیدا کرتے ہیں..... ان کی کامیابی کیلئے کوشاں رہتے اور ناکامی کی صورت میں حوصلہ بڑھاتے اور غلطیوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔

جس سے کھلاڑی کے اندر جیت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

گزشتہ دنوں امریکہ میں ہونے والے ویمن فٹبال ورلڈ کپ کے فائنل میں چین اور امریکہ کی ٹیمیں پہنچیں..... فائنل سے پہلے ہی چینی کوچ ایسے بیان آئے جن سے یقیناً کھلاڑیوں کا حوصلہ بڑھا ہوگا۔ ان کا کہنا تھا "ورلڈ کپ ہمارا ہو چکا ہے ہم اسکے حقدار ہیں" ایسی باتیں جیت کی امنگ رکھنے والی ٹیم کے اندر ایک خاص قسم کا جذبہ جگاتی ہیں اور اعتماد دلاتی ہیں۔ ٹیم ہار گئی تو بھی کوچ نے اپنی ٹیم کا مورال ڈاؤن نہیں ہونے دیا۔ اور آپس کی بات ہے کہ بیٹا جی! اپنی چھوٹی یا بڑی ناکامی کے بعد اپنے کوچ مشہور زمانہ محمد علی کلے کے کوچ ہمارا مطلب ہے اپنے استاد سے ملنا بڑا ضروری ہے۔ اس قسم کے بیان دیتے جس سے محمد علی کو مورل سپورٹ ملتی۔

قومی ہاکی ٹیم کے کوچ شہناز شیخ ایک سلجھے ہوئے انسان ہی نہیں نہایت نفیس قسم کے کوچ ہیں۔ کھلاڑیوں کو ٹریننگ کے دوران ان کی سطح پر جا کے سمجھاتے اور زیادہ روک ٹوک سے پرہیز کرتے ہیں تاکہ کھلاڑی کی صلاحیتیں خود سامنے آئیں۔

پچھلی چیمپئنز ٹرافی جو لاہور میں ہوئی تو ہم نے ہاکی پلیئرز سے انٹرویو لینے سے پہلے کوچ شہناز شیخ کو دیکھا جو کھلاڑیوں کو صبح کی پریکٹس کے بعد سمجھا رہے تھے۔ کھلاڑی درمیان میں ان سے مختلف سوال بھی کرتے جاتے۔ جس کا جواب وہ انتہائی تحمل سے دیتے اور تفصیل سے بتاتے ہمیں انہوں نے بتایا کہ "کوچنگ ایک بہت خوبصورت بات ہے آپ اپنے ذہن کی باتیں اور تجربات دوسروں کو بتاتے اور نتائج لیتے ہیں۔ کھلاڑیوں کی فٹنس اور اعتماد بے حد ضروری چیزیں ہیں اور میری ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ ٹیم ہارے یا جیتے لیکن اس کا مورال ڈاؤن نہ ہو"

پاکستان ہی نہیں دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی کوچنگ کو ہمیشہ اہمیت دی جاتی ہے بلکہ اگر کسی حرح کوچ سے ذہنی ہم آہنگی نہ ہو سکے تو کھلاڑی ٹھیک رزلٹ نہیں دے سکتا۔ ومبلڈن چیمپئن پیٹ سمپرا کوچ کی موت کے بعد کئی مقابلوں میں کامیابی حاصل نہ کر سکے اور خود بیمار ہو گئے نئے کوچ کے ساتھ سیٹ ہوتے ہوتے بھی وقت لگا۔

سٹیفی گراف اور مونیکا سیلز کے پاپا ہی انکے ابتدائی کوچ تھے۔ 50 مرتبہ دیوار کے ساتھ گیند مارنے پر گراف کو ایک آئس کریم اپنے پاپا کی طرف سے ملتی بعد میں وہ خود بھی اسکے ساتھ کھیلتے پیٹر گراف جب تک سٹیفی گراف کے ساتھ رہے سٹیفی نے شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ بلکہ آتے ہی مشہور زمانہ کوئین آف ومبلڈن مارٹینا نیور اٹیلوا کو ہرا دیا۔ مگر جب پیٹر گراف کچھ الزامات کے سلسلے میں جیل گئے تو سٹیفی گراف کی کامیابیوں کا سلسلہ بھی برقرار نہ رہ سکا۔ مونیکا سیلز کے والد کروج دراصل اپنے بیٹے کو ٹینس پلیئر بنانا چاہتے تھے مگر بہت بھائیوں کو کھیلتا دیکھ کر انہوں نے سیلز میں زیادہ ٹیلنٹ محسوس کیا اور اس پر محنت کی نتیجتاً وہ دنیا کی نمبر ون ٹینس پلیئر بھی بنی۔

کھلاڑی کے اندر کی صلاحیتیں جاننا اور اسے اسی کی خاص پوزیشن پر کھلانا بھی کوچ ہی کا فن ہے۔ انٹرویوز کے دوران ہمیں پتہ چلا کہ کھلاڑی پہلے پہلے جب ٹیم کیلئے آتے ہیں تو مختلف پوزیشنوں پر کھیل رہے ہوتے ہیں مگر کوچ پھر خود فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ کھلاڑی اس پوزیشن پر زیادہ اچھا رزلٹ دیگا۔ پھر ہوتا بھی یہی ہے پلیئر اس پوزیشن میں کمال حاصل کرتے اور نام پاتے ہیں۔

> کھلاڑی بتاتے ہیں ہمیں ان کی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی
>
> غیر ملکی کوچوں کی ہر گز ضرورت نہیں
>
> ٹیم ہار گئی تو بھی کوچ نے مورال ڈاؤن نہیں ہونے دیا
>
> کوچ سے ذہنی ہم آہنگی بہتر رزلٹ دیتی ہے

حال ہی میں پاکستان سپورٹس بورڈ نے کھیلوں کی چھپی کھچی نرسری کو چھانے اور گراس روٹ پر کھیلوں کو فروغ دینے کیلئے ایک "جامع" پروگرام کا اعلان کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ باسکٹ بال، فٹبال اتھلیٹکس اور باکسنگ کیلئے غیر ملکی کوچ بلائے جائیں جو کلاڑیوں کو دو برس تربیت دیں گے۔

پاکستان سپورٹس بورڈ کے ڈائریکٹر جنرل ذاکر حسین سید نے اپنے طور پر غیر ملکی کوچز کو بلانے کا فیصلہ خوب سوچ سمجھ کر کیا ہوگا اور شاید اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ ہمارے ہاں ان گیمز میں سینئر کھلاڑی بھی زیادہ شہرت اور کامیابیاں حاصل نہیں کر پائے مگر جن گیمز میں ایسے شاندار کھلاڑی موجود ہیں وہاں بھی ان کی صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا۔ حالانکہ انہیں بیرون ممالک میں خاصا مقام حاصل ہے۔

اور لوگ ان کی خدمات حاصل کرنے کیلئے بے چین بھی رہتے ہیں۔ ایک اچھا کوچ بہر حال کھلاڑی کی زندگی کو یوں عروج پر لے جا سکتا ہے۔ جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔

لور دوسروں کو سکھائے۔ اپنے کالج Activity based Teaching کی بنیاد پر تعلیم کے طریقہ کار کا تعارف کروایا۔

☆☆☆

عاصمہ ستار فیلکن پبلک سکول لوکاڑہ

میرے نالج میں اضافہ ہوا۔ لور مجھے وقت کی اہمیت اسکی پابندی لور زندگی کی بہت سی حقیقتوں کے بارے میں آگہی حاصل ہوئی۔ جس میں تعلیم کی اہمیت سر فہرست ہے۔ اس کے علاوہ بچوں کی نفسیات ان کی سرگرمیوں لور انکی دلچسپیوں کے بارے میں پتہ چلا۔

☆☆☆

محمد قیصر فیلکن پبلک سکول لوکاڑہ

اسلامی نقطہ نظر کے پیش نظر استاد بننے کا جذبہ مجھ میں اسلئے پیدا ہوا کہ قوم کی خدمت کروں۔ معاشرے سے تمام برائیوں کو ختم کر کے قوم میں اچھائی کی خصوصیات پیدا کروں۔

☆☆☆

س رضوانہ اقبال..... فیلکن پبلک سکول لوکاڑہ

میری قوت برداشت میں اضافہ ہوا۔ مجھے تعلیم کی اہمیت کا صحیح طور پر احساس ہوا لور میں نے اس احساس کو طلباء تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔ بچوں کو وطن سے محبت استاد کا احترام لور ترقی وطن کے لئے کام کرنے کو کہا۔

پروفیسر اکرم طاہر (انگلش لیکچرار) گورنمنٹ ڈگری کالج لوکاڑہ

بطور انگریزی استاد مجھے اس بات کا تکلیف دہ حد تک احساس ہے کہ سو سال تک انگریز ہم پر حکمران رہے لور گذشتہ پچاس سال سے انگریز ہی ہم پر حکمران ہیں۔ انگریزی سے غیر ضروری حد تک وابستگی نے نئی نسل کو نظریاتی لور ثقافتی بحران میں مبتلا کر دیا۔

پھول سنڈی وھیل

10 شرلور 100 ہم سفر

علم و آگہی کا سفر پھول کے ساتھ

کام کا آغاز چند ماہ پہلے ہوا تھا۔ خیال تھا کہ صرف ان پھول ساتھیوں کیلئے ہو جو لکھنے پڑھنے کا سوچتے ہیں۔ اسی کو لوڑ صنا چھوٹا نا چاہتے ہیں۔ عمل کے سائے میں جینا چاہتے ہیں۔ آگہی کے سفر کی منزلیں طے کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ مشورے ہوئے۔ تھوڑا خاکہ تیار ہوا۔ اب رنگ بھرنے کی باری ہے تو سوچا کہ رنگ ایسے بکھیرے ہوں کہ تابندہ تر ہیں۔ پھول سنڈی وھیل سے ایسی با اعتماد لور علم دوست ٹیم تیار ہوں جس پر ناز کرنے کو جی چاہے۔ جو پھلدار درختوں کی خوبیاں لئے ہو۔ نہ صرف خود آسودہ فکر لور آسودہ حال و خیال ہو بلکہ دوسروں کیلئے آسانیاں فراہم کرنے لور بے علمی کی دھوپ سے بچانے لور نئی راہ دکھانے کا باعث ہے ہمیں امید ہے شاہدہ کی سربراہی میں یہ قافلہ خوب سفر طے کرے گا لور اچھی منزلوں پہ آپ کو لے کر جائے گا۔ اس سال کیلئے ہدف ☆10 شرلور 100 ہم سفر ☆ہر شہر میں 10 ساتھی ☆ہر ماہ ایک نشست ☆ہر ماہ کا موضوع لور کتابیں طے شدہ

☆ممبر کیلئے اشاعتی لداروں سے 25 فیصد رعایت پر کتابوں کی فراہمی۔ ☆ہر شہر میں علم دوست استاد یا والدین کی راہنمائی کا اہتمام ☆نہ کوئی رسم یا کاروائی ☆خط لکھیے۔ اپنا نام پتہ رجسٹر ڈ کروایئے۔ پھول ممبرز کو ترجیح ملے گی۔ ☆جو ممبر نہ ہوں گے ان کو ترجیحاً ممبر بنا لیا جائے گا۔ پھول دوستی لور پھول کے مزاج لور انداز سے ہم آہنگی بنیادی شرط ہے۔ ☆..... جو شہر ہم نے سوچے ہیں وہ یہ ہیں۔

☆..... لاہور کراچی کوئٹہ ہری پور (سرحد) فیصل آباد گوجرانوالہ ملتان ڈیرہ غازی خان صادق آباد لور گوجرہ۔ یہ تو آغاز ہے ابھی تو بہت مزے مزے کے کام کرنے ہیں تو پھر دیر کاہے کی ہے پہلے آیئے لور سنڈی وھیل کو اپنے ساتھ لے جایئے لور بقیہ حیات کو آپ کے آنے والے خطوط کو پراسس کرنے لور تفصیلات سے آگاہ کرنے کیلئے خصوصی ذمہ داری سونپی گئی ہے

آج نہیں ابھی لکھیے پتہ :- پھول سنڈی وھیل -A شارع فاطمہ جناح لاہور

انعامات کا خزانہ

پیارے پھول دوستو! انعامات حاصل کرنے والے دوستوں کی فہرست حاضر ہے جن کے انعام نہیں نکلے وہ دل چھوٹا نہ کریں اگلی بار سہی۔ جن کے انعامات نکلے ہیں وہ دس 10 اگست 1999ء بروز منگل صبح گیارہ بجے پھول دفتر تشریف لائیں لور اپنا انعام لے جائیں لور کسی اچھی شخصیت سے ملاقات بھی کریں۔

صفحہ بتائیں انعام پائیں

1۔ محمد اشرف بہاولنگر
2۔ سعدیہ شبیر مرید کے
3۔ قدوہ خلیل آزاد کشمیر
4۔ فرح یاسمین سیالکوٹ
5۔ شہباز مظفر گڑھ
6۔ فریحہ اظہار فیصل آباد
7۔ محمد عظیم لاہور

کوئز کی دنیا

1۔ محسن لطیف لوکاڑہ
2۔ کاشفہ الیاس لاہور
3۔ راحیل غفار لاہور
4۔ غزالہ تبسم میاں چنوں
5۔ صبا فردوس لاہور
6۔ شمیم فیاض لاہور
7۔ اشفاق احمد کوہاٹ

قرآن کوئز

قرآن کوئز کی ونر ہیں مدیحہ طارق ان کا تعلق مانسہرہ سے ہے۔ اس بار قرعہ اندازی سید غضنفر علی نے کی۔

استاد بننے کے بعد مجھ سے ایک قابل قدر کام یہ ہوا

مس رفعت..... فیلکن پبلک سکول لوکاڑہ

میری زندگی میں استاد بننا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ ایک فرد کا سنوارنا پورے معاشرے کو سنوارنا ہوتا ہے۔ اس لئے میں ہر طالب علم کو ان کے بہتر مستقبل کا سوچتے ہوئے ان بچوں کو تعلیم کی طرف راغب کیا جو تعلیم سے بے زار ہو چکے تھے۔

☆☆☆

وجیہہ اسلام فیلکن پبلک سکول لوکاڑہ

مجھے استاد کی اہمیت کا احساس استاد بننے کے بعد ہوا۔ خود کو ماڈل بنایا اور اپنی شخصیت کو نکھارا۔ دوسروں کو سننا سیکھا، سمجھنا سیکھا، احترام کرنا سیکھا۔ اپنی بات منوانے کا فن سیکھا۔

☆☆☆

آصف نعیم پرنسپل سکالرز پبلک سکول لوکاڑہ

میں نے اپنے ایک مدرس ساتھی خادم کو بچوں کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں سختی کی بجائے مشفقانہ رویے کی طرف مائل کیا۔ پہلے وہ ہمیشہ اس بات کا گلہ کیا کرتے تھے کہ سخت محنت کے باوجود ان کے بچوں بالخصوص ان کے اپنے بچوں کی کارکردگی قابل تعریف نہیں ہوتی لیکن میرے کہنے پر جب انہوں نے اپنے رویے میں یہ مثبت تبدیلی پیدا کی تو معجزے رونما ہوئے۔

☆☆☆

ریاض احمد پرنسپل ڈسٹرکٹ پبلک سکول لوکاڑہ

میں ایک فرض شناس ٹیچر تھا اور ہمیشہ ہی اس ذوق و شوق اور محنت سے پڑھایا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے ہی خلوص اور فرض شناسی کی آج بھی ضرورت ہے۔ اپنی بہترین کارکردگی تک پہنچنے کیلئے میں نے دوسروں کے ساتھ مل کر عمل کیا، آسان اور سستے ٹیچنگ ایڈز بنانا سیکھے

طارق جاوید فیلکن پبلک سکول لوکاڑہ

استاد بننے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کام کے لئے منتخب کیا جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ ہمیں اس تعلق کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کرنا چاہئے۔ میں نے طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تربیت کا خصوصی خیال رکھتے ہوئے کام کرنا چاہئے۔ میں نے طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تربیت کا خصوصی خیال رکھا۔

میں نے بچوں کو پوری توجہ، محنت اور دیانتداری سے پڑھایا، میں نے معاشرے میں اپنی ذمہ داری کو سمجھا۔ اور اس شعبے کو عبادت ہی سمجھ رہی ہوں۔

☆☆☆

مسز فریدہ بانو وائس پرنسپل فیلکن پبلک سکول

میری یہ خواہش تھی کہ میرے طالب علم بہت اچھے شہری بنیں۔ وقت کے پابند ہوں۔ اچھی عادات کے مالک ہوں۔ چنانچہ سب خوبیاں اپنے آپ میں پیدا کیں۔

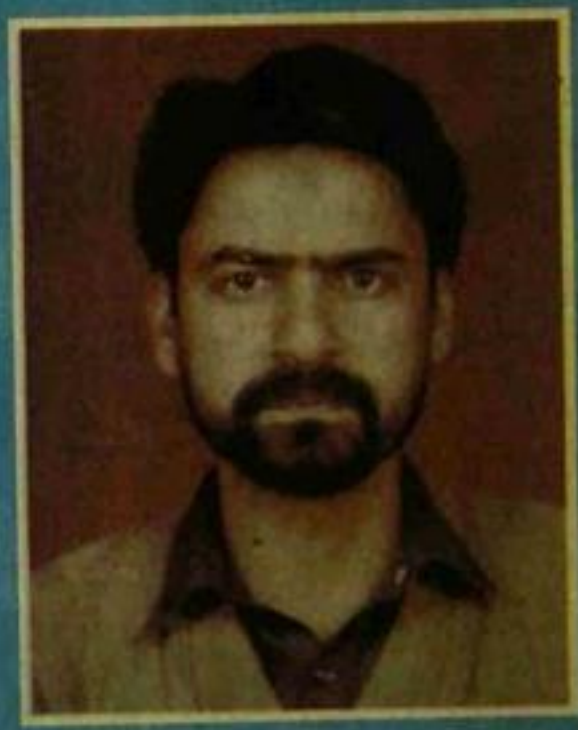

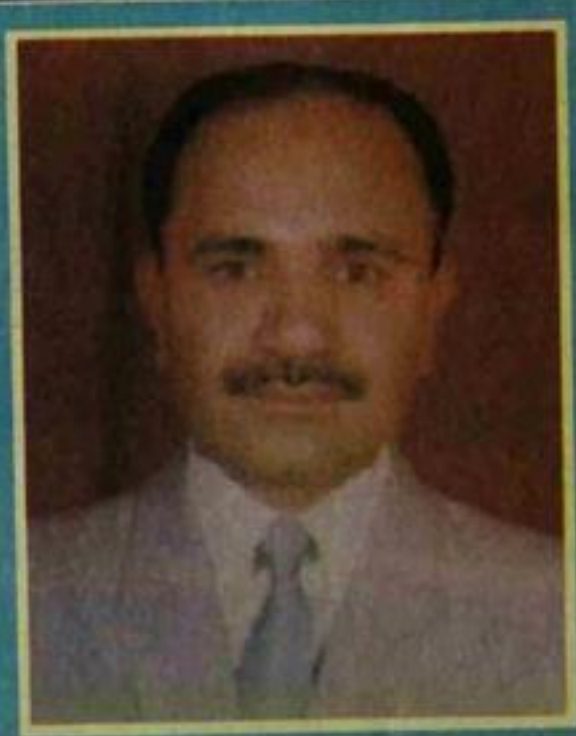

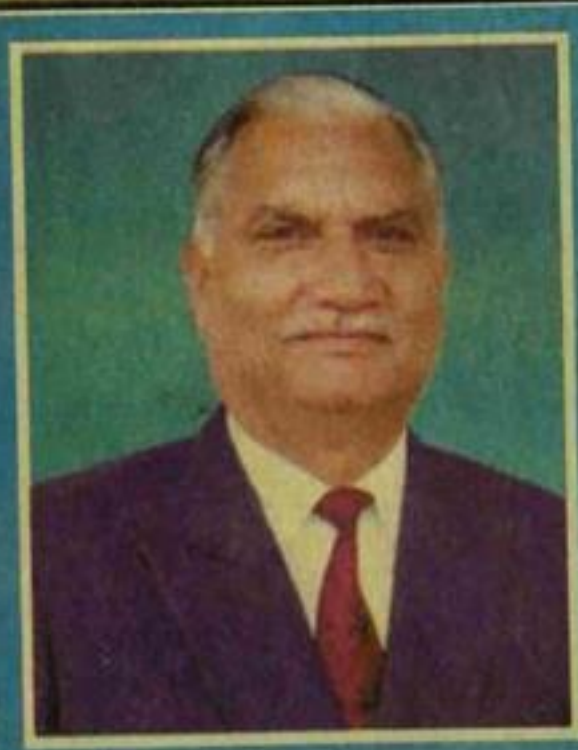

TASTE TIME

سعدیہ ثناء اللہ

پیاری پھولنیو! الابلا کھانے تو آپ کو بہت ملیں گے امید ہے کہ آپ نے ہماری حکومت میں صحت تو خوب بنائی ہو گی اللہ کرے آپ اس سے بھی اچھی صحت پائیں۔ ساتھیو! آپ کو معلوم ہے کہ امریکی ڈاکٹروں نے دریافت کیا ہے کہ دلیہ کھانے والوں میں زیابیطس' دل کے عارضے اور بلڈ پریشر بڑھنے کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں۔ ہمیں زندگی کی دوڑ میں شامل ہونے کے لئے اچھی صحت چاہئے جو کہ وقت ضائع کرنے کی بجائے آگے نکل گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ ایک اچھی سی بات کی ڈش ہماری طرف سے۔ "ہمیشہ ایک دوسرے سے پیار کرو' پیار اور اچھے اخلاق سے پیش آؤ کیونکہ انسان کے جانے (اس دنیا سے) کے بعد یہی چیزیں اسکی یاد دلاتی ہیں کوشش کریں کہ کبھی کسی کو دکھ دینے کا بھی نہ سوچیں"

ہماری آج کی پہلی مہمان ہے ریحانہ عتیق یقین سے کہہ رہی ہیں کہ بہاولپور میں رہتی ہیں پھول انکا پسندیدہ رسالہ ہے۔ پھول کے لئے کامیابی اور کامرانی کی دعائیں بھیجی ہیں آیئے دیکھتے ہیں یہ کیا لائی ہیں ہمارے اور آپ کیلئے۔

"پف پیسٹری"

اشیاء= ۲۰۰ گرام آٹا' ایک چٹکی نمک ۲۰۰ گرام مکھن' تھوڑا سا لیموں کا رس' انڈا پھینٹا ہوا' 1.5 ml ٹھنڈا پانی۔

طریقہ = نمک اور آٹے کو چھان کر برتن میں ڈالیں مکھن کو نرم کریں تھوڑا سا نمک آٹے میں ملا لیں اب پانی اور لیموں کا رس بھی ملا لیں۔ آٹے کو گوندھ لیں آٹے کو ایک مستطیل کی شکل کی روٹی بنا لیں۔ آدھے حصے پر مکھن پھیلا لیں اور دوسرے حصے کو اوپر سے ڈھک دیں کناروں کو دبا لیں اب بیلنے کی مدد سے تین گنا لمبا بیل لیں ایک حصے کو نیچے کی طرف لپیٹ لیں اور دوسرے کو اوپر کی طرف کناروں کو بند کر لیں اب پیسٹری کو دوبارہ بیلن سے بیلئے اور رکھ دیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد اس عمل کو چھ دفعہ دہرائیں اب آپ جس طریقے سے بھی پیسٹری بنانا چاہتی ہیں بنا لیں۔ پھینٹے ہوئے انڈے سے برش کریں اور گیس مارک ۴ یا ۵ یا ۶ پر بیک کر لیں۔

وائٹ سوس کٹلس

اشیاء= آلو آدھا کلو' دو ابلے ہوئے انڈے' چھ سات کالی مرچ پسی ہوئی' تھوڑا سا ہرا دھنیا' حسب ذائقہ لال مرچ تھوڑا سا ڈبل روٹی کا چورا اور تلنے کے لئے تیل۔

ترکیب = آلوؤں کو اچھی طرح ابال لیں اور پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال دیں۔ دو عدد انڈے بھی ابال لیں جب آلو ابل جائیں تو انہیں چھیل کر مسل لیں پھر اس میں ابلے ہوئے انڈے ملا کر یک جان کر لیں اور پھر اس میں لال مرچ کالی مرچ' ہرا دھنیا نمک کو اچھی طرح مسل لیں پھر ان کی لمبائی کے رخ رول بنا لیں اور ایک عدد انڈا پھینٹ کر پہلے انڈے کے رول میں ڈبو لیں۔ پھر ڈبل روٹی کا چورا لگا کر تل لیں مزیدار کٹلس تیار ہیں اسے سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

ستارہ اقبال..... گوجرانوالہ میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں اور یہ مسلسل پانچ سال سے پھول رسالہ پڑھ رہی ہیں

"پیٹیٹو رول"

اشیاء= آلو ایک کلو' دودھ آدھا کلو' میدہ ایک کپ انڈے ۲ عدد نمک کالی مرچیں ہرا دھنیا سرخ مرچ حسب ذائقہ گھی آدھا کپ۔

ترکیب= آلو ابال لیں پھر باریک کاٹ لیں اس میں نمک کالی مرچیں ہرا دھنیا سرخ مرچیں ملا لیں دودھ میں میدہ' نمک اور انڈے ملا لیں اور فرائی پین میں تھوڑا سا گھی لگائیں پھر اس میں یہ آمیزہ اتنا ڈالیں کہ یہ ایک باریک سی روٹی کی شکل بن جائے جب یہ ہلکی ہلکی پک جائے تو اس کی سائیڈ بدل دیں وہ طرف بھی پک جائے تو اسے اتار لیں اس طرح کی چھ روٹیاں بنائیں اور انہیں بھی اس طرح پکائیں پھر انہیں درمیان سے کاٹ لیں اس طرح یہ بارہ پیس بن جائیں گے پھر ایک ایک پیس لے کر اس میں آلو ڈال کر گول گول بند کر لیں سب پیسوں کو اسی طرح ہی کر کے گھی میں تل لیں۔

پیکڈ قیمہ

اشیاء= قیمہ تین پاؤ' دودھ ایک پاؤ' انڈے دو عدد ایک پیاز ایک عدد سبز مرچ تین عدد ہرا دھنیا آدھی گٹھی لہسن دو جوئے ادرک ایک چھوٹی گرہ ان سب اشیاء کو باریک کر لیں سیاہ مرچ نصف چائے کا چمچہ نمک حسب ذائقہ

ترکیب = انڈے توڑ کر پھینٹ لیں اور اس میں دودھ شامل کر لیں پھر اس ڈبل روٹی کے ٹکڑے قیمہ اور سارا کترا ہوا مصالحہ مرچ اور نمک بھی شامل کر کے خوب حل کر لیں۔ تیل کے ساتھ سانچے کو چکنا کر کے سارا مصالحہ ملا ہوا قیمہ اس میں بھر کر تندور میں درمیانی آگ پر ایک گھنٹہ تک پکا لیں۔

تیار ہونے پر ابلے ہوئے انڈے اور ٹماٹر کے ساتھ پیش کریں۔

اسم گرامی فریحہ چاند ہے اور تعلق صادق آباد سے انہیں Taste Time بہت پسند ہے۔ فریحہ آٹھویں کلاس کی طالبہ ہیں اور بورڈ میں ٹاپ کرنے کا ارادہ ہے۔ انہیں چکن بہت پسند ہے یہ ان کی تحریر سے لگتا ہے۔

چکن چلی

اشیاء= چکن کے Bone Less ٹکڑے (چھوٹے سائز کے) آدھ کلو' کارن فلور' دو چمچ نمک اور پانی حسب ضرورت پیاز تین عدد ہری مرچ ۱۲۵ گرام' کارن آئل' سویا ساس تین چمچ

ترکیب= گوشت کے ٹکڑوں نمک' سویا ساس اور چار کپ پانی ڈال کر دھیمی آنچ پر گلنے دیں' جب گوشت گل جائے اور دو کپ پانی رہ جائے تو گوشت کو نکال کر تل لیں۔ سبز مرچیں لمبی لمبی کاٹیں پیاز کے گول گول ٹکڑے کاٹ کر ہلکا سا تل لیں' گوشت کے بچے ہوئے پانی میں کارن فلاور گھول لیں اس میں گوشت پیاز سبز مرچ اور نمک ڈال کر دھیمی آنچ پر پکائیں شوربہ گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں اور چاولوں یا چپاتی کے ساتھ نوش فرمائیں۔

"چکن جیلی"

اشیاء= چکن ۳ پونڈ یخنی ایک کپ سویٹ پیپر انیبل سپون' جیلاٹن ڈیڑھ ٹیبل سپون اور کھیرے کے ٹکڑے

ترکیب= چکن کو پانی میں ۳۵ منٹ کے لئے ابال لیں اور ٹھنڈا کر لیں اور ٹکڑوں میں کاٹ لیں یخنی میں نمک کھیرا اور پیپر ڈال کر ۶ سے ۷ منٹ کے لئے ابالیں بعد میں اس میں سے کھیرا اور پیپر نکال لیں جیلاٹن کو تھوڑی سی یخنی میں گھول لیں اور باقی یخنی میں ملا دیں چکن پیس کو ڈش میں لگا دیں اور فریج میں ۲ سے ۳ گھنٹے کے لئے ٹھنڈا کر لیں نہایت لذیذ ڈش ہے آزما کر دیکھیں اور مزہ اٹھائیں۔

چکن سلائس

اشیاء= چکن کا سینہ' ایک عدد کارن فلور دو ٹی سپون' آئل دو ٹیبل سپون' یخنی چار ٹیبل سپون سویا سوس ایک ٹیبل سپون

ترکیب= چکن کے مناسب سائز کے سلائس بنا لیں آدھا نمک اور کارن فلاور ان کو حل کر دیں اور پانی میں ۵ منٹ جوش دیں۔ ساس پلین پر ڈھکنا رکھ کر چار منٹ تیز آنچ پر کھولنے

دیں اور پلیٹ میں ڈال کر دھنیا اور ٹماٹر سے سجا کر پیش کریں۔

فائزہ سلیم ملتان روڈ پر قیام پذیر ہیں پھول کافی عرصے سے پڑھ رہی ہیں لیکن کوئی انعام نہیں ملا بھئی فائزہ کچھ لکھیں ڈالیں انعام ملے گا۔ وہ فرماتی ہیں کہ اگر ایڈیٹر بھیا کو اچھے کھانے کھانے کا شوق ہے ہوا تو وہ میری تراکیب کو عزت بخشیں گے۔

گھریلو چٹکلے

☆..... کھجور اجسم سے چھٹ جائے تو اس پر پیاز کا پانی ڈال دیں یہ اسی وقت کھال سے ناخن نکال لے گا۔

☆..... نیا جوتا اکثر پاؤں پر آبلہ ڈال دیتا ہے' گھبرانے کی بات نہیں اس آبلے پر آپ انڈے کی سفیدی لگا دیں۔

☆..... اگر آپ کے منہ پر کیل مہاسے نکلتے ہیں تو پھٹکری پانی میں بھگو کر رکھ لیں اور دن میں تین مرتبہ چار مرتبہ یہ پانی منہ پر لگائیں۔

☆..... سر کی خشکی ختم کرنے کے لئے ناریل کے تیل میں لیموں کا عرق ملا کر بالوں کی جڑوں میں اچھی طرح لگائیں۔

☆..... جوڑوں کے درد کے لئے تل کا تیل ایک پاؤ' دس لونگ' ایک جیفل ہر مل آدھ تولہ گرم آگ میں پکائیں جب یہ سرخ ہو جائیں تو تل کے تیل میں ہی رگڑ کر جوڑوں کی مالش کریں۔

☆..... لیموں کے رس سے سر کی مالش کرنے سے بال چمکدار ہونا شروع ہو جائیں گے۔

☆..... گوشت کا مصالحہ بناتے وقت مصالحے میں تھوڑا سا آنا شامل کر دیں تو سالن اچھا بنے گا۔

"روحانی عملیات"

☆..... کسی بھی نماز کے بعد سجدے میں جا کر تین مرتبہ "یارب اغفرلی" پڑھیں گناہوں کی معافی کی دعا کریں۔

☆..... عشا کی نماز کے بعد سجدے میں یارحم الرحمین سو دفعہ پڑھ کر سخت مصیبت اور بیماری کے لئے دعا کریں۔

☆..... پنجگانہ یا کسی نماز فرض کے بعد یا لطیف ۱۲۱ دفعہ پڑھیں اور دین و دنیا کی حاجتوں کے لئے دعا کریں اللہ تعالیٰ سننے والا ہے۔

شہد غذا بھی شفا بھی

☆..... شہد نعمت خداوندی ہے نبی اکرمؐ نے فرمایا جو شخص ہر مہینہ میں کم از کم تین دن صبح صبح شہد چاٹ لے وہ ہر بیماری سے محفوظ رہے گا۔

☆..... اگر مرگی کے دورے پڑتے ہوں تو تورس پیٹھا شہد میں ملا کر کھائیں دورے جاتے رہیں گے۔

☆..... آگ سے جلے ہوئے مقام پر شہد لگائیں یہ نسخہ سحر انگیز ہے۔

☆..... خالص شہد ایک چمچ ایک گلاس نیم گرم پانی میں ملا کر پئیں گلے کی سوزش' درد میں افاقہ ہو گا۔

غلام فاطمہ جماعت دہم کی طالبہ ہیں انہیں کھانے پینے کا کافی شوق ہے۔ انہوں نے آپ کے لئے موسم کے خوبصورت اور لذیذ ترین پھل آم کی مختلف ڈشز بھیجی ہیں۔

آم کی پڈنگ

اشیاء :۔ دودھ، ایک گلاس، کسٹرڈ پاؤڈر، ایک کھانے والا چمچ (کسی بھی فلیور کا) چینی، چار کھانے والے چمچ آم (سندھڑی) دو عدد کریم، ایک کپ

ترکیب :۔ دودھ کو کسی دیگچی میں ڈال کر گرم کریں ایک ابال آنے کے بعد اس میں چینی ڈال دیں دو بڑے چمچ دودھ اس میں سے لے کر اسے ٹھنڈا کر لیں اور پھر اس میں کسٹرڈ پاؤڈر ملا کر ابلتے ہوئے دودھ کے نیچے آنچ ہلکی کر کے کسٹرڈ پاؤڈر کی پلیٹ ڈال دیں اور تیزی سے چمچ چلائیں اس وقت تک چمچ چلاتی رہیں جب تک کسٹرڈ گاڑھا نہ ہو جائے اب کسٹرڈ کو چولہے سے اتار لیں اور ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیں آم کو چھیل کر گودا نکال کر شیکر میں ڈال کر بلینڈ کر لیں کریم کو پھینٹ لیں کہ وہ پھول جائے اب آدھی کریم ٹھنڈے کسٹرڈ میں ڈال کر مکس کریں اور ساتھ ہی آم کا گودا ڈال کر مکس کر لیں اور باؤل میں ڈال دیں اور باقی بچی ہوئی کریم اس کے اوپر ڈال کر ٹھنڈا ہونے کے لئے فریج میں رکھ دیں کم از کم ایک گھنٹے کے لئے اور پھر لذیذ مینگو پڈنگ سے لطف اندوز ہوں۔

مینگو فلیسن

اشیاء :۔ مکھن، آدھا کپ، انڈے، دو عدد، میدہ، پونا کپ، بیکنگ پاؤڈر، ہاف چمچ ونیلا ایسنس ہاف چمچ چینی آدھا کپ، فلیسن فلنگ، آم بلینڈ کئے ہوئے ایک کپ کریم، ایک کپ، چینی 2 کھانے کے چمچ آم ایک عدد، کیوبز کاٹ لیں۔

ترکیب! چینی کو گرائنڈ کر لیں اور مکھن میں چینی ڈال کر پھینٹ لیں اب اس میں انڈے ڈال کر پھینٹ لیں میدہ میں بیکنگ پاؤڈر ڈال کر مکس کر لیں جب مکھن چینی اور انڈے کا مادہ پھول جائے تو اس میں تھوڑا تھوڑا کر کے میدہ ڈالیں اور مکس کر لیں ساتھ ہی ونیلا ایسنس بھی ڈال دیں اب اس مادے کو ایک گول پین میں ڈال کر پہلے سے گرم شدہ اوون میں میڈیم آنچ پر دس منٹ کے لئے بیک کر لیں۔ جب ہلکا براؤن ہو جائے تو نکال کر ٹھنڈا کر لیں اور جب بالکل ٹھنڈا ہو جائے تو بلینڈ کئے ہوئے آم کو اس پر ڈال دیں اور آم کی کیوبز سے سجائیں کریم کو پھینٹ کر اس میں دو چمچ چینی پیس کر ملائیں اور اس کریم سے اسے ڈیکوریٹ کر کے دو گھنٹے کے لئے فریزر میں رکھ دیں جب ٹھنڈا ہو جائے تو تیز چھری سے کیوبز کی شکل میں کاٹ کر پیش کریں۔

نام ربیعہ یوسف ہے تعلق سرگودھا سے ہے سیکنڈ ائیر کی طالبہ ہیں ٹیسٹ ٹائم بہت پسند ہے وہ تراکیب والے صفحات سنبھال کر رکھ لیتی ہیں تاکہ بوقت ضرورت کام آسکیں۔

کشمیری تکے

اشیاء :۔ گوشت..... ڈھائی سو گرام، کالی مرچ..... نصف چمچ، پیاز..... 50 گرام، گرم مصالحہ..... ایک چمچ لیموں..... ایک عدد، گھی..... 25 گرام، ٹماٹر..... 125 گرام، نمک مرچ حسب ضرورت

ترکیب :۔ پیاز چھیل کر گول گول ٹکڑوں میں کاٹ لیں، اسی طرح ٹماٹر دھو کر گول گول قتلوں کی طرح کاٹ لیں گرم مصالحہ، نمک، سرخ مرچ اور کالی مرچ باریک پیس کر ان میں لیموں کا رس ملائیں گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنا لیں..... اس کے بعد ایک برتن میں گھی ڈال کر چولہے پر رکھیں اس میں پسا ہوا مصالحہ بھون کر گوشت کے ٹکڑے مصالحے میں رکھے رکھنے کے بعد سلاخ میں اس طرح پروئیں کہ ایک ٹکڑا گوشت کا اور ایک ٹکڑا ٹماٹر اور پیاز پکائیں اور کوئلوں کی دھکتی آگ پر سرخ کر کے پکائیں۔

ہرے چنوں کا حلوہ

اشیاء :۔ ہرے چنوں کے دانے، ایک پاؤ، دودھ ایک سیر، گھی، آدھا پاؤ، چینی آدھا پاؤ، لونگ چھوٹی الائچی تین چار دانے، کیوڑہ ایک چائے کا چمچ

ترکیب :۔ ہرے چنوں کو دودھ میں ڈال کر پکائیں جب دودھ خشک ہو جائے تو چنے پیس لیں، گھی میں لونگ اور الائچی کا بگھار دیں، پھر اس میں پسے ہوئے چنے ڈال کر خوب بھونیں ایک دیگچی میں آدھ پاؤ پانی میں چینی پکا کر قوام تیار کریں یہ قوام چنوں میں ڈال دیں اور اس وقت تک بھونیں جب تک حلوہ گھی نہ چھوڑ دے خوشبو کے لئے کیوڑہ ڈال دیں گرما گرم حلوہ تیار ہے۔

فالسے کا شربت

آجکل گرمیاں ہیں اور پیاس بکثرت لگتی ہے پیاس بجھانے کے لئے فالسے کے شربت سے بہتر کوئی چیز نہیں، اس کو بنانے کے لئے آدھا سیر فالسہ کو تین سیر پانی میں ڈال کر ہاتھوں سے مسل کر پکا لیں جب پانی نصف رہ جائے تو چولہے سے اتار کر چھان لیں اور اس میں تین پاؤ چینی ملا کر دوبارہ ہلکی آنچ پر پکائیں اور شربت تیار کر لیں

کھوپرے کی چٹنی

ترکیب :۔ ایک چھٹانک کھوپرے کو بھونیں تین لال مرچیں بھی بھونیں ان کو ملا کر املی ڈال کر پیسیں اس میں تھوڑا پیاز ڈال کر آہستہ آہستہ کوٹ کر اٹھا لیں مزیدار لذیذ چٹنی تیار ہے۔

بیڈ ٹائم سٹوری

چڑی کب یاد رہے گا

اختر عباس

آواز دینے کیلئے منہ کھلا اور کھلا ہی رہ گیا۔ آواز ہی نہیں نکل پائی۔ نکلتی بھی کیسے عجیب شرم سی آئی کہ کسی کو بلانے کا یہ بھلا کیا طریقہ ہوا۔ چڑی..... میں سوچ میں پڑ گیا کہ اس لفظ کے ساتھ کیا شامل کروں کہ دل مطمئن ہو جائے اور منہ سے آواز نکل آئے۔ چڑی صاحب!..... اوں ہوں..... چڑی بھائی۔ یہ بھی نہیں ارے چڑی میاں..... بات نہیں بنی..... ہیٹے چڑی..... یوں کتنے ہی لفظ سوچے اور پھر خود ہی مناسب نہ جان کر ادا کئے بغیر چھوڑ دیئے۔ میں اپنے من میں نام کے ساتھ القاب، یوں بن رہا تھا جیسے شاعر نظمیں بنتے ہیں ایک 12`10 سال کے لڑکے کیلئے اتنی توجہ سے سوچنا کہ اسکی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ اس کے نام لینے سے کسی طرح کی بے توقیری اور بے وقعتی کا احساس نہ ہو۔ اللہ جانے یہ جذبہ کیا؟ کیا کہلائے ممکن ہے کسی کو ہنسی آئے اور کسی کو سرے سے پسند ہی نہ آئے مگر کیا کیا جائے کچھ باتیں جذبے، خیال، سحکار ہوتے ہیں، ہمارے اپنے ساتھ، جو ہمیں زندگی سے جوڑتے ہیں۔ اپنے ڈھنگ اور اپنے رنگ سے۔ پھر یہ تو میرا استاد تھا..... عمر میں چھوٹا تھا تو کیا ہوا۔ علم میں تو بڑا تھا۔ اور علم والوں کیلئے تو خود اللہ جی نے کہا "کیا علم والے اور بلا علم والے برابر ہو سکتے ہیں" میں اسی شش و پنج میں تھا کہ ایک لڑکا آیا اور اس نے آتے ہی چڑی..... ارے چڑی..... کتھے ایں باہر نکل ناں ذرا.....

مجھے چڑی سے واسطہ نہ پڑا ہوتا اس کے کام، ہنر اور دانائی کو نہ دیکھا ہوتا تو ممکن ہے میں بھی اسے دوسروں کی طرح بلا لیتا۔ یا ممکن ہے میں ایسے ہی کتنی دیر اور سوچتا رہتا اور پھر خود ہی ہنس پڑتا۔ بہت دن پہلے جب میں نے اس سے نام پوچھا تھا چڑی..... یہ بھلا کیا نام ہوا۔ میں حیرت سے بول پڑا تھا۔ اپنا اصل نام بتاؤ۔ وہ جی اصل نام تو کب کا بھول چکا استاد نے پہلے دن چڑی کہا تھا۔ بس یہی پک گیا۔ انگوٹھی میں موتی کی طرح جڑ گیا۔ یہ جملہ کہہ کر وہ خوب مسکرایا تھا۔ سر جی! اب تو یہی نام رہے گا۔ یہی چلے گا۔ واقعی یہی ہوا۔ آنے والے سالوں میں میرا اس سے واسطہ پڑتا رہا اور یہی نام چلتا رہا۔ ہاں ساتھ میں سمجھداری اور مہارت کا سکہ بھی چلنے لگا۔ قول اختری ہے "رومال اور خیال ہمیشہ صاف ہونا چاہئے" رومال تو اس کے پاس ہوتا نہیں تھا مگر خیال کسی پرندے کی چونچ جیسا ہوتا ہمیشہ صاف۔ چڑی سے میرا تعارف اچانک ہوا بغیر کسی منصوبے اور بغیر کسی اطلاع کے۔ ان دنوں میں ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں کام کرتا تھا۔ کہنے کو میں ڈائریکٹر آپریشنز تھا یعنی آخری کام چیک کرنے اور اسے احسن طریقے سے مکمل کرانے کا ذمہ دار مگر عملاً آپریشن سوچنے، ڈیزائن کرانے، سے لیکر ماڈل ڈھونڈنے کا کام مکمل کرنے، پریس بھجوانے، ٹی وی ایڈ تیار کرانے یا اخبار میں اشتہار چھپوانے تک کے سارے مراحل اکثر اپنے ہاتھوں سے کرانے پڑتے۔ اس روز ایک ٹی وی کمرشل کی شوٹنگ تھی۔ میں خلاف معمول علی الصبح تیار ہوا۔ گیراج کا گیٹ کھولا۔ گاڑی باہر نکالی۔ بچے سو رہے تھے خود ہی اتر کر واپس آیا۔ گیٹ بند کیا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی گیئر لگا دیا۔ مگر ہوا یہ کہ گاڑی کھڑی کی کھڑی رہ گئی اور گیئر ہاتھ میں آگیا۔

نہ ایک قدم آگے نہ ایک قدم پیچھے۔ ایک ذرا سا پرزا مشین کا ہو یا انسانی معاشرت میں روایت کا۔ ذرا آگے پیچھے ہو جائے، گاڑی چلانا دوڑانا کیسے مشکل میں ڈال جاتا ہے۔ قول اختری ہے کہ تجربہ ہماری عقل کو بڑھاتا ضرور ہے مگر غلطیاں کم نہیں کرتا کل دن میں ایک دو بار گیئر بدلنے میں ہلکی سی دقت ہوئی، چاہئے تو ہی تھا میں فوراً مکینک کو چیک کروا لیتا مگر پھر شاید اس تجربے سے محروم رہ جاتا میں گاڑی سے باہر آیا۔ سوٹ پہنا ہوا تھا۔ ٹائی ڈھیلی کی کہ یہ ہلکی پریشانی کی علامت ہے اور گاڑی کے گرد چکر لگانے لگا۔ یہ تو مجھے علم تھا کہ گاڑی گیئر بدلنے سے چلتی ہے مگر وہ ہوتے کہاں ہیں بدلتے کیسے ہیں ٹوٹتے کیسے ہیں۔ میری جانے بلا۔ کبھی غور کرنے یا غور سے دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ کتابی علم جاننے والے عمل کی دنیا میں کتنے کورے ہوتے ہیں۔ اس عالم میں کہ جب کوئی راستہ نہیں تھا۔ صبح صبح در کشا پس بند ہوتی ہیں مکینک

میرے لئے میرے باپ سے بڑھ کر میرا استاد ہے۔ میرا باپ مجھے آسمان سے زمین تک لیکر گیا اور میرا استاد مجھے زمین سے آسمان تک لیکر گیا۔ (سکندر اعظم)

عبادت ہانڈی روٹی کو پورے دھیان اور پیار سے کرنا ہے۔ چڑی اور میری عبادت پرزوں اور اوزاروں کی خدمت کرنا اور انہیں صحت مند رکھنا ہے۔ یہی ہنر اللہ نے ہمیں دیا ہے۔ اسی میں ہم خوش ہیں۔ چڑی بہت اچھا بچہ ہے۔ میں نے بات آگے بڑھانے کیلئے کہا۔ وہ بہت عبادت گزار ہے۔ اپنے کام میں جی لگاتا ہے جس نے اپنے کام اور پیشے سے خیانت کی اس نے گویا اپنی عبادت میں ڈنڈی ماری بس وہ تو مارا گیا۔ تباہی نے اس کا گھر دیکھ لیا اور چڑی اس بات کو جی جان سے مانتا ہے۔ آپ کو دل کی بتاؤں تو میں اس کے ہاتھوں میں عبادت کے سجدوں سے پڑے گٹے دیکھتا ہوں تو عزت سے سر جھکا دیتا ہوں۔ رب سوہنا ایسے عبادت گزاروں کو بہت پسند کرتا ہے۔ انہیں بہت اونچا اڑاتا ہے۔ ان کے آس پاس رہنے اور بسنے والوں کے دلوں کو ان کی قدر سے بھر دیتا ہے۔ اور جس کیلئے اللہ دلوں میں عزت ڈال دے اسے اور کیا چاہئے۔ اسے واقعی اور کچھ نہیں چاہئے۔ شاید وہ سرخ پھولوں کا ہار بھی نہیں جو میں تازہ تازہ بنی ایک چھوٹی سی قبر پر ڈال کر ابھی آیا ہوں۔ اس قبر میں چڑی کو کل ہی دفنایا گیا ہے۔ اس پر پڑے پھولوں اور اگربتیوں کی مہک چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ میں وہاں کتنی دیر کھڑا سوچتا رہا کہ اتنے معصوم اور عبادت گزار لڑکے کیلئے میں کیا کروں اسکی زندگی بچانے کیلئے کوئی کچھ نہ کر سکا۔ کام سے واپسی پر جب وہ سڑک پار کر رہا تھا تو ایک وین ڈرائیور نے اپنی عبادت میں ڈنڈی ماری اور بظاہر تیز رفتاری اور بے احتیاطی کے باعث اسے کچلتے ہوئے گزر گیا۔ اسے لمحہ بھر ہی لگا ہوگا جانے میں اور وہ چڑی کیطرح ہی اڑ گیا۔ آج کچھ دیر قبل میں نے ورکشاپ پر جا کر اس کا پوچھا تھا تو یہی جواب ملا تھا چڑی..... وہ نمانا تو اڑ گیا۔

چڑی کا میری زندگی کے کچھ سالوں اور کچھ مشکلوں میں بہت کردار ہے۔ اس نے ہر ہر موقع پر میری راہنمائی کی۔ مجھے علم عطا کیا۔ میں نے تو شاید اسے پہلے دن سے استاد مان لیا تھا۔ اس لئے گاڑی اور اس کے پرزوں کا بہت سا علم نہ بھی لیتا تو ایک جملہ بھی بہت کافی تھا وہی چرنج اور دانے والا۔

قبرستان سے واپسی پر میں نے سوچا ہے کہ جس طرح کی زندگی ہمارے آس پاس ہے اس میں چڑی کب یاد رہے گا۔

اور یہاں آکر بھی کسی کو کیا پتا چلے گا کہ تہہ خاک کون سو رہا ہے۔ میں چوہدری جی سے ذرا آگے ایک کتبہ فروش کے پاس بیٹھا ہوں۔ اس نے میرے چہرے پہ لکھی محبت اور افسردگی پڑھ لی ہے اور پوچھا ہے۔

باؤ جی! بزرگاں داناں دسو..... کتبے پہ کیا کیا لکھانا ہے۔ میرے منہ سے بے اختیار نکلا ہے۔

استاد چڑی۔

عمر 12 سال

وہ ایک معصوم اور عبادت گزار روح تھی۔

ستائیسواں پارہ

اس پارے کا نام قال فما خطبکم ہے۔ اس میں سورہ الذریات کی 31 تا 61 سورہ الطور کی 1 تا 49 سورہ النجم کی ایک تا 62 آیات سورہ القمر کی 1 تا 55 آیات۔ سورہ الرحمن کی 1 تا 78 آیات۔ سورہ الواقعہ کی 1 تا 99 آیات اور سورہ الحدید کی 1 تا 29 آیات ہیں، ان آیات میں ایک بات ایسی بتائی گئی ہے جو جنوں کو بھی اچھی طرح سمجھنی چاہئے اور اس پر عمل کرنا چاہئے۔ اللہ پاک نے فرمایا۔ "ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے"۔ گویا ہمیں پیدا کرنے والے اور ہماری سب ضرورتیں پوری کرنے والے اللہ نے صاف لفظوں میں ہمیں یہ بتایا ہے کہ ہمیں یعنی انسانوں اور ایک اور مخلوق جنوں کو صرف اور صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس کی عبادت کریں۔ جبکہ حال یہ ہے کہ انسانوں میں زیادہ ایسے ہیں جو دنیا کا عیش و آرام حاصل کرنے کو زندگی کا اصل مقصد خیال کرتے ہیں، اور اللہ کے حکم کو توڑتے ہیں۔ ہمارا فرض ہے اپنے خالق اور مالک اللہ کا یہ حکم مانیں اور نماز ادا کرنے کو سب سے زیادہ ضروری کام جانیں۔ ان آیتوں میں اور خاص خاص باتیں یہ ہیں۔

سورہ الذریات۔ 33 تا 47 ان سے پہلی آیتوں میں حضرت ابراہیم کے گھر مہمان بن کر فرشتوں کے آنے کا حال بیان ہوا تھا۔ یہی ذکر آگے بڑھایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ فرشتے حضرت لوط کی قوم کو تباہ کرنے کیلئے بھیجے گئے تھے۔ 48 تا 62 ایسے لوگوں کا حال بیان ہوا جو رسولوں کو جادوگر کہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا آپ ان کی طرف دھیان نہ دیں اللہ کا پیغام پہنچاتے رہیں۔ بتایا گیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔

سورہ الطور نمبر 1 تا 28 کوہ طور اور دوسری کئی چیزوں کی قسم کھا کر بتایا گیا برائی کے راستے پر چلنے والے عذاب کا مزہ ضرور چکھیں گے۔ قیامت کا حال بیان ہوا کہ اس دن آسمان ڈگمگائے گا اور پہاڑ اڑتے پھریں گے۔ پھر دوزخیوں اور جنتیوں کا بتایا گیا کہ جنتی آرام میں اور دوزخی جہنم میں ڈالے جائینگے۔ بتایا جن جنتیوں کی اولاد نیک ہوگی وہ ان سے ملا دی جائیگی۔ 29 تا 49 ان لوگوں کا حال بیان ہوا جو رسولوں کو جادوگر اور شاعر کہتے تھے اور قرآن کو رسول اللہ کا کلام بتاتے تھے۔ ان سے کہا گیا اگر تم سچے ہو تو ایسا کلام بنا لاؤ۔ ان کے برے انجام کے بارے میں بتایا گیا۔

سورہ النجم 1 تا 25 ستارے کی قسم کھا کر کہا گیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور وہی بیان کرتے ہیں جو وحی کے ذریعے ان تک پہنچتا ہے۔ حضرت جبرئیل کے دو مرتبہ اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہونے کا حال بیان ہوا ہے۔

26 تا 32 ان باتوں کا حال بیان ہوا ہے جو فرشتوں کو دیویاں مانتے تھے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ وہ اللہ سے ان کی سفارش کرینگے۔ نیکی کرنے والوں کے بارے میں بتایا اللہ ان کی چھوٹی موٹی غلطیاں معاف کر دیگا۔ 33 تا 62 فرمایا قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائیگا۔ سب اپنے اپنے اعمال کا بدلہ پائینگے۔ بتا دنیا جہان میں جو کچھ بھی ہے اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ ہر چیز کا اسے اختیار ہے۔

سورہ القمر۔ 1 تا 22 ان لوگوں کا حال بیان ہوا جو بڑی سے بڑی نشانی بھی دیکھ کر اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ان کی طرف سے رخ پھیر لیں۔ قیامت کے دن یہ اپنا انجام دیکھ لینگے۔ قوم نوح اور قوم عاد کا حال بیان کیا گیا جو ہلاک کی گئیں۔ 23 تا 41 حضرت صالح اور حضرت لوط کی قوموں کا حال بیان کیا گیا جنھوں نے اپنے رسولوں کی نصیحتوں پر عمل نہ کیا۔ سرکشی میں اور بڑھ گئیں اور اللہ نے ان پر عذاب نازل کیا۔ 42 تا 55 فرعون کی قوم کے تباہ ہونے کا حال بیان کر کے کافروں سے کہا گیا کہ وہ طاقت میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ یہ گمان نہ کرو کہ اپنا بچاؤ کر لو گے۔ جب اللہ کا عذاب آئیگا تو کہیں پناہ نہ ملے گی۔ سورہ الرحمن 1 تا 25 بتایا اللہ نے قرآن کے ذریعے بھلائی کی تعلیم دی ہے۔ اور ہر چیز اس کے بنائے ہوئے قانون کی پابند ہے۔ پس تمہارا فرض ہے انصاف پر قائم رہو۔ اس کے نظام میں خلل نہ ڈالو۔ اپنی نعمتوں کا ذکر کر کے انسان کی پیدائش حال بتایا اور کہا۔ تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

اس سورہ میں یہ جملہ بار بار آیا ہے)۔

26 تا 45 بتایا دنیا میں جو کچھ بھی ہے فنا ہو جائیگا۔ صرف تیرے رب کی ذات باقی رہنے والی ہے۔ بتایا کل مخلوق اپنی حاجتیں اللہ ہی کے سامنے پیش کر رہی ہے۔ بتایا اپنی مرضی سے کوئی بھی ان حدوں سے نہیں نکل سکتا جو اللہ نے قائم کی ہیں۔ 46 تا 78 ان انعامات کا ذکر کیا جو جنت میں ملیں گے اور بتایا گیا کہ جنت اللہ سے ڈرنے والوں کو ملے گی۔

سورہ الواقعہ 1 تا 38 قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر کر کے بتایا اس دن انسان تین گروہوں میں بٹ جائینگے 1۔ ان کا نامہ اعمال سامنے سے دیا جائیگا۔ یہ بہت خوش نصیب ہونگے 2۔ ان کا نامہ اعمال داہنی طرف سے دیا جائیگا۔ یہ بھی خوش قسمت ہونگے۔ 3۔ ان کا نامہ اعمال بائیں طرف سے دیا جائیگا یہ بدبخت ہونگے۔ سورہ الحدید 1 تا 10 اللہ نے اپنی شان بیان کی کہ زمین آسمان میں جو کچھ بھی ہے میرا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے میرے حکم سے ہو رہا ہے۔ دین کی ترقی کیلئے خرچ کرنے کا حکم دیا اور اسے قرض بتایا جو نفع کے ساتھ لوٹایا جائیگا۔

11 تا 19 بتایا جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرینگے قیامت کے دن ان کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں نور دوڑ رہا ہوگا۔ دوزخی حسرت کرینگے کہ کچھ حصہ انہیں بھی مل جائے۔

20 تا 25 بتایا دنیا کی زندگی ختم ہونے والی ہے، لیکن آخرت کی زندگی ختم نہ ہوگی، بتایا اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں، فخر کرتے ہیں اور کنجوس ہیں۔

26 تا 29 حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجنے کا ذکر کر کے حضرت عیسیٰ کو رسول بنانے اور انجیل دینے کا ذکر کیا اور بتایا ان کے ماننے والوں میں سے کچھ نے رہبانیت (دنیا چھوڑ دینا) خود ایجاد کی ہے اور پھر پوری طرح اسی پر عمل بھی نہ کیا۔ بتایا مسیحیوں میں جو نیک تھے انہیں اجر دیا گیا۔

سوالات

1۔ دو قوموں عاد اور ثمود کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی طرف کئی رسولوں کو بھیجا گیا؟

2۔ حضرت موسیٰ پہلے مبعوث ہوئے یا حضرت عیسیٰ؟

3۔ آسمانی کتابوں میں قرآن کی شان کیا ہے؟